از افادات

مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

معاشرتی حقوق و فرائض

مرتب

محمد اسحٰق ملتانی

مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

فون: 4540513-4519240
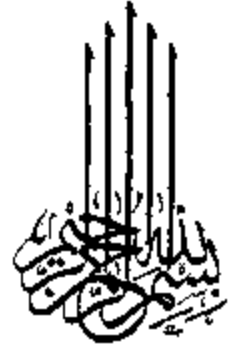
معاشرتی
حقوق وفرائض

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

مسلمان تو وہی ہے

جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے

دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

(بُخاریؒ ومُسلمؒ)

بسلسلہ حقوق و فرائض-۳

معاشرتی حقوق و فرائض

از افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

مرتب

محمد اسحٰق ملتانی

مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون:4540513-4519240

نام کتاب

معاشرتی حقوق و فرائض

تاریخ اشاعت..................محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

ناشر..................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت..................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو براہ مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ہم نے اس کتاب کو حرف بحرف پڑھنے کے بعد اس میں درج قرآنی آیات احادیث مبارکہ اور دیگر عربی عبارات کو غور سے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد انکی صحت اور رسم الخط کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ کتاب ہماری کوشش کے مطابق ہر قسم کی اغلاط سے پاک ہے۔

قاری محمد ابوبکر رحیمی غفرلہٗ فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان	مولانا محمد طلحہ غفرلہٗ فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ... اردو بازار... لاہور

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

ادارۃ الانور... نیو ٹاؤن کراچی نمبر 5

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K.

(ISLAMIC BOOKS CENTRE

119-121 HALLIWELL ROAD

BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

زیر نظر کتاب "معاشرتی حقوق و فرائض" حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، کے افادات کا مجموعہ ہے۔ جسے حضرت کے مواعظ و خطبات مجالس و ملفوظات اور دیگر تالیفات سے مرتب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

شروع کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث مبارکہ دی گئی ہیں جو "معاشرتی حقوق" سے متعلق ہیں۔ گویا یہ احادیث مبارکہ کتاب ہذا کا متن ہیں اور باقی تمام مضامین اس کی عام فہم شرح ہیں۔

حقوق کی اہمیت کے پیش نظر حضرت کے بیانات و فرمودات جو متفرق کتب میں پھیلے ہوئے ہیں انہیں موضوع کے اعتبار سے ۳ جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے گویا ان تین جلدوں میں حقوق سے متعلق تمام اسلامی احکام و آداب اور عصر حاضر میں انکی ادائیگی کی سہل صورتیں اور معاشرہ میں حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں جو جو حق تلفیاں ہو رہی ہیں ان کی

نشاندہی پر مشتمل یہ تینوں جلدیں فرد سے معاشرہ تک کی اصلاح کا ایک مکمل نصاب ہے جو ہر مسلمان کو اسلامی تعلیمات کا صحیح آئینہ دکھا کر اسے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

عصر حاضر میں حضرت کی شخصیت ماشاء اللہ عوام وخواص میں جو مقبولیت رکھتی ہے وہ عنداللہ قبولیت کی علامت ہے۔ جس کے پیش نظر اللہ رب العزت سے قوی امید ہے کہ حضرت کے افادات کا حقوق سے متعلق یہ مجموعہ شرف قبولیت سے نوازا جائیگا۔

زیر نظر کتاب کے مضامین چونکہ مختلف کتب سے منتخب کئے گئے ہیں اس لئے اسے مستقل تصنیف کی بجائے انتخاب کے نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو مناسب ہوگا۔ بعض جگہ واقعات یا مضامین کا تکرار بھی ہوگا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ان شاء اللہ یہ بھی فوائد سے خالی نہ ہوگا۔ تاہم ان مضامین کی ترتیب کے سلسلہ میں جو تشنگی یا نقص ہو اسے بلا تردد مرتب کی طرف منسوب کیا جائے اور صاحب افادات کی شخصیت اس سے مبرا ہوگی۔ اگر کوئی اہل علم ایسی کسی غلطی کی نشاندہی فرمادیں گے تو احقر پر احسان ہوگا۔

اللہ پاک صاحب افادات کا مبارک سایہ ہمارے سروں پر بصحت وعافیت قائم رکھیں۔ اور اس مجموعہ کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے ہم سب کی اصلاح وفلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

طالب دعا

احقر محمد اسحٰق ملتانی

محرم الحرام ۱۴۲۷ھ بمطابق فروری 2006ء

اس کتاب کو اس طرح پڑھئے!

ا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ. مؤمن کی اچھی نیت اسکے اچھے عمل سے بہتر ہے۔

لہٰذا اس کتاب کے مطالعہ سے پہلے ہمیں اپنی نیت کا جائزہ لے لینا چاہئے۔ وہ یہ کہ ہم عمل کی نیت سے پڑھیں۔ بس پھر کیا ہے عمل کی نیت سے ثواب شروع۔

۲۔ یہ کتاب چونکہ حقوق سے متعلق ہے لہٰذا اس کتاب میں درج تمام ہدایات اور اسلامی تعلیمات کو انتہائی سنجیدگی سے پڑھا جائے۔ اور عمل کی نیت میں مزید وسعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ تہیہ کرلیا جائے کہ دوسروں کے ذمہ میرے جو حقوق ہیں وہ ادا کریں یا نہ کریں میں اپنے حقوق کی ادائیگی میں حتی المقدور کوشش کر کے انکی ادائیگی کرتا رہونگا۔ خود کو اپنے تمام متعلقین کا خادم تصور کر کے حقوق العباد اور معاملات سے متعلق اب تک جو کوتاہی ہوئی ہے اس کی تلافی کی فکر کروں گا۔ اور آئندہ ان شاء اللہ اس سلسلے میں خود کو شرعی حدود کا پابند بناؤں گا۔ اگر ہر انسان خود کو مخدوم سمجھنے کی بجائے خادم بنالے تو حقوق کی ادائیگی میں کبھی دشواری نہ ہو۔

۳۔ کتاب پڑھنے کیلئے ایسا وقت مقرر کرلیا جائے جو تمام مصروفیات سے خالی ہو۔

کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ذہن پر کسی اور وجہ سے الجھن سوار ہوتی ہے اور آدمی کتاب کے مضمون سے چبھن محسوس کرتا ہے۔

۴۔ کوشش کی جائے کہ کتاب کو اول تا آخر مکمل پڑھیں۔

۵۔ دوران مطالعہ ایک قلم ساتھ رکھیں اور جن امور میں خود کو عملی اعتبار سے کمزور محسوس کریں ان پر نشان لگالیں اور ان کو بار بار پڑھ کر اپنی اصلاح کیلئے خوب دعائیں مانگیں۔

۶۔ جو بات سمجھ نہ آئے اسے بھی نشان لگالیں اور قریبی کسی معتمد عالم صاحب سے سمجھ لیں۔

کتاب پڑھتے ہوئے تمام مسلمان کیلئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقوق کی ادائیگی کی فکر نصیب فرمائیں تا کہ معاشرہ اپنی فطری خوشحالی کی طرف ترقی کر سکے۔

اگر آپ اس کتاب کو اپنے لیے مفید پائیں تو یہ آپ کا دینی واخلاقی فریضہ ہے کہ اپنے دوست احباب کو بھی اسکے مطالعہ کی ترغیب دیں اور اس کتاب میں حقوق اور انکی ادائیگی کے سلسلہ میں جو بھی باتیں آپکے علم میں آئیں انہیں دوسروں تک پہنچائیں۔ اور معاشرہ میں حقوق کی ادائیگی کی فکر کیلئے خود کو بھی اور دوسروں کو بھی متحرک کیجئے۔ اس سلسلہ میں تدابیر کے علاوہ دعاؤں کا خاص اہتمام کیا جائے اس سے خود آپ کو بھی فائدہ ہوگا لہٰذا ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں نہ بھولئے گا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

فہرست عنوانات

معاشرتی حقوق وفرائض سے متعلق احادیث مبارکہ

خلق خدا سے محبت

مسلمان اور ایذا رسانی

دوستی و دشمنی میں اعتدال

بیمار کی عیادت کے آداب

1

ایمان کامل کی چار علامتیں

پڑوسی

جان کی قیمت

اصلاح معاشرہ کیلئے لائحہ عمل

معاشرتی حقوق وفرائض سے متعلق
احادیث مبارکہ

سفارش کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

عمدہ ترین صدقہ سفارش کرنا ہے جس سے کوئی قیدی قید سے چھوٹ جائے یا کسی آدمی کا خون معاف ہو جائے۔ یا کسی کے ساتھ بھلائی کی جائے یا کسی کی تکلیف رفع کی جائے۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ہر تکلیف پر اجر ملنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جب تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو اسے چاہئے کہ وہ یہ کہے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ یا اللہ میں اس تکلیف پر ثواب کا طلب گار ہوں۔ مجھے اس پر اجر عطا فرمایئے اور اس کی جگہ مجھے کوئی اس سے بہتر چیز عطا فرمایئے (ابوداؤد باب الاسترجاع)

نیز حدیث میں ہے

کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چراغ گل ہو گیا تو آپ نے اس پر بھی إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔

نماز جنازہ کا ثواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"جو شخص کسی جنازے پر نماز پڑھے۔ اس کو ایک قیراط ملے گا اور جو اس کے پیچھے جائے یہاں تک کہ اس کی تدفین مکمل ہو جائے تو اس کو دو قیراط ملیں گے جن میں سے ایک احد کے پہاڑ کے برابر ہوگا۔"

تعزیت و تسلی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت (تسلی) کرے اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس مصیبت زدہ کو اس مصیبت پر ملتا ہے۔ (جامع ترمذی، کتاب الجنائز حدیث ۱۰۷۳)

اللہ کا سایہ ملنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج جب کہ میرے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہے۔ میں ایسے لوگوں کو اپنے سائے میں رکھوں گا''۔ (صحیح مسلم' کتاب البر والصلہ)

نور کے منبروں کا ملنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''اللہ کی عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے اور لوگ ان پر رشک کریں گے''۔ (جامع ترمذی۔ کتاب الزہد)

قابل رشک مرتبہ والے لوگ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ تو پیغمبر ہیں۔ نہ شہید ہیں۔ مگر قیامت کے دن پیغمبر اور شہید ان کے مرتبے دیکھ کر رشک کریں گے اور وہ نورانی منبروں پر ممتاز حالت میں بیٹھے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بندوں کے دل میں خدا کی محبت پیدا کرتے ہیں اور خدا کے دل میں ان کی محبت ڈالتے ہیں۔ اور دنیا میں نصیحت کرتے پھرتے ہیں۔'' جب یہ الفاظ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمائے تو لوگوں نے پوچھا کہ وہ خدا کے بندوں کی محبت خدا کے دل میں کیسے ڈالتے ہیں۔ جناب سرور کائنات نے فرمایا کہ ''وہ لوگوں کو ان باتوں سے منع کرتے ہیں جن کو خدا ناپسند کرتا ہے۔ پھر جب لوگ ان کا کہا مان لیتے ہیں اور ان کے کہنے پر عمل کرتے ہیں تو خدا ان سے محبت کرتا ہے۔

مظلوم کی مدد کا انعام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو آدمی مظلوم کے ساتھ اس غرض سے جاتا ہے کہ اس کے حق کو ثابت اور مضبوط

کرے خدا اس کے قدموں کو اس دن مضبوط رکھے گا جبکہ لوگوں کے قدم ڈگمگاتے ہوں گے۔ (رواہ ابوالشیخ وابونعیم)

سب سے معزز آدمی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

خدا کے نزدیک سب سے زیادہ اس آدمی کی عزت ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

غصہ پر صبر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو آدمی غصے کو پی جاتا ہے اور غصہ کرنے پر قادر بھی ہوتا ہے خدا اس کے دل کو ایمان سے بھر دیتا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

ایمان کا لطف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

انسان خالص ایمان کا مزا نہیں پاتا جب تک کہ وہ ٹھٹول کرنے۔ جھوٹ بولنے اور باوجود حق دار ہونے کے جھگڑا کرنے کو ترک نہ کرے۔ (رواہ ابن عدی فی الکامل)

اعلیٰ درجہ کا مسلمان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مسلمانوں میں اعلیٰ درجہ کا وہ ہے جو آسانی کے ساتھ بیچتا اور آسانی کے ساتھ خریدتا اور ہر معاملہ کو آسانی کے ساتھ چکا دیتا ہے۔ (طبرانی فی الاوسط)

ہمسایہ کا خیال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

یہ بات قیامت تک نہیں ہو سکتی کہ کوئی آدمی مسلمان ہو اور اس کا ہمسایہ اس سے تکلیف پاتا ہو۔ (مسند الفردوس للدیلمی)

سب سے عمدہ نیکی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

نیکی کے کاموں میں خدا کے نزدیک سب سے اچھا کام اس شخص کا ہے جو بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ مفلسوں کا قرض ادا کرتا اور مصیبت زدوں کی تکلیف رفع کرتا ہے۔ (الطبرانی)

مسلمان کو ملنے جانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

ایک مسلمان جو دوسرے مسلمان کے پاس ملنے کے لئے جاتا ہے اس کو بہ نسبت اس دوسرے مسلمان کے زیادہ ثواب دیا جائے گا۔ (رواہ الدیلمی فی الفردوس)

تین طرح کے ہمسائے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

ہمسائے تین طرح کے ہیں۔ ان میں سے ایک ہمسایہ کا حق تو بس ایک ہی ہے اور وہ مشرک ہمسایہ ہے۔ ایک ہمسائے کے دو حق ہیں اور وہ مسلمان ہمسایہ ہے۔ ایک حق اس کے ہمسایہ ہونے کا ہے اور دوسرا حق مسلمان ہونے کا۔ ایک ہمسایہ کے تین حق ہیں اور وہ مسلمان رشتہ دار ہمسایہ ہے۔ ایک حق اس کے ہمسایہ ہونے کا ہے۔ دوسرا حق رشتہ دار ہونے کا ہے اور تیسرا حق مسلمان ہونے کا۔ (رواہ البزار وابونعیم فی الحلیہ)

ہمسائے کے حقوق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

ہمسائے کا حق یہ ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی مزاج پرسی کرو اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جاؤ۔ اگر وہ ادھار مانگے تو اس کو قرض دو۔ اگر وہ ننگا ہو تو اس کو کپڑے پہناؤ۔ اگر کوئی خوشی اس کو حاصل ہو تو اس کو مبارکباد دو۔ اگر کوئی مصیبت اس پر طاری ہو تو اس کو تسلی دو اور اپنے مکان کو اس کے مکان سے اونچا نہ کرو۔ تاکہ وہ ہوا سے محروم نہ رہے۔ اور اپنے چولہے کے دھوئیں سے اس کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

علماء کا احترام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مسلمانو! عالموں کی تعظیم کیا کرو۔ کیونکہ وہ پیغمبروں کے وارث ہیں۔ جو کوئی ان کی تعظیم کرتا ہے وہ خدا اور رسول کی تعظیم کرتا ہے۔ (رواہ الخطیب)

سلام کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"تم اس وقت تک جنت میں نہیں جاسکتے، جب تک مؤمن نہ ہو اور اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے، جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ ہو، اور کیا میں تمہیں ایک ایسا طریقہ نہ بتاؤں کہ اس پر عمل کرنے سے تم میں باہمی محبت پیدا ہو؟...... (وہ طریقہ یہ ہے کہ) تم ایک دوسرے کو سلام واضح طریقہ سے کیا کرو۔" (مسلم)

سلام کرنے ضابطہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"سوار پیدل کو سلام کرے، چلنے والے بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو۔" (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔" (بخاری، مشکوٰۃ)

سلام کی ابتداء کرنے والا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"اللہ سے قریب ترین شخص وہ ہے جو سلام کی ابتداء کرے۔" (احمد، ترمذی، مشکوٰۃ)

گھر والوں کو سلام کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو اس کے باشندوں کو سلام کرو، اور جب وہاں سے

جانے لگو تو ان کو سلام کر کے رخصت کرو۔" (بیہقی، مشکوٰۃ)

مصافحہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"جب بھی دو مسلمان آپس میں ملاقات کرتے اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کے (صغیرہ گناہوں کی) مغفرت کر دی جاتی ہے۔" (احمد، ترمذی، مشکوٰۃ)

عیادت کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"بیمار کی مکمل عیادت یہ ہے کہ تم اس کی پیشانی پر یا ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھو اور اس سے پوچھو کہ وہ کیسا ہے؟ اور آپس میں ملتے وقت مکمل تحیہ یہ ہے کہ مصافحہ بھی کرو۔" (مشکوٰۃ)

بیٹھنے سے پہلے اجازت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"دو آدمیوں کے درمیان ان سے اجازت لیے بغیر مت بیٹھو۔" (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

مسلمان کیلئے جگہ بنانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"مسلمان کا یہ حق ہے کہ جب اس کا بھائی اسے دیکھے تو اس کی خاطر اپنی جگہ سے (کچھ) حرکت کرے۔" (بیہقی، مشکوٰۃ)

چھینک کا جواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"چھینک والے کو تین مرتبہ (یرحمک اللہ کہہ کر) جواب دے دو، لیکن اسے اس سے زیادہ چھینکیں آتی ہیں تو چاہے جواب دے دو، چاہے نہ دو۔" (ابوداؤد، ترمذی، مشکوٰۃ)

جمائی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"جس کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے۔" (مسلم، مشکوٰۃ)

گالی نہ دو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کے ساتھ قتال کفر ہے۔'' (متفق علیہ، مشکوۃ)

لعنت نہ کرو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''کسی سچے مسلمان کے شایان شان نہیں کہ وہ دوسروں پر لعنت کرتا پھرے۔'' (مسلم، مشکوۃ)

لوگوں کو تباہ کہنے والا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''جو شخص (اپنے آپ کو پاک وصاف سمجھتے ہوئے) یہ کہے کہ لوگ تباہ ہو گئے (یعنی اعمال بد میں مبتلا ہیں) تو وہ شخص ان عام لوگوں سے زیادہ تباہ حال ہے۔'' (مسلم، مشکوۃ)

دورُخا آدمی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''قیامت کے روز بدترین شخص وہ دورُخا آدمی ہوگا جو ان کے پاس ایک روپ میں آئے اور اُن کے پاس دوسرے روپ میں''۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ)

جھوٹ کہہ کر ہنسانے والا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! ''افسوس ہے اس شخص پر جو جھوٹی باتیں کرے تاکہ لوگ ہنسیں افسوس ہے اس پر، افسوس ہے اس پر۔'' (مشکوۃ)

تائب کو عار نہ دلاؤ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی (ایسے) گناہ پر (جس سے اس نے توبہ کرلی ہو) عار دلائے تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ کا

ارتکاب نہ کرلے۔" (ترمذی، مشکوٰۃ)

نقل نہ اتارو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! "مجھے پسند نہیں ہے کہ میں کسی کی نقل اتاروں، خواہ مجھے اس کے بدلے میں کچھ ہی کیوں نہ مل جائے۔" (مشکوٰۃ)

لوگوں پر رحم کرو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"رحمٰن رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے، زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔" (ترمذی، ابوداؤد، جمع الفوائد)

محبت کی اطلاع کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"جب کسی شخص کو اپنے کسی بھائی سے محبت ہو جائے، تو اسے چاہیے کہ اسے بتا دے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" (ابوداؤد، ترمذی، جمع الفوائد)

محبت میں اعتدال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"جس سے محبت ہو اس سے محبت اعتدال کے ساتھ کرو، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا مبغوض بن جائے اور جس سے تمہیں بغض اور نفرت ہو، اس سے نفرت بھی اعتدال کے ساتھ کرو، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی دن تمہارا محبوب بن جائے۔" (ترمذی، جمع الفوائد)

خوش اخلاقی ونرمی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"مسلمانوں میں مکمل ترین ایمان اس شخص کا ہے جو زیادہ خوش اخلاق ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ زیادہ نرمی اور مہربانی کا معاملہ کرتا ہو۔" (ترمذی، جمع الفوائد)

مثالی ہمدردی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"باہمی دوستی اور ایک دوسرے پر رحم وشفقت میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے، جب اس کے کسی عضو کو کوئی تکلیف ہو تو پورا جسم اس کی خاطر بخار اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" (بخاری، مسلم، جمع الفوائد)

ہر حال میں مدد کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو، تب بھی اور مظلوم ہو تب بھی، ایک شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مظلوم کی مدد کروں گا، لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے ظلم سے روکو، یہی اس کی مدد ہے۔" (بخاری، ترمذی، جمع الفوائد)

بھائی کی آبرو بچانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"جو شخص اپنے بھائی کی آبرو کا دفاع کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے آگ دور رکھے گا۔" (ترمذی، جمع الفوائد)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے اس کے دشمنوں کے حوالہ کرتا ہے، اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی بے چینی دور کرے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت کی بے چینیوں میں سے اس کی کوئی بے چینی دور کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔" (ابوداؤد، جمع الفوائد)

مظلوم کا حق دلانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''جو شخص کسی مظلوم کا حق دلانے کے لیے اس کے ساتھ چلے، اللہ تعالیٰ اسے اس دن پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا، جس دن بہت سے قدم لغزش کھا جائیں گے۔'' (ترمذی)

مومن، مومن کا آئینہ ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''تم میں سے ہر شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے، لہٰذا اگر کسی کو اس میں کوئی گندگی نظر آئے تو چاہیے کہ وہ گندگی دور کردے۔'' (ترمذی، جمع الفوائد)

خندہ پیشانی سے ملنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''تم میں سے کوئی شخص کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھے، اگر اور کچھ نہ کر سکے تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ہی مل لے۔

بربادی سے تحفظ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

میں تم کو وہ بات بتاتا ہوں جس کا درجہ نماز اور روزہ اور صدقہ سے زیادہ بلند ہے۔ وہ آپس میں اتفاق رکھنا ہے اور آپس میں نفاق رکھنا برباد کرنے والا ہے۔ (سنن ترمذیؒ)

صلح اللہ کو محبوب ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔ کیونکہ قیامت کے دن خداوند عالم مسلمانوں کے درمیان خود صلح کرائے گا۔

اللہ اور رسول کی رضا کا حصول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اے ابوایوب! میں تم کو ایسی بھلائی کی بات بتلاتا ہوں جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم لوگوں کے درمیان صلح کراؤ جب کہ ان میں تکرار ہو اور ان کو پاس پاس لے آؤ جب کہ وہ دور دور ہوئے جاتے ہوں۔ (المعجم الکبیر للطبرانیؒ)

ملعون آدمی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

خدا اس آدمی پر لعنت کرتا ہے جو مظلوم کو دیکھے اور اس کی مدد نہ کرے۔ (فرمان ابن عباسؓ)

مہینہ کے اعتکاف سے بہتر عمل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنے میں ایک دن صرف کر ڈالے تو یہ بات اس سے بہتر ہے کہ وہ ایک مہینے تک اعتکاف میں بیٹھا رہے۔ (ذکرہ ابن زنجویہ)

مہینہ بھر کے روزوں اور اعتکاف سے بہتر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

اگر میں اپنے مسلمان بھائی کی کسی کام میں مدد کروں تو یہ بات مجھے بہ نسبت اس بات کے زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے کہ میں ایک مہینے تک روزے رکھا کروں اور کعبہ کی مسجد میں اعتکاف کروں۔ (ذکرہ ابوالغنائم النرسی فی قضاء الحوائج)

مدد نہ کرنے کی سزا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل سمجھے اور اس کی مدد نہ کرے باوجود اس کے کہ وہ اس کی مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہو قیامت کے دن خدا اس کو تمام حاضرین کے سامنے ذلیل کرے گا۔ (مسند احمد بن حنبلؒ)

مسلمان کی غیبت کا گناہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

2 اگر کسی مسلمان کے سامنے کسی اور مسلمان کی غیبت کی جائے اور وہ مسلمان اس کی مدد نہ کرے یعنی غیبت کرنیوالے کو بدگوئی سے نہ روکے تو خدا اس کو دنیا اور آخرت میں ذلیل کریگا۔ (ابی الدنیا)

مسلمان کو بے عزتی سے بچانا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی بے عزتی کرنے سے باز رہے قیامت کے دن خدا اس کو دوزخ کی آنچ سے محفوظ رکھے گا۔ (رواہ الامام احمد فی مسندہ)

مسلمان کی غیبت سے بچنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی غیبت کرنے سے باز رہے خدا اس کو دوزخ کی آگ سے ضرور بچائے گا۔ (مسند احمد بن حنبلؒ)

پیٹھ پیچھے مدد کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی پیٹھ پیچھے مدد کرے خدا دنیا و آخرت میں اس کی مدد کرے گا۔ (رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ)

اللہ کا پسندیدہ کام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

خدا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ دردمندوں اور مصیبت زدوں کی مدد کی جائے۔ (ابن عساکر)

نفلی عبادت سے افضل چیز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"کیا میں تمہیں نفلی روزے، نماز اور صدقہ سے زیادہ افضل چیز نہ بتاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ضرور بتائیے، آپ نے فرمایا، باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانا (یعنی جھگڑوں

کو ختم کرنا اس لئے کہ باہمی تعلقات کا بگاڑ مونڈنے والی چیز ہے، میرا مطلب یہ نہیں کہ یہ بگاڑ بال مونڈتا ہے، بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔" (ابوداؤد، جمع الفوائد)

معزز کا احترام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو تم بھی اس کا احترام کرو۔" (جمع الفوائد)

سفارش کرنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

مسلمانوں کے لئے (جائز طور پر) سفارش کیا کرو، تمہیں اس کا اجر ملے گا"۔ (ابوداؤد)

اچھے اخلاق والا ہونا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"تم میں سے جو زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں گے وہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوں گے اور قیامت کے دن ان کی نشست (دوسروں کے مقابلے میں) مجھ سے زیادہ قریب ہوگی اور مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور قیامت کے دن مجھ سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے، جو بہت فضول گو، منہ بھر بھر کر باتیں کرنے والے اور شیخی باز ہوں۔" (ترمذی، جمع الفوائد)

بدگمانی سے بچو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"لوگوں کے ساتھ برا گمان کرنے سے بچو۔" (طبرانی، جمع الفوائد)

بھاری گناہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"یہ بڑا بھاری گناہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی ایسی بات کہو جس کے بارے میں وہ تمہیں سچا سمجھ رہا ہو، اور تم اس کے سامنے جھوٹ بول رہے ہو۔" (ابوداؤد، جمع الفوائد)

غصہ سے بچو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''غصہ شیطانی چیز ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا تھا، آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، لہٰذا اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ وہ وضو کرلے۔'' (ابوداؤد، جمع الفوائد)

غصہ کا علاج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو اسے چاہیے کہ بیٹھ جائے، اگر بیٹھنے سے غصہ فرو نہ ہو جائے تو خیر! ورنہ اسے چاہیے کہ لیٹ جائے۔'' (ابوداؤد، جمع الفوائد)

غیبت سے بچو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، غیبت یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا اس انداز میں ذکر کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہو، ایک شخص نے عرض کیا کہ اگر میرے بھائی میں واقعۃً برائی موجود ہو، تب بھی یہ غیبت ہے؟ آپ نے فرمایا! گر اس میں وہ برائی موجود ہے تب تو تم اس برائی کا ذکر کر کے غیبت کے مرتکب ہوگے اور اگر اس میں وہ عیب موجود نہ ہو تو تم بہتان کا ارتکاب کروگے۔'' (ابوداؤد، ترمذی، جمع الفوائد)

حسد سے بچو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''حسد سے بچو، اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔'' (ابوداؤد، جمع الفوائد)

قطع تعلق نہ کرو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''کسی مؤمن کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے کہ دونوں ملیں تو یہ اس سے منہ موڑ جائے اور وہ اس سے منہ موڑ جائے، ان دونوں میں بہتر شخص وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔'' (بخاری، مسلم وغیرہ، جمع الفوائد)

کسی کی تکلیف پر خوش نہ ہونا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''اپنے بھائی کی کسی تکلیف پر خوشی کا اظہار مت کرو، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے تو اس تکلیف سے عافیت دے دے اور تمہیں مبتلا کر دے۔'' (ترمذی، جمع الفوائد)

جھگڑا چھوڑنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''جو شخص باطل پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے، اس کے لیے جنت کے کناروں پر ایک گھر تعمیر کیا جائے گا، اور جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے، اس کے لیے جنت کے بیچ میں مکان تعمیر کیا جائے گا، اور جو اپنے آپ کو خوش اخلاق بنا لے، اس کے لیے جنت کے اعلیٰ حصے میں مکان تعمیر کیا جائے گا۔'' (ترمذی، جمع الفوائد)

مبغوض ترین آدمی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''اللہ کے نزدیک مبغوض ترین شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔'' (بخاری و مسلم، جمع الفوائد)

ہر چیز کی زینت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

''نرمی جس چیز میں بھی ہوگی، اسے زینت بخشے گی اور جس چیز سے بھی دور کر دی جائے گی اس میں عیب پیدا کر دے گی۔'' (مسلم و ابوداؤد، جمع الفوائد)

خلق خدا سے محبت

اسلامی اخوت۔ علماء کا اکرام۔ مسلمان بھائی کی مدد
نرم خوئی۔ صلح اور عیب کی پردہ پوشی سے متعلق
اسلامی احکام وہدایات

خلق خدا سے محبت کیجئے

کسی کی پریشانی دور کرنے پر اجروثواب

ایک حدیث شریف میں پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مومن کی دنیا کی بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دور کرے، مثلاً وہ مومن کسی پریشانی میں گھرا ہوا ہے یا کسی مشکل میں مبتلا ہے اور کوئی مسلمان اس کی اس پریشانی اور مشکل کو کسی عمل کے ذریعہ یا کسی مدد کے ذریعے دور کردے تو اس کا یہ عمل اتنے بڑے اجروثواب کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں قیامت کی سختیوں اور بے چینیوں میں سے ایک بے چینی کو اس سے دور فرمادیں گے۔

تنگدست کو مہلت دینے کی فضیلت

دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی تنگدست آدمی کے لئے کوئی آسانی پیدا کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا وآخرت دونوں میں آسانی پیدا فرمادیں گے۔ مثلاً ایک شخص مقروض ہے اور اس نے اپنی کسی ضرورت کی خاطر قرض لیا اور کسی خاص وقت پر واپس کرنے کا وعدہ کرلیا لیکن جب قرض واپس کرنے کا وقت آیا تو قرض واپس کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ تنگدست ہے۔ اب وہ قرض واپس کرنا چاہتا ہے لیکن تنگدستی کی وجہ سے نہیں دے سکتا اب اگرچہ قرض لینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ مطالبہ کرے کہ میرا قرض مجھے واپس کرو لیکن اگر یہ شخص اس کی تنگدستی کو دیکھتے ہوئے اس کو مہلت دے دے اور اس سے یہ کہہ دے کہ اچھا جب تمہارے پاس پیسے آجائیں اس وقت دے دینا۔ ایسے شخص کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں آسانی پیدا فرمائیں گے اسی کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا۔

و ان کان ذو عسرة فنظرة الیٰ میسرة (سورۃ البقرۃ:۲۸۰)

یعنی تمہارا مقروض شخص اگر تنگدست ہے تو پھر ایک مومن کا کام یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک مہلت دے جب تک اس کا ہاتھ کھل جائے اور اس کی تنگدستی دور ہو جائے اور اس میں قرض کی ادائیگی کی طاقت پیدا ہو جائے۔

نرم خوئی اللہ کو پسند ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کو نرم خوئی بہت پسند ہے۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب عمل ہے۔ جس شخص نے قرض کے طور پر پیسے دیئے ہیں اس کو قانونی طور پر ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ وہ مطالبہ کر کے اپنا قرض وصول کر لے۔ یہاں تک کہ قانونی طور پر اس کو قید بھی کرا سکتا ہے لیکن اسلام کا ایک مسلمان سے یہ مطالبہ ہے کہ صرف پیسوں ہی کو نہ دیکھو کہ کتنا پیسہ چلا گیا اور کتنا پیسہ آ گیا بلکہ یہ دیکھو کہ کسی اللہ کے بندے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے جس کی کوئی حد وانتہا نہیں اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ قیامت کے روز نرمی کا معاملہ فرمائیں گے۔

دوسرے مسلمان کی حاجت پوری کرنے کی فضیلت

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من كان في حاجة اخيه كان الله في حاجته (ابوداؤد)

جو شخص جتنی دیر اپنے بھائی کے کام بنانے اور حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتے رہیں گے۔ اس کی حاجت پوری کرتے رہیں گے۔ تم میرے بندوں کے کام میں لگے رہو۔ میں تمہارے کام میں لگا ہوا ہوں۔

کار ساز ما بساز کار ما فکر ما درکار ما آزار ما

ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ:

من فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كرب يوم القيامة (حوالہ بالا)

”اگر کسی نے کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت اور پریشانی کو دور فرمائیں گے“۔

مخلوق پر رحم کرو

درحقیقت یہ دونوں کام یعنی دوسروں کی حاجت پوری کرنا اور دوسروں کی مصیبت

اور پریشانی کو دور کرنا اسی وقت ہوسکتا ہے جب دل میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرف سے رحم ہو اور ان کی محبت ہو۔ اگر یہی دونوں کام دکھاوے کے لئے کر لئے تو ان کاموں کی کوئی قیمت نہیں۔ لیکن اگر یہ سوچا کہ یہ میرے اللہ کے بندے ہیں۔ اس کی مخلوق ہیں۔ میں ان کے ساتھ کوئی بھلائی اور اچھائی کروں گا تو اس پر مجھے اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائیں گے تب یہ کام قیمتی بن جائیں گے۔ اللہ کی محبت کا یہ حق ہے کہ اس کے بندوں سے محبت کی جائے اگر بندوں سے محبت نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (ابوداؤد)

جو دوسروں پر رحم کرنے والے ہیں رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے زمین والوں پر تم رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ لہٰذا جب تک اللہ کی مخلوق کے لئے تمہارے دل میں رحم نہیں ہو گا اس وقت تک تم مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں۔ تم اللہ کی رحمت کے امیدوار کیسے ہو گے۔ جب اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کرتے ایمان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بندوں اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔

ایک مکھی پر شفقت کا عجیب واقعہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ سے بارہا یہ واقعہ سنا کہ ایک بزرگ تھے جو بہت بڑے عالم، فاضل، محدث اور مفسر تھے۔ ساری عمر درس و تدریس اور تالیف و تصنیف میں گزری، اور علوم کے دریا بہا دیئے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو خواب میں کسی نے ان کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کے ساتھ کیسا معاملہ ہوا؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ مجھ پر اپنا فضل فرمایا لیکن معاملہ بڑا عجیب ہوا وہ یہ کہ ہمارے ذہن میں یہ تھا کہ ہم نے الحمد للہ زندگی میں دین کی بڑی خدمت کی ہے درس و تدریس کی خدمت انجام دی، وعظ اور تقریریں کیں، تالیفات اور تصنیفات کیں، دین کی تبلیغ کی، حساب و کتاب کے وقت ان خدمات کا ذکر سامنے آئے گا اور ان خدمات کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اپنا فضل و

کرم فرمائیں گے لیکن ہوا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہیں بخشتے ہیں لیکن معلوم بھی ہے کہ کس وجہ سے بخش رہے ہیں؟ ذہن میں یہ آیا کہ ہم نے دین کی جو خدمات انجام دی تھیں ان کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں۔ ہم تمہیں ایک اور وجہ سے بخشتے ہیں وہ یہ کہ ایک دن تم کچھ لکھ رہے تھے اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے اس قلم کو روشنائی میں ڈبو کر پھر لکھا جاتا تھا تم نے لکھنے کیلئے اپنا قلم روشنائی میں ڈبویا۔ اس وقت ایک مکھی اس قلم پر بیٹھ گئی اور وہ مکھی قلم کی سیاہی چوسنے لگی تم اس مکھی کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے رک گئے اور یہ سوچا کہ یہ مکھی پیاسی ہے اس کو روشنائی پی لینے دو' میں بعد میں لکھ لوں گا۔ تم نے یہ اس وقت قلم کو روکا تھا وہ خالصۃً میری محبت اور میری مخلوق کی محبت میں اخلاص کے ساتھ روکا تھا۔ اس وقت تمہارے دل میں کوئی اور جذبہ نہیں تھا۔ جاؤ' اس عمل کے بدلے میں آج ہم نے تمہاری مغفرت کردی۔

خدمت خلق ہی کا نام تصوف ہے

بہرحال یہ بڑا نازک راستہ ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ محبت نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ سچا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں:

طریقت بجز خدمت خلق نہیں
ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست

یعنی لوگوں نے تصوف اس کا نام رکھ لیا ہے کہ ہاتھ میں تسبیح ہو مصلیٰ بچھا ہوا ہو۔ گدڑی ہو۔ درویشانہ لباس پہنا ہوا ہو۔ ان چیزوں کا نام تصوف اور طریقت نہیں ہے بلکہ تصوف اور طریقت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ مخلوق کی خدمت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے تو پھر ہماری مخلوق کے ساتھ محبت کرو۔ ان کی خدمت کرو۔

اللہ کو اپنی مخلوق سے محبت ہے

ارے اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ بڑا پیار ہے۔ آپ اس کا تجربہ کرلیں کہ کسی نے اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کوئی چیز بنائی۔ وہ چیز پتھر ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اس بنانے والے کو اس بنائے ہوئے پتھر سے محبت ہو جاتی ہے کہ اس پتھر کے بنانے میں وقت لگایا

ہے۔ میں نے محنت کی ہے یہ میری دولت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بنایا اور ان کو پیدا کیا ہے اس لئے ان کو اپنی مخلوق سے محبت ہے لہٰذا اگر ان سے محبت کا دعویٰ ہے تو ان کی مخلوق سے بھی محبت کرنی ہوگی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک عجیب واقعہ

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آ چکا' ساری قوم اس طوفان کے نتیجے میں ہلاک ہوگئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم مٹی کے برتن بناؤ' چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں مٹی کے برتن بنانا شروع کر دیے اور دن رات اس میں لگے رہے۔ جب کئی دن گزر گئے اور برتنوں کا ڈھیر لگ گیا تو دوسرا حکم یہ دیا کہ اب سب برتنوں کو ایک ایک کر کے توڑ دو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! میں نے بڑی محنت سے اور آپ کے حکم پر بنائے تھے اب آپ ان کو توڑنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا حکم یہ ہے کہ اب ان کو توڑ دو۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو توڑ دیا لیکن دل دکھا کہ اتنی محنت سے بنائے اور ان کو تڑوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! تم نے اپنے ہاتھوں سے یہ برتن بنائے' اور میرے حکم سے بنائے ان برتنوں سے تمہیں اتنی محبت ہوگئی کہ جب میں نے تمہیں ان کو توڑنے کا حکم دیا تو تم سے توڑا نہیں جا رہا تھا۔ دل یہ چاہ رہا تھا کہ یہ برتن جو میری محنت اور میرے ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں کسی طرح بچ جائیں تو بہتر ہے اس لئے کہ تمہیں ان برتنوں سے محبت ہوگئی تھی۔ لیکن تم نے ہمیں نہیں دیکھا کہ ساری مخلوق ہم نے اپنے ہاتھ سے بنائی اور تم نے ایک مرتبہ کہہ دیا کہ:۔

رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیاراً (سورۃ نوح:۲۳)

''اے اللہ! زمین میں بسنے والے سب کافروں کو ہلاک کر دیجئے اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہے' تمہارے اس کہنے پر ہم نے اپنی مخلوق کو ہلاک کر دیا''۔

اشارہ اس بات کی طرف فرمایا کہ جس مٹی سے تم برتن بنا رہے تھے باوجودیکہ وہ مٹی تمہاری پیدا کی ہوئی نہیں تھی اور اپنی خواہش سے وہ برتن نہیں بنا رہے تھے بلکہ میرے حکم سے بنا رہے تھے

پھر بھی تمہیں ان سے محبت ہوگئی تھی تو کیا ہمیں اپنی مخلوق سے محبت نہیں ہوگی؟ جب محبت ہے تو پھر تمہیں بھی میری مخلوق کے ساتھ محبت کرنی پڑے گی۔ اگر تمہیں میرے ساتھ محبت ہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے محبت کی دعائیں مانگتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرما رہے ہیں کہ تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم نے مجھے دیکھا تو ہے نہیں کہ براہ راست تم مجھ سے محبت کر سکو اور مجھ سے اسی طرح کا تعلق قائم کر سکو جیسے کسی چیز کو دیکھتے ہوئے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر تمہیں مجھ سے تعلق قائم کرنا ہے تو میں نے دنیا میں اپنی محبت کا مظہر ان بندوں کو بنایا ہے لہٰذا تم میرے بندوں سے محبت کرو اور میرے بندوں پر رحم کھاؤ اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو اس سے میری محبت پیدا ہوگی اور مجھ سے محبت کرنے کا طریقہ بھی یہی ہے۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں یہ بندے کیا چیز ہیں؟ یہ مخلوق کیا چیز ہیں؟ یہ تو حقیر ہیں اور پھر ان مخلوق کی طرف حقارت کی نگاہ ڈالنا' ان کو برا سمجھنا۔ اور ان کو کمتر جاننا' یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے جو محبت ہے وہ جھوٹی محبت ہے اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہوگی اس کو اللہ کی مخلوق سے ضرور محبت ہوگی۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں اور اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بنانے میں لگے رہتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان بھائی کی بے چینی کو دور کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی بے چینی کو دور فرمائیں گے۔

اولیاء کرام کی حالت

جتنے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ گزرے ہیں ان سب کا حال یہ تھا کہ وہ اگر مخلوق کو برے حال میں دیکھتے' یا فسق و فجور میں اور گناہوں کے اندر مبتلا دیکھتے تو وہ اولیاء ان گناہوں سے تو نفرت کرتے تھے اس لئے کہ گناہوں سے نفرت کرنا واجب ہے ان کے

فسق و فجور سے اور ان کے اعمال سے نفرت کرنا واجب ہے لیکن دل میں اس آدمی سے نفرت نہیں ہوتی تھی اس کی حقارت دل میں نہیں ہوتی تھی۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ دریائے دجلہ کے کنارے چہل قدمی کرتے ہوئے جا رہے تھے، قریب سے دریا میں ایک کشتی گزری۔ اس کشتی میں اوباش قسم کے نوجوان بیٹھے ہوئے تھے اور گاتے بجاتے ہوئے جا رہے تھے اور جب گانا بجانا ہو رہا ہو، اور ہنسی مذاق کی محفل ہو، اس موقع پر اگر کوئی ملا پاس سے گزرے تو اس ملا کا مذاق اڑانا بھی تفریح کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ان اوباش لوگوں نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اڑایا اور آپ پر کچھ فقرے کسے۔ حضرت کے ساتھ ایک صاحب اور تھے انہوں نے یہ صورتحال دیکھ کر فرمایا کہ حضرت! آپ ان کے حق میں بددعا فرما دیں کیونکہ یہ لوگ اتنے گستاخ ہیں کہ ایک طرف تو خود فسق و فجور اور گناہوں میں مبتلا ہیں اور دوسری طرف اللہ والوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے اللہ آپ نے ان نوجوانوں کو جس طرح یہاں دنیا میں خوشیاں عطا فرمائی ہیں ان کے اعمال ایسے کر دیجئے کہ وہاں آخرت میں بھی ان کو خوشیاں نصیب ہوں۔ دیکھئے: ان کی ذات سے نفرت نہیں فرمائی۔ اس لئے کہ یہ تو میرے اللہ کی مخلوق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر شفقت

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام دنیا کے لئے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے جب آپ پر کفار کی طرف سے اینٹیں برسائی جا رہی تھیں، آپ کو پتھر مارے جا رہے تھے آپ کے پاؤں زخم سے لہولہان تھے لیکن اس وقت بھی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ:

اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون

''اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما، ان کو علم نہیں ہے، یہ مجھے جانتے نہیں ہیں، یہ نادان ہیں، اور نادانی میں یہ حرکت کر رہے ہیں، اے اللہ ان کو ہدایت عطا فرما''

زبان پر یہ الفاظ اس لئے جاری ہوئے کہ کفار کے ان اعمال سے تو نفرت اور بغض ہے لیکن ان کی ذات سے نفرت نہیں اور ذات بحیثیت ذات کے میرے اللہ کی مخلوق ہے اور میرے اللہ کی مخلوق سے مجھے محبت ہے۔

گناہ گار سے نفرت مت کرو

یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ فسق و فجور سے اور گناہوں سے نفرت نہ کرنا بھی گناہ ہے۔ گناہوں سے ضرور نفرت کرنی چاہئے اور ان کو برا سمجھنا چاہئے لیکن جو شخص ان گناہوں کے اندر مبتلا ہے اس کی ذات کی حقارت دل میں نہ آنی چاہئے۔ اس سے نفرت نہ ہو بلکہ اس پر ترس کھانا چاہئے۔ جس طرح ایک شخص بیمار ہو جائے اور علاج کے لئے ڈاکٹر کے پاس جائے تو اب ڈاکٹر کا یہ کام نہیں ہے کہ اس پر ناراض ہو جائے کہ تم کیوں بیمار پڑے؟ بلکہ وہ ڈاکٹر اس بیمار کے اوپر ترس کھاتا ہے کہ بیچارہ اس بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس کا علاج کرتا ہے اور اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! اس کی بیماری کو دور فرما دے۔ اسی طرح گناہگار، فاسق و فاجر کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونا چاہئے کہ ان کے فسق و فجور سے بغض اور نفرت ہو۔ لیکن ان کی ذات سے بغض اور نفرت نہ ہو بلکہ اس کی ذات کے ساتھ اس لحاظ سے محبت ہو کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے اور اس کے لئے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو راہ راست پر لے آئے۔

کسی نیک کام کو حقیر مت سمجھو

اس سے یہ نتیجہ تو ضرور نکالا جاتا ہے کہ کوئی نیکی کا کام حقیر نہیں ہوتا کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ کس نیک کام کو قبول فرمالیں اور اس سے بیڑہ پار ہو جائے اس لئے کسی نیکی کے کام کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے لیکن یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ چونکہ یہ واقعات سننے میں آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں نیک کام پر بخش دیا لہٰذا اب نہ تو نماز پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ فرائض ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ بس آدمی اللہ کی رحمت پر تکیہ کر کے بیٹھ جائے چنانچہ یہ حدیث آپ نے سنی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عاجز شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے چھوڑ دے اور جو دل میں آ رہا ہے وہ کام کر رہا ہے یہ نہیں دیکھ رہا ہے کہ یہ کام حلال ہے یا حرام

ہے۔ جائز ہے یا ناجائز لیکن اللہ تعالیٰ پر تمنا اور آرزو لگائے بیٹھا ہے کہ اللہ میاں تو بڑے غفور رحیم ہیں سب معاف فرمادیں گے۔ بہرحال ان واقعات سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں۔

بندوں پر نرمی کرنے پر مغفرت کا ایک اور واقعہ

اسی طرح ایک اور حدیث میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان میں ایک شخص ایسا تھا کہ جب وہ کوئی چیز فروخت کرتا تو اس میں نرمی سے کام لیتا یہ نہیں کہ پیسے پیسے پر لڑ رہا ہے بلکہ گاہک کو ایک قیمت بتادی اب گاہک کہہ رہا ہے کہ تھوڑی سی کمی کردو تو اس نے یہ سوچ کر چلو تھوڑا منافع کم سہی چلو اس کو دے دو۔ اسی طرح جب وہ کوئی چیز خریدتا تب بھی نرمی کا معاملہ کرتا جب دوکاندار نے چیز کی قیمت بتادی اس نے بس ایک مرتبہ اس سے کہہ دیا کہ بھائی تھوڑی سی کم کردو یہ نہیں کہ قیمت کم کرانے کے لئے اس سے لڑ رہا ہے اور اس سے زبردستی کم کرا رہا ہے بلکہ ایک آدھ مرتبہ کہہ دینے کے بعد قیمت ادا کر کے چیز لے لی اسی طرح جب دوسرے سے اپنا حق وصول کرنے کا وقت آتا مثلاً کسی سے پیسے وصول کرنے ہیں یا قرض وصول کرنا ہے تب بھی نرمی کا معاملہ کرتا اور اس سے کہتا کہ چلو ابھی پیسے نہیں ہیں تو بعد میں ادا کردینا تمہیں مہلت دیتا ہوں جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ یہ میرے بندوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا تھا اس لئے میں بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں اور پھر اس کی مغفرت فرمادی بہرحال اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا اور تنگدست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا بہت ہی زیادہ پسند ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کسی کے ساتھ بیع وشراء کا معاملہ فرماتے تو اپنے ذمے جتنا واجب ہوتا اس سے زیادہ ہی دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں سونے چاندی کے سکے رائج تھے اور وہ سکے بھی مختلف مالیتوں کے ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی گنتی کی بجائے ان کا وزن دیکھا جاتا تھا کہ کتنے وزن کا ہے۔

اس کے ذریعہ قیمت ادا کی جاتی تھی۔ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز بازار سے خریدی دراہم کے ذریعہ جب اس کی قیمت ادا فرمانے لگے تو آپ نے وزن کرنے والے سے فرمایا: "زن وارجح" جھکتا ہوا تولو۔یعنی میرے ذمے جتنے درہم واجب ہیں اس سے کچھ زیادہ دیدو اور ایک روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا: **خیارکم احسنکم قضاءً** تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو جب دوسرے کا حق ادا کریں تو اچھی طرح ادا کریں۔یعنی کچھ زیادہ ہی ادا کریں۔کم نہ کریں۔مثلاً آپ کے ذمے سو روپے قرض تھے۔آپ نے سو کے بجائے ایک سو دس ادا کردیئے۔اور یہ کہ دیتے وقت پریشان نہ کریں چکر نہ کٹوائیں ٹال مٹول نہ کریں۔یہ سب باتیں اچھی طرح ادا کرنے اور حسن سلوک کے ساتھ ادا کرنے میں داخل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو فقہ کے اندر ہمارے مقتدا ہیں۔جن کی فقہ پر ہم عمل کرتے ہیں۔انہوں نے اپنے شاگردوں کے نام ایک وصیت نامہ لکھا ہے اس وصیت نامہ میں لکھتے ہیں کہ: "جب کسی کے ساتھ بیع وشراء کا معاملہ ہو تو اس کو اس کے حق سے کچھ زیادہ ہی دیدیا کرو۔کم نہ کیا کرو" یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ہم لوگوں نے صرف چند خاص خاص سنتیں یاد کرلی ہیں اور اس پر عمل کرلیتے ہیں۔حالانکہ یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا حصہ ہے۔ہمیں ان پر بھی عمل کرنا چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔اس حدیث میں اسی سنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

ومن یسر علیٰ معسر یسر اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ

"یعنی جو شخص کسی تنگ دست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت دونوں میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائیں گے"۔

اصل آسانی تو آخرت کی آسانی ہے۔لیکن تجربہ یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا میں بھی پریشان نہیں ہوتا"۔

پیسے خرچ کرنے والوں کے لئے دعا

پیسے خرچ کرنے والوں کے لئے فرشتہ یہ دعا کرتا ہے "واعط منفقاً خلفاً" اے اللہ جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو صدقہ خیرات کرتا ہو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہو کسی کو پیسے دے رہا ہے۔ کسی کو پیسے معاف کر رہا ہے۔ اے اللہ ایسے خرچ کرنے والے کو خرچ کا بدل دنیا میں ہی عطا فرما۔ بہر حال' جو شخص اس طرح لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے والا ہو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں اس کے پیسے زیادہ خرچ ہو رہے ہیں لیکن جو پیسہ خرچ ہو رہا ہے وہ حقیقت میں جا نہیں رہا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت لا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بدل عطا فرما دیتے ہیں۔ آج تک کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا گیا جو صرف اس وجہ سے مفلس ہو گیا کہ وہ صدقہ خیرات زیادہ کرتا تھا۔ یا لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کی وجہ سے مفلس ہو گیا ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو بدل ضرور عطا فرماتے ہیں۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کے لئے آسانی پیدا فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی آسانی پیدا فرمائیں گے۔

دوسروں کی پردہ پوشی کرنا

تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا: ومن ستر مسلماً' ستره الله يوم القيامة" جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ مثلاً کسی مسلمان کا کوئی عیب یا غلطی سامنے آ گئی کہ اس نے فلاں کام غلط اور ناجائز کیا ہے اب ہر جگہ اس کے بارے میں چرچا کرتے پھرو کہ وہ تو یہ کام کر رہا تھا۔ اس کے بجائے اس کی پردہ پوشی کرو اس کو چھپا دو کسی اور کو مت بتاؤ۔ یہ طریقہ اس وقت اختیار کرنا چاہئے کہ جب اس کے عمل سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو لیکن اگر اس کا ایسا عمل سامنے آیا جس سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے مثلاً کسی کے قتل کرنے کی سازش کی جا رہی ہے اس وقت پردہ پوشی کرنا جائز نہیں بلکہ دوسروں کو بتانا ضروری ہے لیکن اگر اس کے عمل سے دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر حکم یہ ہے کہ اس کی پردہ پوشی کرو اور اس کے لئے دعا کرو کہ یا

3 اللہ! یہ شخص اس گناہ کے اندر مبتلا ہو گیا ہے آپ اپنی رحمت سے اس کو اس گناہ سے نکال دیجئے۔

بہرحال دوسروں کے عیب نہ تو تلاش کرو اور نہ اس کو پھیلانے کی کوشش کرو۔ آج کل اس بارے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے ایک آدمی کے بارے میں آپ کو پتہ چل گیا کہ وہ فلاں کام کرتا ہے اب آپ کے پیٹ میں یہ بات نہیں رکتی اور دوسروں سے کہے بغیر آپ کو چین نہیں آتا دوسروں کو بتانا ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ بلاوجہ دوسروں کے عیب تلاش کرنا ان کو پھیلانا گناہ ہے۔

دوسروں کو گناہ پر عار دلانا

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من عیر اخاہ بذنب قدتاب منہ لم یمت حتی یعملہ

(ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ باب نمبر ۵۴)

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس گناہ سے وہ توبہ کر چکا تھا تو یہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ میں مبتلا نہیں ہو جائے گا۔ اگر ایک شخص سے کوئی گناہ ہو گیا پھر اس نے اس گناہ سے توبہ کر لی۔ اب آپ اس کو بار بار اس گناہ پر عار دلا رہے ہیں کہ تو تو وہی ہے جس نے یہ حرکت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے گناہ پر پردہ ڈال دیا اور اس کے گناہ کو معاف کر دیا میں نے اس کے نامہ اعمال سے اس گناہ کو مٹا دیا اب تو کون ہے اس گناہ پر اعتراض کرنے والا اور اس گناہ پر عار دلانے والا؟ اگر تو عار دلائے گا تو ہم تمہیں اس گناہ کے اندر مبتلا کر دیں گے۔ اس لئے کسی مسلمان کی عیب جوئی کرنا یا کسی مسلمان کے عیب کو بیان کرنا اس کی تشہیر کرنا بڑا سخت گناہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا کے اندر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا کہ دوسروں کے عیوب کو اچھالتے پھرو۔ بلکہ تمہیں تو بندہ بنا کر بھیجا ہے۔

اپنی فکر کریں

اس لئے تم اپنی فکر کرو۔ اپنے عیوب کو دیکھو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنے عیوب کی فکر عطا فرما دیتے ہیں اس کو دوسروں کے عیوب نظر ہی نہیں

آتے دوسروں کے عیوب اسی کو نظر آتے ہیں جو اپنے عیوب سے بے پرواہ ہو۔ جو اپنی اصلاح سے غافل ہو جو شخص خود بیمار ہو۔ وہ دوسروں کے نزلہ وزکام کی کہاں فکر کرے گا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ احمق اور بیوقوف ہے۔ اس لئے دوسروں کے عیوب کے پیچھے پڑنا تجسس کرنا' ان کی تشہیر کرنا بڑا سخت جرم ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا۔ لہٰذا ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے کہ وہ یہ کام کرے۔ مسلمان کو ان تمام برائیوں سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ اس کے بغیر وہ صحیح معنی میں مسلمان نہیں بن سکتا۔

علم دین سیکھنے کی فضیلت اور اس پر بشارت

چوتھا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

ومن سلک طریقا یلتمس فیه علماً سهل الله له به طریقا الی الجنة

اس جملے میں ہم سب کے لئے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین فرمایا کہ جو شخص کوئی فاصلہ طے کرے یا کوئی راستہ چلے اور راستہ چلنے اور فاصلہ طے کرنے سے اس کا مقصد یہ ہو کہ دین کی کوئی بات معلوم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس چلنے کی بدولت اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے۔ دین کی ایک بات معلوم کرنے کی خاطر جو سفر کیا جائے گا مثلاً کوئی معاملہ پیش آیا اور آپ کو اس کے بارے میں مسئلہ معلوم نہیں ہے اب آپ مسئلہ معلوم کرنے کے لئے کسی کے پاس جارہے ہیں کہ مجھے اس بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ اب مفتی کے پاس جو چل کر گئے تو اس سے آپ کو یہ فضیلت حاصل ہوگئی۔

یہ علم ہمارے اسلاف نے محنت سے جمع کر دیا

ہم لوگ علم حاصل کرنے کیلئے وہ محنت کہاں کر سکتے ہیں جو محنت ہمارے اسلاف کر گئے۔ آج ہم لوگ آرام سے بیٹھ کر کتاب کھول کر یہ حدیث پڑھ رہے ہیں اور اس پر وعظ کر رہے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے فاقے کر کے روکھی سوکھی کھا کر' موٹا جھوٹا پہن کر' مشقت اٹھا کر' قربانیاں دے کر یہ علم ہمارے لئے اس شکل میں تیار کر کے چلے گئے اگر وہ لوگ اس

طرح محنت نہ کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اس طرح ہمارے پاس محفوظ نہ ہوتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا محفوظ کر کے چلے گئے۔ قیام قیامت تک آنے والوں کے لئے لائحہ عمل بتا گئے۔ ایک مشعل راہ بتا گئے۔

اللہ کے گھر میں جمع ہونے والوں کے لئے عظیم بشارت

حدیث کے اگلے جملے میں ایک اور بشارت بیان فرمائی۔ فرمایا کہ کوئی جماعت کسی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر یعنی مسجد میں جمع ہو کر بیٹھ جائے اللہ کی کتاب کی تلاوت کے لئے یا اللہ کی کتاب کے درس و تدریس کے لئے یعنی اللہ کے دین کی باتوں کو سننے سنانے کے لئے بیٹھ جائے تو جس وقت وہ لوگ اس مقصد کے لئے جمع ہوتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور چاروں طرف سے ملائکہ اس مجلس اور مجمع کو گھیر لیتے ہیں۔ ملائکہ کے گھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کی طرف متوجہ ہے اور وہ ملائکہ رحمت ہیں وہ ان بندوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور ان کے لئے استغفار اور التجا کرتے ہیں کہ یا اللہ! یہ لوگ آپ کے دین کی خاطر جمع ہوئے ہیں۔ یا اللہ! آپ اپنی رحمت سے ان کی مغفرت فرما دیجئے۔ ان پر رحمتیں نازل فرمایئے ان کے گناہ معاف فرمایئے۔ ان کو دین کی توفیق عطا فرمایئے۔

تم اللہ کا ذکر کرو، اللہ تمہارا تذکرہ کریں

اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا: وذکرھم اللہ فیمن عندہ' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی محفل میں ان اہل مجلس کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے اپنے سارے کام چھوڑ کر صرف میری خاطر اور میرا ذکر کرنے کے لئے میرا ذکر سننے کے لئے میرے دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں اور اپنے اردگرد کے ملائکہ کے سامنے اس محفل کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات ہے ارے یہ بہت بڑی بات ہے۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

یہ کوئی معمولی بات ہے کہ محبوب حقیقی ہمارا ذکر کرے۔ ارے یہ کام تو ہمارا تھا کہ ہم

ان کا ذکر کرتے، ہمیں پہلے حکم دیا کہ "فاذکرونی" تم میرا ذکر کرو لیکن ساتھ ہی اس ذکر کا صلہ اور بدلہ بھی عطا فرمادیا کہ "اذکرکم" تم میرا ذکر کرو گے میں تمہارا ذکر کروں گا۔ تم مجھے یاد کرو گے میں تمہیں یاد کروں گا۔ حالانکہ ہمارا ذکر کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ذکر کرلیں تو کیا نہ کریں تو کیا ہمارے ذکر کرنے سے ان کی عظمت اور جلال میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوتا اور اگر ہم ان کا ذکر چھوڑ دیں بلکہ ساری دنیا ان کا ذکر کرنا چھوڑ دے تو بھی ان کی عظمت اور جلال میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی۔ ہماری مثال تو ایک تنکے جیسی ہے ایک تنکے نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلیا تو کیا کمال کیا۔ لیکن وہ بندے کا ذکر کریں۔ یہ معمولی بات نہیں۔

حضرت ابی بن کعب سے قرآن پاک سنانے کی فرمائش

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ہر صحابی میں اللہ تعالیٰ نے الگ الگ خصوصیات رکھی تھیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خصوصیت یہ تھی کہ قرآن کریم بہترین پڑھا کرتے تھے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا اقرئھم ابی بن کعب سارے صحابہ میں سب سے بہتر قرآن کریم پڑھنے والے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک دن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کے واسطے سے یہ پیغام بھیجا ہے کہ تم ابی بن کعب سے کہو کہ وہ تمہیں قرآن شریف سنائیں۔ جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو فوراً یہ سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر فرمایا ہے کہ ابی بن کعب سے ایسا کہو؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! تمہارا نام لے کر فرمایا ہے۔ بس اسی وقت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا اور روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور فرمایا کہ میں اس قابل کہاں کہ اللہ تعالیٰ میرا ذکر فرمائیں اور میرا نام لیں۔

اللہ کے ذکر کرنے پر عظیم بشارت

بہر حال! اللہ تعالیٰ کسی بندے کا ذکر فرمائیں۔ یہ اتنی بڑی دولت اور نعمت ہے کہ

ساری دنیا کی نعمتیں اور دولتیں ایک طرف یہ نعمت ایک طرف۔ اس حدیث میں اسی عظیم نعمت کے بارے میں فرمایا کہ جب اللہ کا دین سیکھنے کی خاطر اور دین کے پڑھنے پڑھانے کی خاطر لوگ کسی جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے مجمع میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی ہے۔ ''حدیث قدسی'' اسے کہتے ہیں جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حق جل شانہ کا کلام نقل فرمائیں۔ ایک حدیث قدسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا:

من ذکرنی فی نفسی ذکرته فی نفسی ' و من ذکرنی فی ملاذکرته' فی ملا خیر منه

''جو شخص میرا ذکر تنہائی میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر تنہائی میں کرتا ہوں اور اس کو یاد کرتا ہوں اور جو شخص میرا ذکر کسی مجمع میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر مجمع میں کرتا ہوں۔ یعنی وہ میرا ذکر انسانوں کے مجمع میں کرتا ہے میں اس کا ذکر ملائکہ کے مجمع میں کرتا ہوں''۔

ذکر کی کتنی بڑی فضیلت بیان فرمادی۔ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو دین کے درس و تدریس کے لئے یا دین کے افہام و تفہیم کے لئے کسی جگہ جمع ہو جائیں۔ وہ سب اس فضیلت کے اندر داخل ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو اس کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ہم لوگ جو یہاں ہفتے میں ایک دن جمع ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور دین کی باتوں کا تذکرہ کر لیتے ہیں یہ معمولی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑی فضیلت اور ثواب اور اجر کی چیز ہے' بشرطیکہ دل میں اخلاص ہو' اور اللہ کے دین کی طلب ہو۔

اونچا خاندان ہونا نجات کے لئے کافی نہیں

اس حدیث میں آخری جملہ یہ ارشاد فرمایا:

من بطأبه عمله لم یسرع به نسبه

یہ جملہ بھی جوامع الکلم میں سے ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ جس شخص کے عمل نے اس کو پیچھے چھوڑ دیا یا جو شخص اپنے عمل کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تو محض اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کا عمل خراب ہے اور اس خراب عمل کی وجہ سے جنت تک نہیں پہنچ سکا۔

بلکہ پیچھے رہ گیا جبکہ دوسرے لوگ جلدی جلدی قدم بڑھا کر جنت میں پہنچ گئے، بقول کسی کے

یاران تیز گام نے منزل کو جا لیا　　　ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

وہ لوگ آگے چلے گئے اور یہ اپنے عمل کی خرابی کی وجہ سے پیچھے رہ گیا اور عمل کی اصلاح نہ کر پایا تو اب صرف نسب کی وجہ سے کہ چونکہ یہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے یا فلاں بزرگ کا یا فلاں عالم کا بیٹا ہے۔ محض اس بنیاد پر وہ جلدی نہیں پہنچ سکے گا۔ اشارہ اس طرف فرما دیا کہ محض اس پر بھروسہ اور تکیہ کر کے مت بیٹھ جاؤ کہ میں فلاں کا صاحب زادہ ہوں، فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، بلکہ اپنا عمل صحیح کرنے کی فکر کرو۔ اگر یہ چیز کارآمد ہوتی تو حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جہنم میں نہ جاتا۔ جبکہ حضرت نوح علیہ السلام اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں اور اپنے بیٹے کی مغفرت کے لئے دعا بھی فرما رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرما دیا: **انه عمل غير صالح**'' اس نے جو عمل کیا ہے وہ صالح عمل نہیں ہے، اس لئے اس کے حق میں آپ کی دعا قبول نہیں کی جائے گی۔ تو اصل چیز عمل ہے۔ البتہ عمل کے ساتھ اگر کسی بزرگ سے تعلق بھی ہوتا ہے تو ان بزرگ کے تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کچھ سہارا فرما دیتے ہیں لیکن اپنی طرف سے عمل اور توجہ اور فکر شرط ہے۔ اب اگر کسی کو توجہ فکر اور طلب ہی نہیں ہے بلکہ غفلت کے اندر مبتلا ہے تو محض اونچے خاندان سے تعلق کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا عمل درست کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا بھی یہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کی لازمی شرط یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق سے محبت کرو اور اللہ کی مخلوق پر شفقت اور رحم کرو، جب تک یہ چیز حاصل نہیں ہوگی اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ جھوٹا ہوگا۔

(وعظ خلق خدا سے محبت کیجئے از اصلاحی خطبات ج ۹)

علماء کی توہین سے بچیں

عن عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اتقوا ذلۃ العالم ولا تقطعوہ وانتظروا فیئتہ
(مسند الفردوس للدیلمی)

یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے تمام امت نے اس کو قبول کیا ہے، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا اہم نکتہ بیان فرمایا ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کی لغزش سے بچو، اور اس سے قطع تعلق مت کرو، اور اس کے لوٹ آنے کا انتظار کرو۔ "عالم" سے مراد وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کا علم، قرآن کریم کا علم، حدیث کا علم، فقہ کا علم عطا فرمایا ہو، آپ کو یقین سے یہ معلوم ہے کہ فلاں کام گناہ ہے، اور تم یہ دیکھ رہے ہو کہ ایک عالم اس گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اور اس غلطی کے اندر مبتلا ہے۔ پہلا کام تو تم یہ کرو کہ یہ ہرگز مت سوچو کہ جب اتنا بڑا عالم یہ گناہ کا کام کر رہا ہے تو لاؤ میں بھی کرلوں، بلکہ تم اس عالم کی اس غلطی اور اس گناہ سے بچو، اور اس کو دیکھ کر تم اس گناہ کے اندر مبتلا نہ ہو جاؤ۔

گناہ کے کاموں میں علماء کی اتباع مت کرو

اس حدیث کے پہلے جملے میں ان لوگوں کی اصلاح فرما دی جن لوگوں کو جب کسی گناہ سے روکا جاتا ہے، اور منع کیا جاتا ہے کہ فلاں کام ناجائز اور گناہ ہے، یہ کام مت کرو، تو وہ لوگ بات ماننے اور سننے کے بجائے فوراً مثالیں دینا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں عالم بھی تو یہ کام کرتے ہیں۔ فلاں عالم نے فلاں وقت میں یہ کام کیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قدم پر ہی اس استدلال کی جڑ کاٹ دی کہ تمہیں اس عالم کی غلطی کی پیروی نہیں کرنی ہے۔ بلکہ تمہیں اس کی صرف اچھائی کی پیروی کرنی ہے، وہ اگر گناہ کا کام یا کوئی غلط

کام کررہا ہے تو تمہارے دل میں یہ جرأت پیدا نہ ہو کہ جب وہ عالم یہ کام کررہا ہے تو ہم بھی کریں گے۔ ذرا سوچو کہ اگر وہ عالم جہنم کے راستے پر جارہا ہے تو کیا تم بھی اس کے پیچھے جہنم کے راستے پر جاؤ گے؟ وہ اگر آگ میں کود رہا ہے تو کیا تم بھی کود جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے، پھر کیا وجہ ہے کہ گناہ کے کام میں تم اس کی اتباع کررہے ہو؟

عالم کا عمل معتبر ہونا ضروری نہیں

اس وجہ سے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ وہ عالم جو سچا اور صحیح معنی میں عالم ہو۔ اس کا فتویٰ تو معتبر ہے، اس کا زبان سے بتایا ہوا مسئلہ تو معتبر ہے، اس کا عمل معتبر ہونا ضروری نہیں۔ اگر وہ کوئی غلط کام کررہا ہے تو اس سے پوچھو کہ یہ کام جائز ہے یا نہیں؟ وہ عالم یہی جواب دے گا کہ یہ عمل جائز نہیں۔ اس لئے تم اس کے بتائے ہوئے مسئلے کی اتباع کرو۔ اس کے عمل کی اتباع مت کرو۔ لہٰذا یہ کہنا کہ فلاں کام جب اتنے بڑے بڑے علماء کررہے ہیں تو لاؤ میں بھی یہ کام کرلوں، یہ استدلال درست نہیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ آگ میں کود رہے ہیں۔ لاؤ میں بھی آگ میں کود جاؤں۔ جیسے یہ طرز استدلال غلط ہے۔ اسی طرح وہ طرز استدلال بھی غلط ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی لغزش سے بچو یعنی اس کی لغزش کی اتباع مت کرو۔

عالم سے بدگمان نہ ہونا چاہئے

بعض لوگ دوسری غلطی یہ کرتے ہیں کہ جب وہ کسی عالم کو کسی غلطی میں یا گناہ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو بس فوراً اس سے قطع تعلق کرلیتے ہیں۔ اور اس سے بدگمان ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات اس کو بدنام کرنا شروع کردیتے ہیں کہ یہ مولوی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور پھر تمام علماء کرام کی توہین شروع کردیتے ہیں کہ آج کل کے علماء تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی حدیث کے دوسرے جملے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تردید فرمادی کہ اگر کوئی عالم گناہ کا کام کررہا ہے تو اس کی وجہ سے اس سے قطع تعلق بھی مت کرو، کیوں؟

علماء تمہاری طرح کے انسان ہی ہیں

اس لئے کہ عالم بھی تمہاری طرح کا انسان ہے، جو گوشت پوست تمہارے پاس ہے، وہ اس کے پاس بھی ہے۔ وہ کوئی آسمان سے اترا ہوا فرشتہ نہیں ہے، جو جذبات تمہارے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جذبات اس کے دل میں بھی پیدا ہوتے ہیں، نفس تمہارے پاس بھی ہے اس کے پاس بھی ہے۔ شیطان تمہارے پیچھے بھی لگا ہوا ہے، اس کے پیچھے بھی لگا ہوا ہے، نہ وہ گناہوں سے معصوم ہے، نہ وہ پیغمبر ہے۔ اور نہ وہ فرشتہ ہے، بلکہ وہ بھی اسی دنیا کا باشندہ ہے، اور جن حالات سے تم گزرتے ہو۔ وہ بھی ان حالات سے گزرتا ہے۔ لہٰذا یہ تم نے کہاں سے سمجھ لیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہے، اور اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا، اور اس سے کبھی غلطی نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ جب وہ انسان ہے تو بشری تقاضے سے کبھی اس سے غلطی بھی ہو گی۔ کبھی وہ گناہ بھی کرے گا۔ لہٰذا اس کے گناہ کرنے کی وجہ سے فوراً اس عالم سے برگشتہ ہو جانا اور اس کی طرف سے بدگمان ہو جانا صحیح نہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فوراً اس سے قطع تعلق مت کرو، بلکہ اس کے واپس آنے کا انتظار کرو، اس لئے کہ اس کے پاس علم صحیح موجود ہے۔ امید ہے کہ وہ انشاء اللہ کسی وقت لوٹ آئے گا۔

علماء کے حق میں دعا کرو

اور اگر اس کے لئے دعا کرو کہ یا اللہ! فلاں شخص آپ کے دین کا حامل ہے اس کے ذریعہ ہمیں دین کا علم معلوم ہوتا ہے، یہ بے چارہ اس گناہ کی مصیبت میں پھنس گیا ہے، اے اللہ اس کو اپنی رحمت سے اس مصیبت سے نکال دیجئے۔ اس دعا کے کرنے سے تمہارا ڈبل فائدہ ہے۔ ایک دعا کرنے کا ثواب ملے گا۔ دوسرے ایک مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا ثواب۔ اور اگر تمہاری یہ دعا قبول ہوگئی تو تم اس عالم کی اصلاح کا سبب بن جاؤ گے۔ پھر اس کے نتیجے میں وہ عالم جتنے نیک کام کرے گا وہ سب تمہارے اعمال نامہ میں بھی لکھے جائیں گے۔ لہٰذا بلاوجہ دوسروں سے یہ کہہ کر کسی عالم کو بدنام کرنا کہ فلاں بڑے عالم بنے پھرتے ہیں وہ تو یہ حرکت کر رہے تھے۔ اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

عالم بے عمل بھی قابل احترام ہے

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم کو تو خود چاہئے کہ وہ باعمل ہو، لیکن اگر کوئی عالم بے عمل بھی ہے تو بھی وہ عالم اپنے علم کی وجہ سے تمہارے لئے قابل احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا ہے، اس کا ایک مرتبہ ہے، اس مرتبہ کی وجہ سے وہ عالم قابل احترام بن گیا۔ جیسا کہ والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَإِن جَاهَدَاکَ عَلَىٰ أَن تُشْرِکَ بِي مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (سورۃ لقمان:۱۵)

اگر والدین کافر اور مشرک بھی ہوں تو کفر اور شرک میں تو ان کی بات مت مانو، لیکن دنیا کے اندر ان کے ساتھ نیک سلوک کرو، اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماں باپ ہونے کا جو شرف حاصل ہے۔ وہ بذات خود قابل تکریم اور قابل تعظیم ہے، تمہارے لئے ان کی اہانت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر ایک عالم بے عمل بھی ہے تو اس کے حق میں دعا کرو کہ یا اللہ! اس کو نیک عمل کی توفیق دے دے۔ لیکن اس کی بدعملی کی وجہ سے اس کی توہین مت کرو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے کہ نرا علم کوئی چیز نہیں ہوتی جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ لیکن یہ بھی فرماتے کہ میرا معمول یہ ہے کہ جب میرے پاس کوئی عالم آتا ہے تو اگرچہ اس کے بارے میں مجھے معلوم ہو کہ یہ فلاں غلطی کے اندر مبتلا ہے۔ اس کے باوجود اس کے علم کی وجہ سے اس کا اکرام کرتا ہوں، اور اس کی عزت کرتا ہوں۔

علماء سے تعلق قائم رکھو

لہٰذا یہ پروپیگنڈہ کرنا اور علماء کو بدنام کرتے پھرنا کہ ارے میاں آج کل کے مولوی سب ایسے ہی ہوتے ہیں، آج کل کے علماء کا تو یہ حال ہے۔ یہ بھی موجودہ دور کا ایک فیشن بن گیا ہے۔ جو لوگ بے دین ہیں ان کا تو یہ طرز عمل ہے ہی، اس لئے کہ ان کو معلوم ہے کہ جب تک مولوی اور علماء کو بدنام نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ہم اس قوم کو گمراہ نہیں کر سکتے، جب علماء سے اس کا رشتہ توڑ دیں گے تو پھر یہ لوگ ہمارے رحم و کرم پر ہوں گے۔ ہم جس طرح چاہیں گے۔ ان کو گمراہ کرتے پھریں گے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب گلہ بان سے

بکریوں کا رشتہ توڑ دیا تو اب بھیڑیئے کے لئے آزادی ہوگئی کہ وہ جس طرح چاہے بکریوں کو پھاڑ کھائے۔ لہٰذا جو لوگ بے دین ہیں ان کا تو کام ہی یہ ہے کہ علماء کو بدنام کیا جائے، لیکن جو لوگ دیندار ہیں ان کا بھی یہ فیشن بنتا جارہا ہے کہ وہ بھی ہر وقت علماء کی توہین اور ان کی بے وقعتی کرتے پھرتے ہیں کہ ارے صاحب! علماء کا تو یہ حال ہے۔ ان لوگوں کی مجلسیں ان باتوں سے بھری ہوتی ہیں۔ حالانکہ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ جب لوگوں کو علماء سے بدظن کر دیا تو اب تمہیں شریعت کے احکام کون بتائے گا؟ اب تو شیطان ہی تمہیں شریعت کے مسائل بتائے گا کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے پھر تم اس کے پیچھے چلو گے، اور گمراہ ہو جاؤ گے۔ لہٰذا علماء اگر چہ بے عمل نظر آئیں۔ پھر بھی ان کی اس طرح توہین مت کیا کرو۔ بلکہ ان کے لئے دعا کرو، جب تم اس کے حق میں دعا کرو گے تو علم تو اس کے پاس موجود ہے۔ تمہاری دعا کی برکت سے انشاء اللہ ایک دن وہ ضرور صحیح راستے پر لوٹ آئے گا۔

ایک ڈاکو پیر بن گیا

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے مریدین سے فرمانے لگے تم کہاں میرے پیچھے لگ گئے۔ میرا حال تو اس پیر جیسا ہے جو حقیقت میں ایک ڈاکو تھا۔ اس ڈاکو نے جب یہ دیکھا کہ لوگ بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ پیروں کے پاس جاتے ہیں۔ ان کے پاس ہدیے تحفے لے جاتے ہیں۔ ان کا ہاتھ چومتے ہیں۔ یہ تو اچھا پیشہ ہے۔ میں خواہ مخواہ راتوں کو جاگ کر ڈاکے ڈالتا ہوں۔ پکڑے جانے اور جیل میں بند ہونے کا خطرہ الگ ہوتا ہے۔ مشقت اور تکلیف علیحدہ ہوتی ہے۔ اس سے اچھا یہ ہے کہ میں پیر بن کر بیٹھ جاؤں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے، میرے ہاتھ چومیں گے، میرے پاس ہدیے تحفے لائیں گے۔ چنانچہ یہ سوچ کر اس نے ڈاکہ ڈالنا چھوڑ دیا۔ اور ایک خانقاہ بنا کر بیٹھ گیا۔ لمبی تسبیح لے لی۔ لمبا کرتا پہن لیا۔ اور پیروں جیسا حلیہ بنا لیا۔ اور ذکر اور تسبیح شروع کر دی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ کوئی اللہ والا بیٹھا ہے، اور بہت بڑا پیر معلوم ہوتا ہے۔ اب لوگ اس کے مرید بننا شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ مریدوں کی بہت بڑی تعداد ہوگئی۔ کوئی ہدیہ لا رہا ہے، کوئی تحفہ لا رہا ہے، خوب نذرانے آرہے ہیں۔ کوئی ہاتھ چوم رہا ہے، کوئی

پاؤں چوم رہا ہے، ہر مرید کو مخصوص ذکر بتا دیئے کہ تم فلاں ذکر کرو، تم فلاں ذکر کرو، اب ذکر کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کے درجات بلند فرماتے ہیں۔ چونکہ ان مریدوں نے اخلاص کے ساتھ ذکر کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بہت بلند فرما دیے۔ اور کشف و کرامات کا اونچا مقام حاصل ہو گیا۔

مریدین کی دعا کام آئی

ایک روز ان مریدین نے آپس میں گفتگو کی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تو اس مرتبہ تک پہنچا دیا۔ ہم ذرا یہ دیکھیں کہ ہمارا شیخ کس مرتبے کا ہے؟ چنانچہ انہوں نے مراقبہ کر کے کشف کے ذریعہ اپنے شیخ کا مرتبہ معلوم کرنا چاہا، لیکن جب مراقبہ کیا تو شیخ کا درجہ کہیں نظر ہی نہیں آیا، آپس میں مریدین نے مشورہ کیا کہ شاید ہمارا شیخ اتنے اونچے مقام پر پہنچا ہوا ہے کہ ہمیں اس کی ہوا تک نہیں لگی، آخر کار جا کر شیخ سے ذکر کیا کہ حضرت! ہم نے آپ کا مقام تلاش کرنا چاہا، مگر آپ تو اتنے اونچے مقام پر ہیں کہ ہم وہاں تک نہیں پہنچ پاتے، اس وقت شیخ نے اپنی حقیقت ظاہر کر دی، اور روتے ہوئے اس نے کہا کہ میں تمہیں اپنا درجہ کیا بتاؤں، میں تو اصل میں ایک ڈاکو ہوں، اور میں نے دنیا کمانے کی خاطر یہ سارا دھندا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی بدولت تمہیں اونچے اونچے مقام عطا فرما دیئے۔ اور میں تو اسفل السافلین میں ہوں، تمہیں میرا مرتبہ کہاں ملے گا؟ میں تو ڈاکو اور چور ہوں، میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے تم اب میرے پاس سے بھاگ جاؤ، اور کسی دوسرے پیر کو تلاش کرو۔ جب شیخ کے بارے میں یہ باتیں سنیں تو ان سب مریدوں نے آپس میں مل کر اپنے شیخ کے لئے دعا کی کہ یا اللہ! یہ چور ہو یا ڈاکو ہو، لیکن یا اللہ! آپ نے ہمیں جو کچھ عطا فرمایا ہے، وہ اسی کے ذریعہ عطا فرمایا ہے، اے اللہ! اب آپ اس کی بھی اصلاح فرما دیجئے، اور اس کا درجہ بھی بلند کر دیجئے، چونکہ وہ مریدین مخلص تھے، اور اللہ والے تھے۔ ان کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بخش دیا، اور اس کو بھی بلند درجہ عطا فرما دیا۔

بہر حال: جب کسی عالم کے بارے میں کوئی غلط بات سنو تو اس کو بدنام کرنے کے بجائے اس کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اسلامی اخوت

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم
وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون (سورۃ الحج:۷۷)
وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال: المسلم اخوالمسلم لایظلمہ ولا یسلمہ و من
کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ و من فرج عن مسلم
کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃً من کرب یوم القیامۃ و من ستر مسلماً
سترہ اللہ یوم القیامۃ (ابوداؤد)

دوسروں کے ساتھ بھلائی کریں

ایک مسلمان کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ دے۔ اور اس پر ظلم اور زیادتی نہ کرے۔ اور اس کو ایذاء رسانی سے بچائے بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کے کام آئے اور اس کی ضرورت اور حاجت کو اپنی استطاعت کی حد تک پورا کرے اور اگر کوئی مسلمان کسی مشکل یا پریشانی میں گرفتار ہے تو اس کو اور پریشانی سے نکالنے کی کوشش کرے۔ یہ بات بھی ایک مسلمان کے فرائض میں داخل ہے۔ چنانچہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ں میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''بھلائی کا کام کرو تا کہ تم کو فلاح اور کامیابی حاصل ؛''۔ بھلائی کے اندر سب کچھ آ جاتا ہے۔ مثلاً دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اس کے تھ حسن سلوک کرنا' اس کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا اس کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنا' ب چیزیں خیر اور بھلائی کے اندر داخل ہیں۔

۔ جامع حدیث

جو حدیث میں نے تلاوت کی' وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ تو مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو دشمنوں کے حوالے کرتا ہے۔ یعنی نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی کسی ضرورت کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہو اس کا کوئی کام کر رہا ہو تو جب تک وہ اپنے بھائی کا کام کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتے رہیں گے اور اس کی حاجتیں پوری کرتے رہیں گے۔ ومن فرج عن مسلم کربۃً فرج اللہ عنہ بھا کربۃً من کرب یوم القیامۃ اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی تکلیف یا مشقت کی بات دور کرے یعنی وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے کسی مسلمان کی مشکل آسان ہو جائے اور اس کی دشواری دور ہو جائے تو اس دور کرنے والے پر قیامت کے روز جو سختیاں آنے والی تھیں اللہ تعالیٰ ان سختیوں میں سے ایک سختی کو اس سختی کے مقابلے میں دور فرما دیتے ہیں۔ ومن ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے مثلاً کسی مسلمان کا ایک عیب پتہ چل گیا کہ اس کے اندر فلاں عیب ہے یا فلاں خرابی ہے یا فلاں گناہ کے اندر مبتلا ہے۔ اب یہ شخص اس عیب کی پردہ پوشی کرے اور دوسروں تک اس کو نہ پہنچائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے اور اس کے گناہوں کو ڈھانپ دیں گے یہ بڑی جامع حدیث ہے اور متعدد جملوں پر مشتمل ہے جس میں سے ہر جملہ ہماری اور آپ کی توجہ چاہتا ہے ان پر غور کرنے اور ان کو اپنی زندگی کا دستور بنانے کی ضرورت ہے۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو جملہ ارشاد فرمایا اس میں ایک اصول بیان فرما دیا کہ المسلم اخو المسلم" یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ لہٰذا انسان کا اپنے بھائی کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے ہر مسلمان کے ساتھ وہی معاملہ ہونا چاہئے۔ خواہ وہ مسلمان اجنبی ہو اور بظاہر اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہ ہو۔ بظاہر اس کے ساتھ دوستی کا تعلق نہ ہو لیکن تم اس کو اپنا بھائی سمجھو۔ اس ایک جملے کے ذریعہ حضور اق

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے امتیازات اور تعصبات کی جڑ کاٹ دی کہ یہ تو فلاں وطن کا رہنے والا ہے اور میں فلاں وطن کا رہنے والا ہوں۔ یہ فلاں زبان بولنے والا ہے میں فلاں زبان بولنے والا۔ یہ فلاں خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھنے والا' میں فلاں خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھنے والا اس ایک جملے نے ان امتیازات اور تعصبات کی جڑ کاٹ دی جو آج ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ چاہے وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو۔ کسی وطن کا باشندہ ہو۔ کسی بھی پیشے سے اس کا تعلق ہو' کسی بھی ذات یا نسل سے اس کا تعلق ہو۔ ہر حالت میں وہ تمہارا بھائی ہے۔

ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں

اسی بات کو قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑے پیارے انداز میں بیان فرمایا کہ:

یایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (سورۃ الحجرات:۱۳)

اس آیت میں پوری انسانیت کا بڑا عجیب منشور بیان فرمایا' فرمایا کہ اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا یعنی تم سب کا سلسلۂ نسب ایک مرد اور ایک عورت یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ تم سب کے باپ ایک ہیں' یعنی حضرت آدم علیہ السلام' اور تم سب کی ماں ایک ہیں حضرت حوا علیہا السلام۔ جب سب انسانوں کے باپ ایک' سب انسانوں کی ماں ایک تو پھر کسی کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں۔ پھر ایک سوال پیدا ہوا کہ جب تمام انسان ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہیں تو اے اللہ' پھر آپ نے مختلف خاندان اور مختلف قبیلے کیوں بنائے؟ کہ یہ فلاں قبیلے کا ہے یہ فلاں خاندان کا ہے۔ یہ فلاں گروہ کا ہے۔ یہ فلاں نسل کا ہے۔ یہ فلاں زبان بولنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا "لتعارفوا" یعنی یہ الگ الگ خاندان قبیلے اس لئے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو' اگر سب انسان ایک زبان بولنے والے ایک وطن ایک نسل ایک خاندان کے ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ مثلاً تین آدمی ہیں اور تینوں

کا نام "عبداللہ" ہے، تو اب تم پہچان کرنے کے لئے ان کے ساتھ نسبتیں لگا دیتے ہو کہ یہ عبداللہ کراچی کا رہنے والا ہے یہ لاہور کا اور یہ پشاور کا رہنے والا ہے۔ اس طرح ان قبیلوں ان نسبتوں اور شہروں کے اختلاف سے ایک دوسرے کی پہچان ہو جاتی ہے۔ بس اسی غرض کے لئے ہم نے مختلف شہر اور مختلف زبانیں بنائیں۔ ورنہ کسی کو کسی پر فوقیت اور فضیلت نہیں ہے۔ ہاں صرف ایک چیز کی وجہ سے فضیلت ہو سکتی ہے وہ ہے "تقویٰ" جس کے اندر تقویٰ زیادہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ کریم اور زیادہ شریف ہے۔ چاہے بظاہر وہ نچلے خاندان سے تعلق رکھتا ہو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

اسلام اور کفر کا فرق

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دیکھئے کہ ابولہب جو آپ کا چچا تھا اور آپ کے خاندان کا ایک بڑا سردار اس کا تو یہ حال ہے کہ قرآن کریم کے اندر اس کے اوپر لعنت آئی اور ایسی لعنت آئی کہ قیامت تک جو مسلمان بھی قرآن کریم کی تلاوت کرے گا وہ "تبت یدا ابی لھب وتب" کے ذریعہ ابولہب پر لعنت بھیجے گا کہ اس کے ہاتھ ٹوٹیں اور اس پر لعنت ہو بدر کے میدان میں اپنے چاچا اور تایوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے ان کے خلاف تلواریں اٹھائی جا رہی ہیں۔

جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مقام

دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حبشہ کے رہنے والے سیاہ فام ہیں۔ ان کو سینے سے لگایا جا رہا ہے بلکہ آپ ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ اے بلال وہ عمل تو ذرا بتاؤ جس کی وجہ سے میں نے آج کی رات خواب کے اندر جنت دیکھی تو وہاں تمہارے قدموں کی چاپ اور آہٹ اپنے آگے آگے سنی۔ یہ سوال بلال حبشی سے کیا جا رہا ہے جو سیاہ فام ہیں اور حبشہ کے رہنے والے ہیں اور جن کو سارے عرب کے لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ اور کوئی خاص عمل تو میں نہیں کرتا البتہ ایک عمل ہے جس پر میں شروع سے پابندی کرتا آ رہا ہوں وہ یہ کہ جب بھی میں دن یا رات میں وضو کرتا ہوں تو اس وضو سے دو چار رکعت نفل ضرور پڑھ لیتا ہوں۔ (جس کو تحیۃ الوضو کہتے ہیں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جواب سن کر اس کی تصدیق فرمائی کہ شاید یہی بات

ہوگی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا بڑا مقام عطا فرمایا۔ (صحیح بخاری)

حضرت بلالؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کیوں؟

بعض اوقات خیال آتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے کیسے نکل گئے؟ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا؟ علماء کرام نے فرمایا کہ درحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگے اس لئے نہیں تھے کہ ان کا درجہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھا ہوا تھا بلکہ دنیا میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے جاتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ راستہ دکھانے کے لئے آگے آگے چلتے' ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہوتی تھی۔ راستے میں اگر کوئی پتھر ہوتا تو اس کو ہٹا دیتے' اگر کوئی اور رکاوٹ ہوتی تو اس کو دور کر دیتے' سامنے سے آنے والے لوگوں پر نظر رکھتے' تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سامنے سے کوئی دشمن آ جائے اور آپ کو تکلیف پہنچا دے۔ چونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ وہ آپ کے آگے آگے چلتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں بھی وہی منظر دکھا دیا کہ تم ہمارے حبیب کی دنیا میں اس طرح حفاظت کرتے تھے چلو جنت میں بھی ہم تمہیں آگے رکھیں گے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت میں اپنے آگے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

اسلام کے رشتے نے سب کو جوڑ دیا

یہ مقام اس شخص نے پایا جس کو غلام کہا جاتا تھا' سیاہ فام اور حقیر سمجھا جاتا تھا نسل اور خاندان کے اعتبار سے اس کی کوئی وقعت نہیں سمجھی جاتی تھی اس کے مقابلے میں ''ابولہب'' پر قرآن کریم میں لعنت نازل ہو رہی ہے کہ تبت یدا ابی لهب و تب روم کے رہنے والے ''حضرت صہیب'' تشریف لاتے ہیں اور بڑا اونچا مقام پاتے ہیں۔ ایران کے رہنے والے حضرت سلمان فارسی نے آ کر اتنا اونچا مقام پایا کہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سلمان منا اهل البیت'' یعنی سلمان فارسی ہمارے گھر والوں میں شامل ہیں۔

اس طرح آپ نے وطن کے، نسل کے، رنگ کے اور زبان کے بتوں کو توڑ دیا، اور یہ اعلان فرما دیا کہ ہم تو اس ایک اللہ کو ماننے والے ہیں جس نے سارے انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا۔ انما المؤمنون اخوۃ اور فرمایا کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت مدینہ طیبہ میں اوس اور خزرج کے قبیلوں کے درمیان لڑائی اور جنگ کی آگ سلگ رہی تھی، باپ جب مرتا تو بیٹے کو وصیت کر جاتا کہ بیٹا اور سب کام کرنا، لیکن میرے دشمن سے انتقام ضرور لینا، زمانہ جاہلیت میں ایک لڑائی ہوئی ہے جس کو "حرب بسوس" کہا جاتا ہے، چالیس سال تک یہ لڑائی جاری رہی۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ایک شخص کی مرغی کا بچہ دوسرے شخص کے کھیت میں چلا گیا۔ کھیت کے مالک نے غصہ میں آکر مرغی کے بچے کو مار دیا، مرغی کا مالک نکل آیا جس سے زبانی تو تکار شروع ہوئی اور پھر ہاتھا پائی تک نوبت آگئی۔ اس کے نتیجے میں تلواریں نکل آئیں۔ اس کا قبیلہ ایک طرف اور دوسرے کا قبیلہ ایک طرف۔ دونوں قبیلوں کے درمیان لڑائی شروع ہوئی اور ایک مرغی کے بچے پر چالیس سال تک متواتر یہ لڑائی جاری رہی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانے کے بعد ان کو ایمان کی اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی لڑی میں پرو دیا کہ ان کے درمیان عداوت کی آگ ٹھنڈی ہوگئی اور بعد میں ان کو دیکھ کر یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے تھے اور ان کے درمیان بھائی چارہ پیدا فرما دیا۔ قرآن کریم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

واذکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخواناً (سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ اب ایسا نہ ہو کہ یہ بھائی بھائی کا رشتہ ختم ہو جائے اور پھر دوبارہ اسی جاہلیت کے طریقے کی طرف لوٹ جاؤ۔

آج ہم یہ اصول بھول گئے

بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ سب سے پہلے یہ اصول

بتا دیا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ خواہ وہ کوئی زبان بولتا ہو۔ خواہ وہ کسی بھی قبیلے سے کسی بھی قوم سے اس کا تعلق ہو۔ لہٰذا اس کے ساتھ بھائی جیسا معاملہ کرو۔ یہ نہ سوچو کہ چونکہ یہ دوسری نسل کا دوسری قوم کا یا دوسرے وطن کا آدمی ہے لہٰذا یہ میرا نہیں ہے۔ میرا وہ ہے جو میرے وطن میں پیدا ہوا ہو یہ تصور ذہن سے نکالو اور ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھو۔ پوری تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ جب کبھی مسلمان کو شکست یا زوال کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مسلمان یہ اصول بھول گئے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اور کسی نے درمیان میں پھوٹ ڈال دی کہ یہ تو فلاں قوم کا ہے وہ فلاں نسل کا ہے، بس لڑائی شروع ہو گئی اور اس کے نتیجے میں مسلمان تباہ و برباد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اس اصول کو ہمارے دلوں میں بٹھا دے۔ آمین۔ ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو کیا ہم اس مسلمان کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کرتے ہیں؟ ہر مسلمان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے اور اپنا جائزہ لے اگر ایسا برتاؤ نہیں کرتے تو پھر آج کے بعد یہ تہیہ کر لیں کہ ہم ہر مسلمان کے ساتھ اپنے بھائی جیسا سلوک کریں گے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ بات ہمارے اندر پیدا فرما دے۔ آمین۔

پھر حدیث کے اگلے جملے میں بھائی سمجھنے کی پہلی علامت یہ بیان فرمائی کہ **لا یظلمہ** یعنی مسلمان چونکہ مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا وہ کبھی دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرے گا اور اس کی جان اس کے مال اس کی عزت اور آبرو پر کوئی حق تلفی نہیں کرے گا۔ اس کے حقوق ضائع نہیں کرے گا۔

مسلمان دوسرے مسلمان کا مددگار ہوتا ہے

آگے فرمایا کہ **ولا یسلمہ** یعنی صرف یہ نہیں کہ اس پر ظلم نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کو بے یار و مددگار بھی نہیں چھوڑے گا۔ اگر مسلمان کسی مشکل میں مبتلا ہے یا کسی پریشانی کے اندر مبتلا ہے اور اس کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے تو کوئی مسلمان اس کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا وہ یہ نہیں سوچے گا کہ جو کچھ پیش آ رہا ہے وہ اس کو پیش آ رہا ہے میرا اس سے کیا تعلق؟ میرا تو کچھ نہیں بگڑ رہا ہے اور یہ سوچ کر الگ ہو جائے۔ یہ کام مسلمان کا نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے مسلمان پر مصیبت ٹوٹتے

ہوئے دیکھ رہا ہے یا کسی کو مشکل اور پریشانی میں گرفتار پا رہا ہے تو دوسرے مسلمان کو چاہئے کہ حتی الامکان اس کی پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کرے اور یہ نہ سوچے کہ اگر میں اس کے کام میں لگ گیا تو میرا وقت ضائع ہو جائے گا۔ یا میں پھنس جاؤں گا۔

موجودہ دور کا ایک عبرت آموز واقعہ

جس دور سے ہم گزر رہے ہیں یہ دور ایسا آ گیا ہے کہ اس میں انسانیت کی قدریں بدل گئیں۔ انسان انسان نہ رہا۔ ایک وقت وہ تھا کہ اگر کسی انسان کو چلتے ہوئے ٹھوکر بھی لگ جاتی اور وہ گر پڑتا تو دوسرا انسان اس کو اٹھانے کے لئے اور کھڑا کرنے کے لئے اور سہارا دینے کے لئے آگے بڑھتا۔ اگر سڑک پر کوئی حادثہ پیش آ جاتا تو ہر انسان آگے بڑھ کر اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن آج ہمارے اس دور میں جو صورت ہو چکی ہے اس کو میں اپنے سامنے ہونے والے ایک واقعہ کے ذریعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک گاڑی ایک شخص کو ٹکر مارتے ہوئے چلی گئی۔ اب وہ شخص ٹکر کھا کر چاروں شانے چت سڑک پر گر گیا اس واقعہ کے بعد کم از کم بیس، پچیس گاڑیاں وہاں سے گزر گئیں۔ ہر گاڑی والا جھانک کر اس گرے ہوئے شخص کو دیکھتا اور آگے روانہ ہو جاتا۔ کسی اللہ کے بندے کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ گاڑی سے اتر کر اس کی مدد کرتا۔ اس کے باوجود آج کے لوگوں کو اپنے بارے میں مہذب اور شائستہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اسلام تو بہت آگے کی چیز ہے۔ لیکن ایسے موقع پر ایک انسانیت کا تقاضا یہ کہ آدمی اتر کر دیکھ تو لے کہ اس کو کیا تکلیف پہنچی ہے۔ اور اس کی جتنی مدد کر سکتا ہے کر دے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرما دیا کہ ایک مسلمان یہ کام نہیں کر سکتا کہ وہ دوسرے مسلمان کو اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ کر چلا جائے۔ بلکہ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اگر وہ دوسرے مسلمان کو کسی مصیبت میں گرفتار پائے یا کسی پریشانی یا مشکل میں دیکھے تو حتی الامکان اس کی اس پریشانی اور مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندگی بھر یہ معمول رہا کہ جب بھی کسی شخص کے

بارے میں یہ معلوم ہوتا کہ اس کوفلاں چیز کی ضرورت ہے۔ یا یہ مشکل میں گرفتار ہے تو آپ بے چین ہو جاتے اور جب تک اپنی استطاعت کے مطابق اس کی مدد کی کوشش نہ فرما لیتے آپ کو چین نہ آتا تھا صرف صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفار سے معاہدہ کرلیا اور اس معاہدہ کے نتیجے میں آپ ان مسلمانوں کی مدد نہ کرنے پر اور ان کو واپس کرنے پر مجبور تھے جو مسلمان مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ طیبہ آ جاتے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں واپس کرنے پر مجبور ہوں اس واقعہ کے علاوہ شاید کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے کسی مسلمان کو مشکل اور تکلیف میں دیکھ کر اس کی مدد نہ فرمائی ہو۔

(وعظ مسلمان مسلمان بھائی بھائی از اصلاحی خطبات ج ۸)

پہلے سلام کرنا

مسلمانوں کو سلام کرنا بھی ان اسلامی شعائر میں سے ہے۔ جن سے ایک مسلمان کی شناخت ہوتی ہے اور اس کے بہت سے فضائل احادیث میں آئے ہیں خاص طور سے کسی مسلمان کو سلام کی ابتداء کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ حدیث میں ہے کہ "لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے قریب تر وہ شخص ہے جو لوگوں کو سلام کرنے کی ابتداء کرے"۔ (ابوداؤد)

یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ان ہی لوگوں کو سلام کیا جائے جو جان پہچان والے ہوں' بلکہ جن کو انسان پہچانتا نہ ہو' لیکن ان کا مسلمان ہونا معلوم ہو ان کو سلام کرنا بھی بہت ثواب ہے۔

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مسلمان کیلئے کون سے اعمال بہتر ہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے جو اعمال شمار کرائے ان میں یہ بھی تھا کہ "لوگوں کو سلام کرنا چاہیے تم انہیں پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو"۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کبھی کبھی وہ گھر سے باہر صرف اس غرض سے نکلا کرتے تھے کہ جو مسلمان ملے گا اسے سلام کریں گے اور اس طرح ان کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا۔ (موطا امام مالک)

لیکن حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت سے سلام کیا جائے۔ ہر نظر آنے

والے شخص کو سلام کرنا مقصود نہیں کیونکہ عملاً ایسا ممکن بھی نہیں ہے اور اس سے لوگوں کو تکلیف بھی پہنچ سکتی ہے۔ (الآداب الشرعیۃ لابن مصلح ص ۴۲۲ ج ۱)

یہ بھی سنت ہے کہ جب کوئی شخص باہر سے آئے تو گھر میں داخل ہو کر گھر والوں کو سلام کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم خاص حضرت انس سے فرمایا تھا۔

''بیٹے! جب اپنے گھر میں داخل ہو تو ان کو سلام کرو، یہ عمل تمہارے اور تمہارے گھر والوں دونوں کیلئے باعث برکت ہوگا''۔ (ترمذی)

بلکہ اگر کسی خالی گھر میں داخل ہوں تو اس وقت بھی سلام کرنا چاہئے اور نیت یہ کی جائے کہ یہ سلام فرشتوں کو کیا جارہا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر ایسے موقع پر اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ کہا کرتے تھے۔ (الآداب الشرعیۃ لابن مصلح ص ۴۲۲ ج ۱)

حدیث میں اس بات کی بھی ترغیب آئی ہے کہ سلام واضح لفظوں میں اس طرح کیا جائے کہ وہ سمجھ میں آئے اور اگرچہ سلام کی سنت صرف ''السلام علیکم'' کہنے سے ادا ہو جاتی ہے لیکن اگر اسکے ساتھ ''ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' بھی بڑھایا جائے تو زیادہ ثواب ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک صاحب آئے اور انہوں نے ''السلام علیکم'' کہہ کر سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ''دس'' (یعنی سلام کرنے والے کو دس نیکیاں حاصل ہوئیں) پھر ایک اور صاحب آئے۔ انہوں نے کہا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ نے جواب دیا اور فرمایا ''بیس'' (یعنی سلام کرنے والے کو بیس نیکیاں ملیں) پھر ایک اور صاحب آئے۔ اور انہوں نے کہا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ نے جواب دے کر فرمایا ''تیس'' (یعنی انہیں تیس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوا) (ابوداؤد و ترمذی۔ جامع الاصول ۶۱۲ ج ۶)

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سلام کرنا اس وقت سنت ہے جب کوئی شخص اپنے کسی کام میں مشغول نہ ہو اور یہ اندازہ ہو کہ سلام کرنے سے اس کے کام میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔ لیکن اگر اس کے کام میں خلل آنے کا اندیشہ ہو تو ایسے وقت سلام کرنا درست نہیں ہے مثلاً کوئی

شخص تلاوت یا ذکر کررہا ہے' یا کسی مریض کی تیمارداری میں مشغول ہے' یا مطالعہ کررہا ہے' یا کسی اور ایسے کام میں لگا ہوا ہے جس میں توجہ بٹنے سے کام کا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے تو جب تک وہ فارغ نہ ہو جائے سلام کرنا درست نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی مجمع سے خطاب کررہا ہے اور لوگ اس کی بات سن رہے ہیں تو ایسے میں بھی بولنے والے یا سننے والوں کو سلام نہیں کرنا چاہئے۔

البتہ اگر لوگ خاموش بیٹھے ہوں اور کوئی شخص ان کے پاس سے گزرے یا مجلس میں بیٹھنا چاہے تو بس ایک مرتبہ سلام کرلے اور حاضرین میں سے کوئی ایک بھی جواب دے دے تو سلام کی سنت اور سلام کے جواب کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔

سلام کا آغاز کرنا سنت ہے۔ لیکن کوئی سلام کرے تو اس کا جواب دینا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص سلام کا جواب نہ دے تو گنہگار ہوگا۔

نیز جب کسی کا خط آئے اور اس میں السلام علیکم لکھا ہوا ہو' تو پڑھتے وقت ہی سلام کا جواب دے دینا چاہئے۔ (شرح مسلم نووی) (آسان نیکیاں)

مسلمان کی مدد کرنا

کسی مسلمان کا کوئی ضروری کام کردینا' یا اس کے کام میں مدد کرنا' یا اس کی کوئی پریشانی دور کردینا بھی ایسا عمل ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَتِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں لگا ہو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی بے چینی دور کرے اللہ تعالیٰ اس کے صلے میں اس سے قیامت کی بے چینیوں میں سے کوئی بے چینی دور فرما دیتے ہیں۔ (ابوداؤد کتاب الادب' باب المواخات)

کسی شخص کو راستہ بتا دینا، کسی کا سامان اٹھانے میں اس کی مدد کر دینا غرض خدمت خلق کے تمام کام اس حدیث کی فضیلت میں داخل ہیں جو لوگ دوسروں کے کام آتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑی فضیلت والے لوگ ہیں۔ حدیث میں ہے کہ:۔

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ

لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔

لہٰذا خدمت خلق کا ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس کے مواقع تلاش کرنے چاہئیں اس سے انسان کی نیکیوں میں بہت اضافہ ہوتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص پر ظلم ہو رہا ہو تو اس کو ظلم سے بچانے کی امکانی کوشش ہر مسلمان کا فرض ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے نہ اس سے جھوٹ بولتا یا وعدہ خلافی کرتا ہے اور نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ (ترمذی البر والصلہ)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ: جس جگہ کسی مسلمان کی بے حرمتی کی جا رہی ہو اور اس کی آبرو پر دست درازی ہو رہی ہو وہاں جو مسلمان اس شخص کو بے یار و مددگار چھوڑ جائے اللہ تعالیٰ اس کو ایسے مواقع پر بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے جہاں وہ مدد کا خواہش مند ہو گا اور جس جگہ کسی مسلمان کی بے آبروئی یا بے حرمتی ہو رہی ہو وہاں اگر کوئی مسلمان اس کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ اس کی مدد کریں گے جہاں وہ مدد کا خواہش مند ہو گا۔ (ابوداؤد۔ ادب)

مسلمان کی مدد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر کسی جگہ اس پر غلط الزامات لگائے جا رہے ہوں یا غلط باتیں اس کی طرف منسوب کی جا رہی ہوں تو ان الزامات کا جائز دفاع کیا جائے چنانچہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللّٰهُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو شخص اپنے کسی بھائی کی آبرو کا دفاع کرے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے جہنم کی آگ کو ہٹا دیں گے۔ (ترمذی البر والصلہ باب ۲۰)

بھائی بھائی بن جاؤ

انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم (الحجرات:۱۰)

آیت کا مفہوم

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا تمہارے دو بھائیوں کے درمیان کوئی رنجش یا لڑائی ہوگئی ہو تو تمہیں چاہئے کہ ان کے درمیان صلح کراؤ اور صلح کرانے میں اللہ سے ڈرو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سزاوار اور مستحق ہو جاؤ۔

جھگڑے دین کو مونڈنے والے ہیں

قرآن وسنت میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے باہمی جھگڑے کسی قیمت پر پسند نہیں مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو یا جھگڑا ہو یا ایک دوسرے سے کھچاؤ اور تناؤ کی صورت پیدا ہو یا رنجش ہو یہ اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں بلکہ حکم یہ ہے کہ حتی الامکان اس آپس کی رنجشوں اور جھگڑوں کو باہمی نفرتوں اور عداوتوں کو کسی طرح ختم کرو۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقہ سے بھی افضل ہے؟ ارشاد فرمایا۔ "اصلاح ذات البین فساد ذات البین الحالقه" (ابوداؤد)

یعنی لوگوں کے درمیان صلح کرانا اور اس لئے اس کے جھگڑے مونڈے والے ہیں یعنی مسلمانوں کے درمیان آپس میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں فساد برپا ہو جائے ایک دوسرے کا نام لینے کے روادار نہ رہیں۔ ایک دوسرے سے بات نہ کریں بلکہ ایک دوسرے سے زبان اور ہاتھ سے لڑائی کریں یہ چیزیں انسان کے دین کو مونڈ دینے والی ہیں۔ یعنی انسان کے اندر جو دین کا جذبہ ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا جو جذبہ ہے وہ اس کے ذریعہ ختم ہو جاتا

ہے۔ بالآخر انسان کا دین تباہ ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا کہ آپس کے جھگڑے اور فساد سے بچو۔

باطن کو تباہ کرنے والی چیز

بزرگوں نے فرمایا کہ آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا اور ایک دوسرے سے بغض اور عداوت رکھنا یہ انسان کے باطن کو اتنا زیادہ تباہ کرتا ہے کہ اس سے زیادہ تباہ کرنے والی چیز کوئی اور نہیں ہے اب اگر انسان نماز بھی پڑھ رہا ہے روزے بھی رکھ رہا ہے۔ تسبیحات بھی پڑھ رہا ہے وظیفے اور نوافل کا بھی پابند ہے ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اگر وہ انسان لڑائی جھگڑے میں لگ جاتا ہے تو یہ لڑائی جھگڑا اس کے باطن کو تباہ و برباد کر دے گا اور اس کو اندر سے کھوکھلا کر دے گا۔ اس لئے کہ اس لڑائی کے نتیجے میں اس کے دل میں دوسرے کی طرف سے بغض ہوگا اور اس بغض کی خاصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو کبھی انصاف پر قائم نہیں رہنے دیتا لہٰذا وہ انسان دوسرے کے ساتھ کبھی ہاتھ سے زیادتی کرے گا کبھی زبان سے زیادتی کرے گا کبھی دوسرے کا مالی حق چھیننے کی کوشش کرے گا۔

اللہ کی بارگاہ میں اعمال کی پیشی

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر پیر کے دن اور جمعرات کے دن تمام انسانوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یوں تو ہر وقت ساری مخلوق کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کے عمل سے واقف ہیں یہاں تک دلوں کے بھید کو جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس وقت کیا خیال آ رہا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ ویسے تو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ ان دو دنوں میں مخلوق کے اعمال پیش کئے جائیں تاکہ ان کی بنیاد پر ان کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

وہ شخص روک لیا جائے

بہرحال اعمال پیش ہونے کے بعد جب کسی انسان کے بارے میں یہ معلوم ہو جاتا ہے

کہ یہ شخص اس ہفتے کے اندر ایمان کی حالت میں رہا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں آج کے دن اس کی مغفرت کا اعلان کرتا ہوں۔ یعنی یہ شخص ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور داخل ہو جائے گا لہٰذا اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ یہ اعلان بھی فرما دیتے ہیں۔ "الامن بینه و بین اخیه شحناء فیقال انظروا هذین حتیٰ یصطلحا" (ابوداؤد)

لیکن جن دو شخصوں کے درمیان آپس میں کینہ اور بغض ہو ان کو روک لیا جائے ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ میں ابھی نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان آپس میں صلح نہ ہو جائے۔

بغض سے کفر کا اندیشہ

سوال یہ ہے کہ اس شخص کے جنتی ہونے کا اعلان کیوں روک دیا گیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ یوں تو جو شخص بھی کوئی گناہ کرے گا' قاعدے کے اعتبار سے اس کو اس گناہ کا بدلہ ملے گا اس کے بعد جنت میں جائے گا لیکن اور جتنے گناہ ہیں ان کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ گناہ اس کو کفر اور شرک میں مبتلا کر دیں گے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چونکہ صاحب ایمان ہے اس لئے اس کے جنتی ہونے کا اعلان ابھی کر دو۔ جہاں تک اس کے گناہوں کا تعلق ہے تو اگر یہ ان سے توبہ کر لے گا تو معاف ہو جائیں گے اور اگر توبہ نہیں کرے گا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ان گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں چلا جائے گا لیکن بغض اور عداوت ایسے گناہ ہیں کہ ان کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں یہ اس کو کفر اور شرک میں مبتلا نہ کر دیں اور اس کا ایمان سلب نہ ہو جائے اس لئے ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ اس وقت تک کے لئے روک دو جب تک یہ دونوں آپس میں صلح نہ کر لیں اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں میں آپس کا باہمی بغض اور نفرت کتنا ناپسند ہے۔

شب برات میں بھی مغفرت نہیں ہوگی

شب برات کے بارے میں یہ حدیث آپ حضرات نے سنی ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت انسانوں کی طرف متوجہ

ہوتی ہے اور اس رات میں اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے جسم پر بال ہیں۔ لیکن دو آدمی ایسے ہیں کہ ان کی مغفرت اس رات میں بھی نہیں ہوتی ایک وہ شخص جس کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے بغض ہو کینہ ہو اور عداوت ہو۔ وہ رات جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں رحمت کی ہوائیں چل رہی ہیں اس حالت میں بھی وہ شخص اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس نے اپنا ازار یا جامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی۔

بغض کی حقیقت

اور ''بغض'' کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے شخص کی بدخواہی کی فکر کرنا کہ اس کو کسی طرح نقصان پہنچ جائے یا اس کی بدنامی ہو لوگ اس کو برا سمجھیں اس پر کوئی بیماری آجائے اس کی تجارت بند ہو جائے یا اس کو تکلیف پہنچ جائے تو اگر دل میں دوسرے شخص کی طرف سے بدخواہی پیدا ہو جائے اس کو ''بغض'' کہتے ہیں لیکن اگر ایک شخص مظلوم ہے کسی دوسرے شخص نے اس پر ظلم کیا ہے تو ظاہر ہے کہ مظلوم کے دل میں ظالم کے خلاف جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کا مقصد اپنے آپ سے اس ظلم کو دفع کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ ظلم نہ کرے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم سے ظلم کا بدلہ لینے کی اور اپنے سے ظلم کا دفاع کرنے کی بھی اجازت دی ہے چنانچہ اس وقت مظلوم اس ظالم کے اس ظلم کو تو اچھا نہ سمجھے بلکہ اس کو برا سمجھے لیکن اس وقت بھی اس ظالم کی ذات سے کوئی کینہ نہ رکھے اس کی ذات سے بغض نہ کرے اور نہ بدخواہی کی فکر کرے تو مظلوم کا یہ عمل بغض میں داخل نہ ہوگا۔

حسد اور کینہ کا بہترین علاج

یہ ''بغض'' حسد سے پیدا ہوتا ہے۔ دل میں پہلے دوسرے کی طرف سے حسد پیدا ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھ گیا میں پیچھے رہ گیا اور اب اس کے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے دل میں جلن اور کڑھن ہو رہی ہے گھٹن ہو رہی ہے اور دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ میں اس کو کسی طرح کا نقصان پہنچاؤں اور نقصان پہنچانا قدرت اور اختیار میں نہیں ہے اس کے نتیجے میں جو گھٹن پیدا

ہو رہی ہے اس سے انسان کے دل میں "بغض" پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا "بغض" سے بچنے کا پہلا راستہ یہ ہے کہ اپنے دل سے پہلے حسد کو ختم کرے اور بزرگوں نے حسد دور کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ حسد پیدا ہو جائے کہ وہ مجھ سے آگے کیوں بڑھ گیا تو اس حسد کا علاج یہ ہے کہ وہ اس شخص کے حق میں یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس کو اور ترقی عطا فرما۔ جس وقت اس کے حق میں یہ دعا کرے گا اس وقت دل پر آرے چل جائیں گے اس کے لئے دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ اس کی ترقی نہ ہو بلکہ نقصان ہو جائے لیکن زبان سے وہ یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ اس کو اور ترقی عطا فرما۔ چاہے دل پر آرے چل جائیں لیکن بتکلف اور زبردستی اس کے حق میں دعا کرے۔ حسد دور کرنے کا یہ بہترین علاج ہے اور جب حسد دور ہو جائے گا تو انشاء اللہ بغض بھی دور ہو جائیگا لہٰذا ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے اور جس کے بارے میں بھی یہ خیال ہو کہ اس کی طرف سے دل میں بغض یا کینہ ہے تو اس شخص کو اپنی پنج وقت نمازوں کی دعاؤں میں شامل کر لے یہ حسد اور کینہ کا بہترین علاج ہے۔

دشمنوں پر رحم، نبی کی سیرت

دیکھئے مشرکین مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر ظلم کرنے اور آپ کو تکلیف دینے، ایذاء پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے، اعلان کر دیا کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لائیگا اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔ غزوۂ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش کی حتیٰ کہ آپ کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا، دندان مبارک شہید ہوئے لیکن اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ دعا تھی کہ:

اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون"

اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرمایئے ان کو علم نہیں ہے یہ ناواقف اور جاہل ہیں میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں اس لئے میرے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ اندازہ لگایئے کہ وہ لوگ ظالم تھے اور ان کے ظلم میں کوئی شک نہیں تھا لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی طرف سے بغض اور کینہ کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تو یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت اور آپ کا اسوہ ہے کہ بدخواہی کا بدلہ بدخواہی سے نہ دیں بلکہ اس کے حق

میں دعا کریں اور یہی حسد اور بغض کو دور کرنے کا بہترین علاج ہے۔

بہر حال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ آپس کے جھگڑے آخر کار دل میں بغض اور حسد پیدا کر دیتے ہیں، اس لئے کہ جب جھگڑا لمبا ہو تو دل میں بغض ضرور پیدا ہوگا اور جب بغض پیدا ہوگا تو دل کی دنیا تباہ ہو جائیگی اور باطن خراب ہوگا اور اس کے نتیجے میں انسان اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیگا اس لئے حکم یہ ہے کہ آپس کے جھگڑے سے بچو اور ان سے دور رہو۔

جھگڑا علم کا نور زائل کر دیتا ہے

یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جھگڑا تو جسمانی ہوتا ہے جس میں ہاتھا پائی ہوتی ہے اور ایک جھگڑا پڑھے لکھوں کا اور علماء کا ہوتا ہے وہ ہے مجادلہ، مناظرہ اور بحث و مباحثہ، ایک عالم نے ایک بات پیش کی۔ دوسرے نے اس کے خلاف بات کی اس نے ایک دلیل دی دوسرے نے اس کی دلیل کا رد لکھ دیا، سوال و جواب اور رد و قدح کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے اسکو بھی بزرگوں نے کبھی پسند نہیں فرمایا، اس لئے کہ اس کی وجہ سے باطن کا نور زائل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المراء یذھب بنور العلم"

یعنی علمی جھگڑے علم کے نور کو زائل کر دیتے ہیں۔ دیکھئے ایک تو ہوتا ہے "مذاکرہ" مثلاً ایک عالم نے ایک مسئلہ پیش کیا دوسرے عالم نے کہا کہ اس مسئلے میں مجھے فلاں اشکال ہے۔ اب دونوں بیٹھ کر افہام و تفہیم کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ہے "مذاکرہ" یہ بڑا اچھا عمل ہے لیکن یہ جھگڑا کہ ایک عالم نے دوسرے کے خلاف ایک مسئلے کے سلسلے میں اشتہار شائع کر دیا یا کوئی پمفلٹ یا کتاب شائع کر دی اب دوسرے عالم نے اس کے خلاف کتاب شائع کر دی اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یا ایک عالم نے دوسرے کے خلاف تقریر کر دی دوسرے عالم نے اس کے خلاف تقریر کر دی اور یوں مخالفت برائے مخالفت کا سلسلہ قائم ہو گیا یہ ہے "مجادلہ اور جھگڑا" جس کو ہمارے بزرگوں نے، ائمہ دین نے بالکل پسند نہیں فرمایا۔

حضرت تھانویؒ کی قوت کلام

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے قوت کلام میں

ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی بھی مسئلہ پر بحث ومباحثہ کے لئے آجاتا تو آپ چند منٹ میں اس کو لاجواب کر دیتے تھے۔ بلکہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ آپ بیمار تھے اور بستر پر لیٹے ہوئے تھے اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

''الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسے پر یہ بات کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقل مند لوگ جمع ہو کر آجائیں اور اسلام کے کسی بھی معمولی سے مسئلے پر کوئی اعتراض کریں تو ان شاء اللہ یہ ناکارہ دو منٹ میں ان کو لاجواب کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ: میں تو ایک ادنیٰ طالب علم ہوں علماء کی تو بڑی شان ہے''

چنانچہ واقعہ یہ تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی آدمی کسی مسئلہ پر بات چیت کرتا تو چند منٹ سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا۔

مناظرہ سے عموماً فائدہ نہیں ہوتا

خود حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب میں دارالعلوم دیوبند سے درس نظامی کر کے فارغ ہوا تو اس وقت مجھے باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ کبھی شیعوں سے مناظرہ ہو رہا ہے کبھی غیر مقلدین سے تو کبھی بریلویوں سے کبھی ہندوؤں سے اور کبھی سکھوں سے مناظرہ ہو رہا ہے' چونکہ نیا نیا فارغ ہوا تھا اس لئے شوق اور جوش میں یہ مناظرے کرتا رہا لیکن بعد میں میں نے مناظرے سے توبہ کر لی اس لئے کہ تجربہ یہ ہوا اس سے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اپنی باطنی کیفیات پر اس کا اثر پڑتا ہے اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ بہر حال جب ہمارے بزرگوں نے حق و باطل کے درمیان بھی مناظرے کو پسند نہیں فرمایا تو پھر اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر' یا دنیاوی معاملات کی بنیاد پر مناظرہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے کو کیسے پسند فرما سکتے ہیں یہ جھگڑا ہمارے باطن کو خراب کر دیتا ہے۔

جنت میں گھر کی ضمانت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ومن ترک المراء و هو محق بنی له فی وسط الجنة (ترمذی)

یعنی میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے یعنی جو شخص حق پر ہونے کے باوجود یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں حق کا زیادہ مطالبہ کروں گا تو جھگڑا کھڑا ہو جائے گا چلو اس حق کو چھوڑ دو تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے اس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں اس کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھگڑا ختم کرانے کی کتنی فکر تھی۔ تاکہ آپس کے جھگڑے ختم ہو جائیں ہاں اگر کہیں معاملہ بہت آگے بڑھ جائے اور قابل برداشت نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کی اجازت ہے کہ مظلوم ظالم کا دفاع بھی کرے اور اس سے بدلہ لینا بھی جائز ہے لیکن حتی الامکان یہ کوشش ہو کہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

جھگڑوں کے نتائج

آج ہمارا معاشرہ جھگڑوں سے بھر گیا ہے اس کی بے برکتی اور ظلمت پورے معاشرے میں اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ عبادتوں کے نور محسوس نہیں ہوتے چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہو رہے ہیں کہیں خاندانوں میں جھگڑے ہیں تو کہیں میاں بیوی میں جھگڑا ہے کہیں دوستوں میں جھگڑا ہے کہیں بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے کہیں رشتہ داروں میں جھگڑا ہے اور تو اور علماء کرام کے درمیان آپس میں جھگڑے ہو رہے ہیں اہل دین میں جھگڑے ہو رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں دین کا نور ختم ہو چکا ہے۔

جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ آپ حضرات کو سناتا ہوں جو بڑا زرین اصول ہے۔ اگر انسان اس اصول پر عمل کر لے تو امید ہے کہ پچھتر فیصد جھگڑے تو وہیں ختم ہو جائیں چنانچہ فرمایا کہ:

''ایک کام یہ کر لو کہ دنیا والوں سے امید باندھنا چھوڑ دو' جب امید چھوڑ دو گے تو انشاء اللہ پھر دل میں کبھی بغض اور جھگڑے کا خیال نہیں آئے گا''۔

5 دوسرے لوگوں سے جو شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً یہ کہ فلاں شخص کو ایسا کرنا چاہئے تھا اس نے یہ نہیں کیا جیسی میری عزت کرنی چاہئے تھی اس نے ایسی عزت نہیں کی جیسی میری خاطر مدارات کرنی چاہئے تھی اس نے ویسی نہیں کی یا فلاں شخص کے ساتھ میں نے فلاں احسان کیا تھا اس نے اس کا بدلہ نہیں دیا وغیرہ وغیرہ یہ شکایتیں اس لئے پیدا ہوتی ہیں کہ دوسروں سے توقعات وابستہ کر رکھی ہیں اور جب وہ توقع پوری نہیں ہوتی تو اس کے نتیجے میں دل میں گرہ پڑ گئی کہ اس نے میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا اور دل میں شکایت پیدا ہو گئی ایسے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں کسی سے کوئی شکایت پیدا ہو جائے تو اس سے جا کر کہہ دو کہ مجھے تم سے یہ شکایت ہے تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی مجھے بری لگی پسند نہیں آئی یہ کہہ کر اپنا دل صاف کر لو لیکن آج کل بات کہہ کر دل صاف کرنے کا دستور ختم ہو گیا بلکہ اب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو اور اس شکایت کو دل میں لے کر بیٹھ جاتا ہے اس کے بعد کسی اور موقع پر کوئی اور بات پیش آ گئی ایک گرہ اور پڑ گئی چنانچہ آہستہ آہستہ دل میں گرہیں پڑتی چلی جاتی ہیں وہ پھر بغض کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور بغض کے نتیجے میں آپس میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

توقعات مت رکھو

اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جھگڑے کی جڑ اس طرح کاٹو کہ کسی سے کوئی توقع ہی مت رکھو۔ کیا مخلوق سے توقعات وابستہ کئے بیٹھے ہو کہ فلاں یہ دے دے گا فلاں یہ کام کر دے گا توقع تو صرف اس سے وابستہ کرو جو خالق اور مالک ہے بلکہ دنیا والوں سے تو برائی کی توقع رکھو کہ ان سے تو ہمیشہ برائی ہی ملے گی اور پھر برائی کی توقع رکھنے کے بعد اگر کبھی اچھائی مل جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ آپ کا شکر اور احسان ہے اور اگر برائی ملے تو پھر خیال کر لو کہ مجھے تو پہلے ہی برائی کی توقع تھی تو اب اس کے نتیجے میں دل میں شکایت اور بغض پیدا نہیں ہوگا اور پھر دشمنی بھی پیدا نہیں ہوگی نہ جھگڑا ہوگا لہذا کسی سے توقع ہی مت رکھو۔

بدلہ لینے کی نیت مت کرو

اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ نے ایک اور اصول یہ بیان فرمایا کہ جب تم کسی

دوسرے کے ساتھ کوئی نیکی کرو یا اچھا سلوک کرو تو صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرو مثلاً کسی کی مدد کرو یا کسی شخص کی سفارش کرو یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو یا کسی کی عزت کرو تو یہ سوچ کر کرو کہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ برتاؤ کر رہا ہوں اپنی آخرت سنوارنے کے لئے یہ کام کر رہا ہوں جب اس نیت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے تو اس صورت میں اس برتاؤ پر بدلہ کا انتظار نہیں کرو گے اب اگر فرض کریں کہ آپ نے ایک شخص کے ساتھ اچھا سلوک کیا مگر اس شخص نے تمہارے اچھے سلوک کا بدلہ اچھائی کے ساتھ نہیں دیا اور اس نے تمہارے احسان کرنے کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوگا کہ میں نے تو اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا اور اس نے میرے ساتھ الٹا سلوک کیا لیکن اگر آپ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا تو اس صورت میں اس کی طرف سے برے سلوک پر کبھی شکایت پیدا نہیں ہوگی اس لئے کہ آپ کا مقصد تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا تھی اگر ان دو اصولوں پر ہم سب عمل کرلیں تو پھر آپس کے تمام جھگڑے ختم ہو جائیں اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے تو میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی عظیم قربانی

ہم نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی پوری زندگی میں اس حدیث پر عمل کرنے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے جھگڑا ختم کرنے کی خاطر بڑے سے بڑا حق چھوڑ کر الگ ہو گئے ان کا ایک واقعہ سناتا ہوں جس پر آج لوگوں کو یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے یہ دارالعلوم جو اس وقت کورنگی میں قائم ہے پہلے نانک واڑہ میں ایک چھوٹی سی عمارت میں قائم تھا جب کام زیادہ ہوا تو اس کے لئے وہ جگہ تنگ پڑ گئی وسیع اور کشادہ جگہ کی ضرورت تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ایسی مدد ہوئی کہ بالکل شہر کے وسط میں حکومت کی طرف سے ایک بہت بڑی اور کشادہ جگہ مل گئی جہاں آج کل اسلامیہ کالج قائم ہے

جہاں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی ہے یہ کشادہ جگہ دار العلوم کراچی کے نام الاٹ ہوگئی اس زمین کے کاغذات مل گئے قبضہ مل گیا اور ایک کمرہ بھی بنا دیا گیا ٹیلیفون بھی لگ گیا اس کے بعد دار العلوم کا سنگ بنیاد رکھتے وقت ایک جلسہ تاسیس منعقد ہوا جس میں پورے پاکستان کے بڑے بڑے علماء حضرات تشریف لائے اس جلسہ کے موقع پر کچھ حضرات نے جھگڑا کھڑا کر دیا کہ یہ جگہ دار العلوم کو نہیں ملنی چاہئے تھی بلکہ فلاں کو ملنی چاہئے تھی اتفاق سے جھگڑے میں ان لوگوں نے ایسے بعض بزرگ ہستیوں کو بھی شامل کر لیا' جو حضرت والد صاحب کے لئے باعث احترام تھیں والد صاحب نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ یہ جھگڑا کسی طرح ختم ہو جائے لیکن وہ ختم نہیں ہوا والد صاحب نے یہ سوچا کہ جس مدرسے کا آغاز ہی جھگڑے سے ہو رہا ہے تو اس مدرسے میں کیا برکت ہوگی؟ چنانچہ والد صاحب نے اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں اس زمین کو چھوڑتا ہوں۔

مجھے اس میں برکت نظر نہیں آتی

دار العلوم کی مجلس منتظمہ نے یہ فیصلہ سنا تو انہوں نے حضرت والد صاحب سے کہا کہ حضرت! یہ آپ کیسا فیصلہ کر رہے ہیں؟ اتنی بڑی زمین وہ بھی شہر کے وسط میں ایسی زمین ملنا بھی مشکل ہے اب جبکہ یہ زمین آپ کو مل چکی ہے آپ کا اس پر قبضہ ہے آپ ایسی زمین کو چھوڑ کر الگ ہو رہے ہیں؟ حضرت والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میں مجلس منتظمہ کو اس زمین کے چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتا اسلئے کہ مجلس منتظمہ درحقیقت اس زمین کی مالک ہو چکی ہے۔ آپ حضرات اگر چاہیں تو مدرسہ بنالیں میں اس میں شمولیت اختیار نہیں کروں گا اس لئے کہ جس مدرسے کی بنیاد جھگڑے پر رکھی جارہی ہو اس مدرسے میں مجھے برکت نظر نہیں آتی پھر حدیث سنائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے میں اس کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔ آپ حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ شہر کے بیچوں بیچ ایسی زمین کہاں ملے گی لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں اس کو جنت کے بیچ میں گھر دلواؤں گا۔ یہ کہہ کر اس

زمین کو چھوڑ دیا۔ آج کے دور میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے کہ کوئی شخص اس طرح جھگڑے کی وجہ سے اتنی بڑی زمین چھوڑ دے لیکن جس شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کامل یقین ہے وہی یہ کام کر سکتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ چند ہی مہینوں کے بعد اس زمین سے کئی گنا بڑی زمین عطا فرما دی جہاں آج دار العلوم قائم ہے۔ یہ تو میں نے آپ حضرات کے سامنے ایک مثال بیان کی ورنہ حضرت والد صاحب کو ہم نے ساری زندگی حتی الامکان اس حدیث پر عمل کرتے دیکھا۔ ہاں البتہ جس جگہ دوسرا شخص جھگڑے کے اندر پھانس ہی لے اور دفاع کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو وہ الگ بات ہے۔ ہم لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں موقع پر فلاں شخص نے یہ بات کہی تھی فلاں نے ایسا کیا تھا اب ہمیشہ کے لئے اس کو دل میں بٹھا لیا اور جھگڑا کھڑا ہو گیا آج ہمارے پورے معاشرے کو اس چیز نے تباہ کر دیا ہے۔ یہ جھگڑا انسان کے دین کو مونڈ دیتا ہے اور انسان کے باطن کو تباہ کر دیتا ہے اس لئے خدا کے لئے آپس کے جھگڑوں کو ختم کر دو اور اگر دو مسلمان بھائیوں میں جھگڑا دیکھو تو ان کے درمیان صلح کرانے کی پوری کوشش کرو۔

صلح کرانا صدقہ ہے

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں ہر جوڑ کی طرف سے انسان کے ذمہ روزانہ ایک صدقہ کرنا واجب ہے...... اسلئے کہ ہر جوڑ ایک مستقل نعمت ہے اور ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے، اور ایک انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں لہٰذا ہر انسان کے ذمے روزانہ تین سو ساٹھ صدقے واجب ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس صدقے کو اتنا آسان فرمایا کہ انسان کے چھوٹے چھوٹے عمل کو صدقہ کے اندر شمار فرما دیا ہے تا کہ کسی طرح تین سو ساٹھ کی گنتی پوری ہو جائے۔
چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا اور رنجش تھی تم نے ان دونوں کے درمیان مصالحت کرا دی یہ مصالحت کرانا ایک صدقہ ہے اسی طرح ایک شخص اپنے گھوڑے یا سواری پر سوار ہونا چاہ رہا تھا لیکن کسی وجہ سے اس سے سوار نہیں ہوا جا

رہا تھا اب تم نے سوار ہونے میں اس کی مدد کر دی اور اس کو سہارا دیدیا۔ یہ سہارا دیدینا اور سوار کرا دینا ایک صدقہ ہے یا ایک شخص اپنی سواری پر سامان لادنا چاہتا تھا لیکن اس بیچارے سے لادا نہیں جارہا تھا اب تم نے اس کی مدد کرتے ہوئے وہ سامان لدوادیا اس کی سواری پر رکھ دیا یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اس طرح کسی شخص سے کوئی اچھا کلمہ کہہ دیا مثلاً کوئی غمزدہ آدمی تھا تم نے اس کو کوئی تسلی کا کلمہ کہہ دیا اور اس کی تسلی کر دی یا کسی سے کوئی بات ایسی کہہ دی جس سے اس مسلمان کا دل خوش ہو گیا یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اسی طرح جب نماز کے لئے تم مسجد کی طرف جارہے ہو تو ہر قدم جو مسجد کی طرف اٹھ رہا ہے وہ ایک صدقہ شمار ہو رہا ہے۔ اسی طرح راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ آپ نے اس کو راستے سے ہٹا دیا یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ (مسند احمد)

بہرحال اس حدیث میں سب سے پہلی چیز جس کو صدقہ شمار کرایا ہے وہ ہے دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا اس سے معلوم ہوا کہ صلح کرانا اجر و ثواب کا موجب ہے۔

اسلام کا کرشمہ

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں اور عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ہیں۔ اور عقبہ بن ابی معیط حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا انتہا درجہ کا مشرک اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے والے جیسے ابو جہل اور امیہ ابن ابی خلف تھے جو کٹر قسم کے مشرک تھے یہ بھی انہیں میں سے تھا۔ اور یہ وہ شخص تھا جس کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی۔ چنانچہ بددعا کرتے ہوئے فرمایا۔ (صحیح بخاری)

"اللھم سلط علیہ کلبامن کلابک" (فتح الباری)

اے اللہ، درندوں میں سے کسی درندے کو اس پر مسلط فرما دے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بددعا قبول ہوئی۔ بالآخر ایک شیر کے ذریعہ اس کا انتقال ہوا تو ایک طرف باپ تو ایسا دشمن اسلام تھا۔ دوسری طرف اس کی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی اور صحابیہ بن گئیں۔

ایسا شخص جھوٹا نہیں

بہر حال حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان مصالحت کی خاطر کوئی اچھی بات ادھر سے ادھر پہنچا دیتا ہے یا ایک کی بات دوسرے کو اس انداز سے نقل کرتا ہے کہ اس کے دل میں دوسرے کی قدر پیدا ہو اور نفرت دور ہو جائے ایسا شخص کذاب اور جھوٹا نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ایسی بات کہہ رہا ہے جو بظاہر سچ نہیں ہے لیکن وہ بات اس لئے کہہ رہا ہے تاکہ اس کے دل سے دوسرے مسلمان کی برائی نکل جائے آپس کے دل کا غبار دور ہو جائے اور نفرتیں ختم ہو جائیں اس مقصد سے اگر وہ ایسی بات کہہ رہا ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں شمار نہیں ہوگا۔

صریح جھوٹ جائز نہیں

علماء کرام نے فرمایا کہ صریح جھوٹ بولنا تو جائز نہیں البتہ ایسی گول مول بات کرنا جس کا ظاہری مفہوم تو واقعہ کے خلاف ہے لیکن دل میں ایسے معنی مراد لے لئے جو واقعہ کے مطابق تھے مثلاً دو آدمیوں کے درمیان نفرت اور لڑائی ہے یہ اس کا نام سننے کا روادار نہیں وہ اس کا نام سننے کا روادار نہیں اب ایک شخص ان میں سے ایک کے پاس گیا تو اس نے دوسرے کی شکایت کرنی شروع کر دی کہ وہ تو میرا ایسا دشمن ہے تو اس شخص نے کہا کہ تم تو اس کی برائیاں بیان کر رہے ہو حالانکہ وہ تو تمہارا بڑا خیر خواہ ہے اس لئے کہ میں نے خود سنا ہے کہ تمہارے حق میں دعا کر رہا تھا۔

اب دیکھئے کہ اس نے یہ دعا کرتے ہوئے نہیں سنا تھا مگر اس نے دل میں یہ مراد لیا کہ اس نے یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ "**اللھم اغفر للمومنین**" اے اللہ تمام مومنین کی مغفرت فرما چونکہ یہ بھی مسلمان تھا اس لئے یہ بھی اس دعا میں داخل ہو گیا تھا۔ اب سامنے والا یہ سمجھے گا کہ خاص طور پر میرا نام لے کر دعا کر رہا ہوگا۔ ایسی بات کہہ دینا جھوٹ میں داخل نہیں بلکہ انشاء اللہ اس پر بھی اجر و ثواب ملے گا۔

زبان سے اچھی بات نکالو

اور جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر دو مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح

کرانے کے ارادے سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسی باتیں ڈال دیتے ہیں کہ اس سے ایسی بات کہو جس سے اس کے دل سے دوسرے کی نفرت دور ہو جائے ایسی بات نہ کہو کہ ان کے درمیان نفرت کی آگ تو پہلے سے لگی ہوئی ہے اور اب آپ نے جا کر ایسی بات سنا دی جس نے آگ پر تیل کا کام کیا اور جس کے نتیجے میں نفرت دور ہونے کے بجائے نفرت کی آگ اور بھڑک گئی یہ انتہائی درجے کی رذالت کا کام ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی ناپسند ہے۔

صلح کرانے کی اہمیت

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ آپ نے سنا ہوگا کہ ”دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز“ یعنی ایسا جھوٹ جس کے ذریعہ دو مسلمانوں کے درمیان مصالحت مقصود ہو اس سچ سے بہتر ہے جس سچ سے فتنہ پیدا ہو لیکن اس جھوٹ سے مراد یہ نہیں کہ صریح جھوٹ بول دیا جائے بلکہ ایسی بات کہہ دے جو دو معنی رکھتی ہو جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے جھوٹ کی اجازت دیدی تو آپ اسی سے اندازہ لگائیے کہ دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ختم کرانے کی کس قدر اہمیت ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے اتنے میں باہر سے دو آدمیوں کے جھگڑنے کی آواز سنی اور جھگڑا اس بات کا تھا کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے قرضہ لیا تھا قرض خواہ دوسرے سے قرض کا مطالبہ کر رہا تھا کہ میرا قرضہ واپس کرو مقروض یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت میرے اندر سارا قرضہ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تم کچھ قرضہ لے لو کچھ چھوڑ دو اس جھگڑنے کے اندر ان دونوں کی آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں اور جھگڑنے کے دوران اس قرض خواہ نے یہ قسم کھالی کہ ”واللہ لا افعل“ خدا کی قسم میں قرضہ کم نہیں کروں گا۔ اس دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر

سے باہر تشریف لے آئے اور آکر آپ نے پوچھا کہ وہ شخص کہاں ہے جو اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ رہا ہے کہ میں نیک کام نہیں کروں گا؟ اسی وقت وہ شخص آگے بڑھا اور کہا کہ میں ہوں یا رسول اللہ! اور پھر فوراً دوسرا جملہ یہ کہا کہ یہ شخص جتنا چاہے اس قرض میں سے کم دیدیے میں چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب حل یشیر الامام بالصلح)

صحابہ کرام کی حالت

یہ تھے صحابہ کرام کہاں تو جذبات کا یہ عالم تھا کہ آوازیں بلند ہو رہی ہیں وہ کم کرانا چاہتے تھے تو یہ کم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اور کم نہ کرنے پر قسم بھی کھالی کہ میں کم نہیں کروں گا اس کے بعد نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے قرضہ چھوڑنے کا حکم فرمایا اور نہ ہی چھوڑنے کا مشورہ دیا بلکہ صرف اتنا فرمادیا کہ کہاں ہے وہ شخص جو یہ قسم کھا رہا ہے کہ میں نیک کام نہیں کروں گا بس اتنی بات سننے کے بعد وہیں ڈھیلے پڑ گئے اور سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور جھگڑا ختم ہو گیا وجہ یہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اس قدر رام تھے کہ جب آپ کی زبان سے ایک جملہ سن لیا تو اس کے بعد مجال نہیں تھی کہ آگے بڑھ جائیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس جذبہ کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرما دے اور تمام مسلمانوں کے درمیان آپس کے اختلافات اور جھگڑے ختم فرما دے اور تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (وعظ بھائی بھائی بن جاؤ از اصلاحی خطبات ج ۶)

نرم خوئی

لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پسندیدہ عمل ہے جس پر بہت ثواب ملتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نرمی کا معاملہ کرنے والے ہیں اور نرمی کے معاملے کو پسند فرماتے ہیں اور نرم خوئی پر وہ اجر عطا فرماتے ہیں جو تندی اور سختی پر نہیں دیتے (بلکہ) کسی اور چیز پر نہیں دیتے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عائشہؓ ایک اور حدیث نقل فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ

نرمی جس چیز میں بھی ہوگی' اسے زینت بخشے گی اور جس چیز سے بھی ہٹالی جائے گی اس میں عیب پیدا کردے گی۔ (صحیح مسلم)

نرم خوئی کا مطلب یہ ہے کہ غصے سے مغلوب ہو کر سخت الفاظ یا سخت رویہ اختیار کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ دوسرے سے نرم الفاظ اور نرم لب ولہجہ میں بات کی جائے۔ اگر کسی کو ٹوکنا ہو یا اس سے اختلاف کا اظہار کرنا ہو تو اس کے لئے بھی ایسا انداز اختیار کیا جائے جس میں کھردرے پن اور درشتی کے بجائے خیر خواہی' تواضع اور دلسوزی کا پہلو نمایاں ہو' اگر کسی چھوٹے کی تربیت کے لئے اس پر غصہ کرنا ضروری ہو تو وہ بھی صرف بقدر ضرورت اور اعتدال کی حدود میں ہو۔

اسی طرح نرم خوئی کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ بات بات پر لوگوں سے الجھنے' بحث کرنے یا جھگڑنے سے پرہیز کیا جائے' اور لوگوں سے حتی الامکان حسن ظن کا معاملہ کیا جائے یہاں تک کہ جب کسی سے خرید وفرخت وغیرہ کا معاملہ پڑے تو اس میں بھی قیمت وغیرہ کے معاملے میں ضد اور بحث کا انداز اختیار نہ کیا جائے۔ اگر معاملہ قابل قبول ہو تو قبول کرلیا جائے' اور قابل قبول نہ ہو تو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن دوسرے کو اپنی بات ماننے پر مجبور کرنا اور زچ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رَحِمَ اللّٰہُ رَجُلاً سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرَیٰ وَاِذَا اقْتَضَیٰ

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت فرماتے ہیں جو نرم خو اور درگزر کرنے والا ہو۔ جب کوئی چیز بیچے اس وقت بھی جب کوئی چیز خریدے اس وقت بھی اور جب کسی سے اپنے حق کا تقاضا کرے اس وقت بھی۔ (صحیح بخاری)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ لایا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا تھا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ تو وہ کہے گا۔ ''میرے پروردگار' آپ نے مجھے اپنا مال دیا تھا' میں لوگوں کے ساتھ خرید وفروخت کیا کرتا تھا اور میری عادت درگزر کرنے کی تھی۔ چنانچہ مالدار کے لئے آسانی پیدا کرتا اور تنگدست کو مہلت دیتا تھا۔''

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ''میں اس طرز عمل کا تم سے زیادہ مستحق ہوں'' پھر آپ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ''میرے اس بندے سے درگزر کرو۔'' (صحیح مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ لَهُ أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ.

جو شخص کسی تنگدست (مقروض) کو مہلت دے یا اس کو قرضے میں رعایت دے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عرش کے سائے میں رکھیں گے۔ جب کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (جامع ترمذی)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّنْجِيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ يَضَعْ عَنْهُ

جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی بے چینیوں سے اس کو نجات عطا فرمائے۔ اس کو چاہئے کہ وہ کسی تنگدست کی مشکل آسان کرے، یا اس کے قرضے میں رعایت دے۔ (صحیح مسلم) (آسان نیکیاں)

صلح کرادینا

اگر دو مسلمانوں کے درمیان کوئی تنازعہ ہو تو ان کے درمیان صلح کرا دینا بھی نہایت اجر وثواب کا کام ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

بلاشبہ تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں، لہٰذا اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ

پس اللہ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو۔

قرآن کریم کے ان ارشادات سے واضح ہے کہ دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دینا، اور ان کے تعلقات کی درستی کی کوشش کرنا کتنا نیک عمل ہے۔ اس غرض کے لئے دونوں کو ایک دوسرے کی ایسی باتیں پہنچانی چاہئیں جن سے ان کے درمیان آپس میں محبت پیدا ہو اور غلط

فہمیاں دور ہوں۔ یہاں تک کہ اس غرض کے لئے ایسی باتیں کہنا بھی جائز ہے جو بظاہر خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہوں مثلاً دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو ان میں سے کسی سے یہ کہہ دینا ''وہ شخص تو تمہارے لئے دعائے خیر کرتا ہے۔'' اور دل میں یہ نیت کر لینا کہ ''وہ تمام مسلمانوں کے لئے مغفرت کی عام دعا کرتا ہے' اور تمام مسلمانوں میں اس کا مد مقابل بھی داخل ہے۔ اسی قسم کی باتوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِيْ خَيْرًا أَوْ يَقُوْلُ خَيْرًا

وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان مصالحت کرائے' اور کوئی بھلائی کی بات دوسرے تک پہنچائے' یا کوئی بھلائی کا کلمہ کہے۔ (صحیح بخاری مسلم)

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

يَعْدِلُ بَيْنَ الاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ (کی طرح موجب ثواب) ہے۔ (بخاری و مسلم)

لوگوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا کرنا ایک شیطانی عمل ہے اور ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو کسی عمل سے اتنی خوشی نہیں ہوتی' جتنی دلوں میں پھوٹ ڈالنے سے خوشی ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ وہ اپنا سب سے بڑا کارنامہ اس کو سمجھتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دے۔

اس کے برخلاف اگر دو مسلمانوں کے درمیان' خاص طور سے میاں بیوی کے درمیان غلط فہمیاں دور کر کے ان کے تعلقات کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی جائے تو یہ انتہائی ثواب کا کام ہے۔

یہ بات خاص طور سے ان لوگوں کو یاد رکھنی چاہئے جو ایک ساتھ رہتے ہیں نیز ساس' بہو اور نند بھاوج کے درمیان ہمارے معاشرے میں جو تنازعات ہوتے ہیں وہ عموماً اسلام کی اس تعلیم کو نظر انداز کرنے سے ہوتے ہیں۔ اگر اس تعلیم پر عمل کیا جائے تو دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں۔ (آسان نیکیاں)

کسی کے عیب کی پردہ پوشی

اگر کسی مسلمان کے کسی عیب کا علم ہو جائے تو جب تک اس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو اس کی پردہ پوشی بھی بڑے ثواب کا کام ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لَا یَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِی الدُّنْیَا اِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

جو کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم کتاب البر والصلہ)

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ رَاٰی عَوْرَةً فَسَتَرَهَا' كَانَ كَمَنْ اَحْیَا مَوْءُ دَةً

جو شخص کسی کا کوئی عیب دیکھے' اور اسے چھپالے تو اس کا یہ عمل ایسا ہے جیسے کوئی زندہ درگور کی جانے والی لڑکی کو بچالے۔ (سنن ابی داؤد' کتاب الادب ومستدرک حاکم ص ۳۸۴ ج ۴)

''پردہ پوشی'' یا ''عیب چھپانے'' کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں سے اس کا ذکر نہ کرے اور اس عیب کی تشہیر نہ کرے۔ لیکن اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں یاد رکھنی ضروری ہیں۔

(۱) کسی کے عیب کو چھپانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اس عیب کے بارے میں سوال کرے تو اول تو جواب کو ٹالنے کی کوشش کرے اور اگر جواب دینا پڑ جائے تو کوئی بات خلاف واقعہ نہ کہے۔

(۲) کسی کے عیب کی پردہ پوشی اسی وقت جائز ہے جب اس عیب کا اثر اس شخص کی ذات کی حد تک محدود ہو' لیکن اگر اس سے کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو متعلقہ شخص کو اس عیب کے بارے میں بتا دینا جائز' بلکہ موجب ثواب ہے۔ بشرطیکہ نیت دوسرے کو نقصان سے بچانے کی ہو' رسوا کرنا مقصد نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص کی عادت ہے کہ وہ

لوگوں کا پیسہ دھوکہ سے لے کر کھا جاتا ہے یا قرض لے کر واپس کرنے کا اہتمام نہیں کرتا اور
ناواقف لوگ اس کے ساتھ معاملہ کر کے نقصان اٹھا سکتے ہیں، تو جن لوگوں کو نقصان پہنچنے کا
خطرہ ہو انہیں بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کہیں شادی کا پیغام دیا
ہے اور لڑکی والے اس کے حالات کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں تو انہیں صحیح صورتحال سے باخبر کر
دینا درست ہے۔ لیکن ان تمام صورتوں میں نیت انہیں نقصان سے بچانے کی ہونی چاہئے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس سے معاشرے میں
برائی پھیلنے کا اندیشہ ہے تو متعلقہ حکام کو اس سے باخبر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ باخبر
کرنا موجب ثواب ہے۔ بشرطیکہ نیت اصلاح معاشرہ کی ہو۔ مجرم سے ذاتی انتقام لینا یا
دشمنی نکالنا مقصود نہ ہو۔ (آسان نیکیاں)

خندہ پیشانی سے ملنا

خندہ پیشانی سے ملنے کی ترغیب اور اس پر ملنے والے اجر و
ثواب کا بیان دوسروں کو خوش رکھنے اور تکلیف سے بچانے
سے متعلق ضروری دینی تعلیمات

خندہ پیشانی سے ملنا سنت ہے

خندہ پیشانی سے پیش آنا خلق خدا کا حق ہے یہ ایک طویل حدیث ہے اور اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''باب الانبساط الی الناس'' کا عنوان قائم فرمایا ہے۔ یعنی لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اور لوگوں میں گھلے ملے رہنا۔ یہ کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الأدب المفرد'' کے نام سے لکھی ہے' اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جمع کی ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں میں اسلامی آداب سے متعلق ہیں اور ان آداب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے تلقین فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک ادب اور ایک سنت یہ ہے کہ مخلوق کے ساتھ گھلے ملے رہو اور ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔ (بخاری' کتاب التفسیر' سورۃ ۴۸' باب ۳)

اور یہ خلق خدا کا حق ہے کہ جب اللہ کے کسی بندے سے ملاقات ہو تو اس سے آدمی خندہ پیشانی سے ملے۔ اپنے آپ کو بہ تکلف تند خو اور سخت مزاج نہ بنائے کہ لوگ قریب آتے ہوئے وحشت کریں' خواہ اللہ پاک نے دین کا یا دنیا کا بڑے سے بڑا مقام یا منصب عطا فرمایا ہو' وہ اس مقام کی وجہ سے اپنے آپ کو لوگوں سے کٹ کر سخت مزاج نہ بن کر نہ بیٹھے بلکہ گھلا ملا رہے' یہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔

اس سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں کا اعتراض

وقالوا مال هذا الرسول يا كل الطعام و يمشي في الاسواق۔ (سورۃ الفرقان: ۷) اور کفار کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی پھرتا ہے۔ کفار سمجھتے تھے کہ بازاروں میں پھرنا منصب پیغمبری کے خلاف ہے۔ یہ اس وجہ سے سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو دیکھا تھا کہ جب وہ بادشاہت کے منصب پر فائز ہو جاتے تھے تو عوام سے کٹ کر بیٹھ جاتے تھے' عام آدمی کی طرح بازاروں میں نہیں آتے تھے' بلکہ خاص شاہانہ

شان وشوکت سے آتے تھے۔ تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ پیغمبری اتنا بڑا اور انچا مقام ہے کہ بادشاہت تو اس کے مقابلے میں گرد ہے۔ لیکن قرآن کریم نے ان کے اس خیال باطل کی تردید کی' اس لئے پیغمبر تو آتے ہی تمہاری اصلاح کے لئے ہیں' لہٰذا دنیا کا بھی ہر کام عام انسانوں میں گھل مل کر کرکے دکھاتے ہیں اور اس کے آداب اور اس کی شرائط بتاتے ہیں' نہ یہ کہ اپنے آپ کو عوام سے کاٹ کر ایک طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مقتدا (مقتدا کا مطلب ہوتا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اطاعت کرتے ہوں) بننے کے بعد لوگوں سے کٹ کر بیٹھ گیا اور اپنی شان بنالی تو اس کو اس طریق کی ہوا بھی نہیں لگی۔ فرمایا کہ ایک عام آدمی کی طرح رہو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رہا کرتے تھے۔

شفقت کا نرالا انداز

شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے سوق مناقہ (سوق مناقہ مدینہ منورہ کا ایک بازار تھا جو اب حرم شریف کی توسیع والے حصے میں شامل ہو گیا ہے' میں نے بھی کسی زمانے میں اس کی زیارت کی تھی) میں تشریف لے گئے' تو وہاں ایک دیہاتی تھے' حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' دیہات سے سامان لاکر شہر میں بیچا کرتے تھے' سیاہ رنگ تھا اور غریب آدمی تھے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چپکے سے ان کے پیچھے گئے اور ان کو کولی بھرلی اور ان کو پیچھے سے کمر سے پکڑ لیا پھر آواز لگائی کہ **من یشتری ھذا العبد منی** کون ہے جو مجھ سے یہ غلام خریدے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح فرمایا۔ جب حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز پہچان لی تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے ساتھ اور ملانے کی کوشش کی اور میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غلام کو فروخت کریں گے تو بہت کم پیسے ملیں گے اس لئے کہ سیاہ فام ہے اور معمولی درجے کا آدمی ہے۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں اے زاہر! اللہ کے ہاں تمہاری قیمت بہت زیادہ ہے۔ اس واقعہ سے اندازہ لگائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

6 بازار میں تشریف لے جا رہے ہیں اور کس طرح ایک معمولی درجے کے آدمی کے ساتھ مزاح فرما رہے ہیں۔ دیکھنے والا یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ کتنا اولوالعزم پیغمبر ہے کہ جس کے سامنے جبرئیل امین کے بھی پر جلتے ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

مفتی اعظم پاکستان کی سادگی اور تواضع

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے مطب میں بیٹھا ہوا تھا (حضرتؒ کا مطب اس وقت برنس روڈ پر ہوتا تھا، اور ہمارا گھر بھی اس زمانے میں اس کے قریب ہی ہوا کرتا تھا) دیکھا کہ مطب کے سامنے فٹ پاتھ پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ میں پتیلی لئے ہوئے ایک عام آدمی کی طرح جا رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مفتی اعظم پاکستان جس کے چار دانگ عالم میں علم و فضل اور تقویٰ کے گن گائے جاتے ہیں، وہ اس طرح ایک عام آدمی کی طرح ہاتھ میں پتیلی لے کر پھر رہا ہے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کیا ان کو دیکھ کر کوئی پہچان سکتا ہے کہ یہ مفتی اعظم پاکستان ہیں؟

پھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ خاص تعلق عطا فرما دیتے ہیں وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں کے ساتھ اس طرح گھلا ملا کر رکھتا ہے کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کس مقام کے آدمی ہیں۔ اور یہی سنت ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، نہ یہ کہ آدمی اپنی شان بنا کر رکھے اور لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے میں تکلف سے کام لے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد قباء کی طرف عامیانہ چال

ایک مرتبہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدل چل کر ایسے ہی دوستانہ ملاقات کے لئے حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے جو مسجد قباء کے قریب رہتے تھے، تقریباً تین میل کا فاصلہ ہے۔ ان کے گھر کے دروازے پر جا کر تین دفعہ آواز دی، شاید وہ صحابی کسی ایسی حالت میں تھے کہ جواب نہیں دے سکتے تھے، تو قرآن پاک کے حکم کے مطابق ''واذا قیل لکم ارجعوا فارجعوا۔

جب تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس مسجد نبوی ﷺ تشریف لے آئے۔ کوئی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔ دوست سے ملنے گئے تھے، اپنی طرف سے دوستی کا حق ادا کیا، نہیں ہوئی ملاقات، واپس تشریف لے آئے۔ بعد میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ دوڑتے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور فداء ہونے لگے کہ میری کیا حیثیت کہ آپ میرے در پہ تشریف لائے۔

شاید یہ مشکل ترین سنّت ہو

ویسے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری سنّتیں ایسی ہیں کہ ہر سنت پہ انسان قربان ہو جائے لیکن ایک سنت ترمذی شریف کی ایک روایت میں آئی ہے، میں سمجھتا ہوں شاید اس پر عمل کرنا مشکل ترین کام ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اس سے چہرہ نہیں پھیرتے تھے جب تک کہ وہ خود ہی چہرہ نہ پھیر لے، اپنی طرف سے بات کاٹتے نہیں تھے۔ کہنے کو آسان بات ہے، اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب سینکڑوں آدمی رجوع کرتے ہوں، کوئی مسئلہ پوچھ رہا ہے، کوئی اپنی مشکل بیان کر رہا ہے، تو آدمی کا دل چاہتا ہے کہ میں جلدی جلدی ان سے نمٹ جاؤں۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جب بولنے پر آجائیں تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتے، تو ان کے ساتھ یہ معاملہ کرنا کہ جب تک وہ نہ رک جائے اس وقت تک اس سے نہ ہٹے، یہ بہت زیادہ مشکل کام ہے۔ لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو جہاد میں بھی مشغول ہیں، تبلیغ میں بھی مصروف ہیں، تعلیم میں بھی مصروف ہیں، جو پوری دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، ایک بڑھیا بھی راستہ میں پکڑ کر کھڑی ہو جاتی ہے تو اس وقت تک اس سے نہیں پھرتے جب تک کہ پوری طرح اس کو مطمئن نہیں کر دیتے۔

مخلوق سے محبت کرنا، حقیقتاً اللہ سے محبت کرنا ہے

یہ صفت انسان کے اندر اس وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ جب مخلوق کے ساتھ اس وجہ سے محبت ہو

کہ یہ میرے اللہ کی مخلوق ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے کیا محبت کرو گے اللہ کی ذات کو نہ دیکھا نہ سمجھا نہ اس کو تم تصور میں لا سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے محبت ہے تو میری مخلوق سے محبت کرو اور میری مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک عکس تمہاری زندگی میں آ جائے گا' یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ باب قائم کر رہے ہیں۔ "باب الانبساط الی الناس" کہ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اور ان کے ساتھ گھلا ملا رہنا اور اس طرح رہنا "کاحد من الناس" جیسے ایک عام آدمی ہوتا ہے' یعنی اپنا کوئی امتیاز پیدا نہ کرنا' یہ مقصود ہے اس باب کا۔ اس میں حدیث نقل کی ہے حضرت عطاء ابن یسار تابعی رحمۃ اللہ علیہ کی' وہ کہتے ہیں کہ میری ملاقات ہوئی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کی امتیازی خصوصیات:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں' اور ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جو اپنی کثرت عبادت میں مشہور تھے' بہت عابد و زاہد بزرگ تھے۔ اور انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث بھی کثیر تعداد میں روایت کی ہیں۔ ایک خصوصیت ان کی یہ ہے کہ انہوں نے توراۃ' زبور' انجیل کا علم بھی کسی ذریعہ سے حاصل کیا ہوا تھا حالانکہ یہ کتابیں ایسی ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اس میں بہت تحریفیں کر دی ہیں اور اپنی اصلی حالت میں برقرار نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کو اس نقطہ نظر سے پڑھنا تاکہ ان کی حقیقت معلوم ہو اور یہودیوں اور عیسائیوں کو تبلیغ کرنے میں مدد ملے تو پڑھنے کی اجازت ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کچھ توراۃ یہودیوں سے پڑھی ہوئی تھی۔

توراۃ میں اب بھی کتاب اللہ کا نور جھلکتا ہے:

توراۃ اگرچہ مکمل طور پر پہلے کی طرح نہیں ہے' یہودیوں نے اس میں بہت زیادہ تحریفات کر دی ہیں' بہت سے حصے حذف کر دیے ہیں' نئے اضافے کر دیئے' الفاظ کو بدل دیا' لیکن اس کے باوجود کہیں کہیں پھر بھی کتاب اللہ کا نور جھلکتا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں اب بھی جناب نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات موجود ہیں' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو اور زیادہ واضح تھیں۔ اسی وجہ سے قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔

اس لئے تورات میں جو علامتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان ہوئی تھیں کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ایسی صفات کے حامل ہوں گے' ایسا ان کا حلیہ ہوگا اس خاندان کے ہوں گے' اس شہر میں ہوں گے' یہ ساری تفصیل مذکور تھی۔ تو جو یہودی ان کتابوں کے عالم تھے وہ اپنی آنکھوں سے وہ علامتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتے تھے کہ پائی جارہی ہیں' مگر اپنی ضد اور ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے مانتے نہیں تھے تو حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میری ملاقات حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص؄ سے ہوئی تو میں نے ان سے کہا کہ آپ نے تورات پڑھی ہے' تورات میں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات مذکور ہیں وہ ہمیں بتلائیں۔

بائبل سے قرآن تک:

یہ کتابیں ان لوگوں نے اتنی بگاڑ دی ہیں اس کے باوجود اس میں بعض ٹکڑے ایسے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قرآن کریم کا ترجمہ ہے۔ ان کی مشہور کتاب بائبل جس کو ''کتاب مقدس'' بھی کہتے ہیں' اس کو یہودی بھی مانتے ہیں اور عیسائی بھی مانتے ہیں' اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں آج بھی موجود ہیں۔ مجھے تورات کا ایک جملہ یاد آگیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ: ''جو فاران سے طلوع ہوگا۔ سلاح میں بسنے والے گیت گائیں گے' قیدار کی بستیاں حمد کریں گی۔'' فاران نام ہے اس پہاڑ کا جس پر غارِ حرا واقع ہے۔ ''سلاح'' کا نام ہے اس پہاڑ کا جس کا ایک حصہ ثنیۃ الوداع ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس پر بچیوں نے کھڑے ہو کر یہ ترانے پڑھے تھے کہ: طلع البدر علینا من ثنیات الوداع۔ اور قیدار نام ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا' اور ان کی بستیاں عرب میں آباد ہیں' ان کی طرف اشارہ ہے کہ جب ان کی اولاد میں نبی آخرالزمان پیدا ہوں گے تو ان کی بستیاں حمد کریں گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات توراۃ میں بھی موجود ہیں:

بہرحال، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ: ہاں میں بتاتا ہوں۔ واللّٰہ انه لموصوف فی التوراة ببعض صفته فی القرآن۔ اللہ کی قسم حضور علیہ السلام کی بعض صفات توراۃ میں ایسی مذکور ہیں جو کہ قرآن پاک میں بھی مذکور ہیں۔ پھر انہوں نے قرآن پاک کی آیت تلاوت فرمائی۔ یایها النبی انا ارسلنک شاهداً و مبشراً و نذیراً۔ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ و مبشراً: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو جنت کی خوشخبری دینے والے ہوں گے۔ و نذیراً: اور جہنم سے ڈرانے والے ہوں گے۔ یہ آیت قرآن کریم کی تلاوت فرمائی، پھر آگے توراۃ کی عبارت پڑھ کر سنائی کہ: و حرزاً للامیین یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ لوگوں کے واسطے نجات دہندہ بن کر آئیں گے۔ اُمی کا لفظ خاص طور سے لقب کے طور پر عربوں کے لئے بولا جاتا تھا، اس لئے کہ ان کے ہاں لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا تو یہ توراۃ میں تھا کہ امیوں کے لئے نجات دہندہ بن کر آئیں گے۔ آگے فرمایا: و انت عبدی و رسولی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت توراۃ میں فرما رہے ہیں کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! تم میرے بندے ہو اور پیغمبر ہو۔ و سمیتک المتوکل۔ اور میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے والا آگے صفات بیان فرمائیں کہ وہ نبی کیسا ہوگا؟ فرمایا: لیس بفظ و لا غلیظ۔ وہ نہ تو سخت گو ہوگا اور نہ سخت طبیعت والا ہوگا۔ فظ کے معنی ہیں جس کی باتوں میں سختی ہو، کرختگی ہو۔ و لا سخاب فی الاسواق۔ اور نہ بازاروں میں شور مچانے والا ہوگا۔ و لا یدفع السیئة بالسیئة۔ اور وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا۔ و لکن یعفوا و یصفح۔ لیکن وہ معاف کرنے والا اور درگزر کرتے والا ہوگا۔ و لن یقبضه اللّٰه تعالیٰ حتی یقیم به الملة العوجاء بان یقولوا لا اله الا اللّٰه۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کو اپنے پاس نہیں بلائیں گے جب تک کہ اس ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہ کردے، اس طرح کہ وہ کہہ دیں: لا اله الا اللّٰه۔

ویفتح بھا اعینا عمیا واذانا صماً و قلوبا غلفا۔ اور اس کلمہ توحید کے ذریعے ان کی اندھی آنکھیں کھول دے گا اور بہرے کان کھول دے گا' اور وہ دل جن کے اوپر پردے پڑے ہوئے ہیں وہ ان کے ذریعے کھل جائیں گے۔ اور یہ صفات تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ توراۃ میں آج بھی موجود ہیں۔

توراۃ کی عبرانی زبان میں آپ علیہ السلام کی صفات:

چونکہ محاورے ہر زبان کے مختلف ہوتے ہیں' تو اصل توراۃ عربانی زبان میں تھی' اس کا ترجمہ جب اردو میں کرتے ہیں تو اس طرح کرتے ہیں کہ: وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا' ٹمٹماتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا۔ اور عربانی زبان کے محاورے میں ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ: وہ کسی برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا اور عفو و درگزر سے کام لے گا اور اس کے آگے پتھر کے بت اوندھے منہ گریں گے۔ اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ فتح کیا تو پتھر کے بت جو خانہ کعبہ میں نصب تھے وہ اوندھے منہ گرے' یہ ساری تفصیل آئی ہے۔ میں نے جو "اظہار الحق" کا ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" کے نام سے کیا ہے اس کی تیسری جلد کا چھٹا باب انہی بشارتوں پر مشتمل ہے۔ میں نے دو کالم بنا کر ایک کالم میں بائبل کی عبارت دوسرے کالم میں وہ احادیث لکھی ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات آئی ہیں' پھر ان کو موازنہ کر کے دکھایا کہ بائبل میں یہ آیا ہے اور قرآن کریم میں یا حدیث میں یہ آیا ہے۔ تو اتنی تحریفات کے باوجود آج بھی یہ صفات بائبل میں باقی ہیں۔

حدیثِ مذکورہ سے امام بخاریؒ کی غرض:

لیکن جب غرض سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث لے کر آئے ہیں وہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حالات پچھلی کتابوں میں بیان ہوئے وہ کیا تھے اور اس پیشین گوئی میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی صفات ہیں اور سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں وہ کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرخت نہیں ہیں اور ترش مزاج نہیں ہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔

یہ سنت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے شریعت میں اجازت دی ہے کہ اگر کسی شخص نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے تو جتنی برائی کی ہے اتنا بدلہ لے سکتے ہو‘ ایک طمانچہ مارا ہے تو تم بھی اتنے ہی زور سے ایک طمانچہ مار سکتے ہو‘ جتنا زور سے اس نے مارا‘ اس سے کم وبیش نہ ہو۔ اس کی اجازت ہے لیکن اجازت ہونا اور بات ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہونا اور بات ہے۔ آپ نے ساری عمر کبھی کسی شخص سے اپنی ذات کا بدلہ نہیں لیا۔

برائی کا جواب حسنِ سلوک سے دینا:

یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عظیم الشان سنت ہے۔ ہم نے سنتوں کو چند ظاہری سنتوں کی حد تک محدود کر لیا ہے۔ مثلاً سنت ہے کہ مسواک کرنا چاہئے‘ داڑھی رکھنی چاہئے‘ اور ظاہری وضع قطع سنت کے مطابق کرنی چاہئے۔ یہ سب سنتیں ہیں۔ ان کی اہمیت سے بھی جو انکار کرے وہ سنتوں سے ناواقف ہے لیکن سنتیں اس حد تک محدود نہیں‘ عام تعلقات اور معاملات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طرز عمل تھا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ایک بہت بڑا حصہ ہے اور جس اہتمام کے ساتھ دوسری سنتوں پر عمل کرنے کا دل میں داعیہ پیدا ہوتا ہے‘ اس سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ اس سنت پر عمل کرنے کی فکر کرنی چاہئے کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں‘ بلکہ برائی کا بدلہ حسنِ سلوک سے دیں‘ سنت کے مطابق اچھائی سے دیں۔ اب ذرا ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم اس سنت پہ کتنا عمل کر رہے ہیں؟ ہمارے ساتھ اگر کسی نے برائی کی ہے تو کتنا انتقام کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے اور کتنی اس کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں؟ اگر غور کرو تو معاشرے کے فساد کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو چھوڑ دیا ہے ہماری سوچ یہ ہوتی ہے کہ اس نے چونکہ میرے ساتھ برائی کی ہے‘ میں بھی اس سے برائی کروں گا‘ اس نے مجھے گالی دی ہے میں بھی دوں گا‘ اس نے مجھے میری شادی پر کیا تحفہ دیا تھا تو میں بھی اتنا ہی دوں گا‘ اور اس نے شادی پر تحفہ نہیں دیا تھا تو میں بھی نہیں دوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سب کچھ بدلہ کرنے کے لئے ہو رہا ہے‘ بدلہ کرنے والا درحقیقت صلہ رحمی

کرنے والا نہیں ہوتا۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ: لیس الواصل بالمکافی، ولکن الواصل من اذا قطعت رحمه و صلها۔ (بخاری، کتاب الادب باب لیس الواصل بالمکافی) یعنی حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ دوسرا تو قطع رحمی کر رہا ہے اور رشتہ داری کے حقوق ادا نہیں کر رہا ہے اور یہ جواب میں قطع رحمی کرنے کی بجائے اس کے ساتھ اچھا معاملہ کر رہا ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب واقعہ:

ایک دن حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر پر متوسلین اور خدام وغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک صاحب آئے جو حضرت کے کوئی رشتہ دار تھے، داڑھی مونچھ صاف، عام آدمیوں کی طرح تھے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی گالیاں دینا شروع کر دیں، انتہائی بے ادبانہ لہجے میں جتنے الفاظ برائی کے ان کے منہ میں آئے کہتے ہی گئے۔ آگے سے حضرت ان کی ہر بات پہ کہہ رہے ہیں کہ بھائی ہم سے غلطی ہوگئی ہے، تم ہمیں معاف کردو، ہم انشاء اللہ تلافی کر دیں گے، تمہارے پاؤں پکڑتے ہیں، معاف کردو۔ بہرحال، ان صاحب کا اس قدر شدید غصے کا عالم کہ دیکھنے والے کو بھی برداشت نہ ہو، بالآخر ٹھنڈے ہوگئے۔ بعد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اس اللہ کے بندے کو کوئی غلط اطلاع مل گئی تھی، اس وجہ سے ان کو غصہ آ گیا تھا، اگر میں چاہتا تو ان کو جواب دے سکتا تھا اور بدلہ لے سکتا تھا، لیکن اس واسطے میں نے اس کو ٹھنڈا کیا کہ بہرحال یہ رشتہ دار ہے اور رشتہ داروں کے بھی حقوق ہوتے ہیں، تو رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلق کر لینا آسان ہے، لیکن تعلق جوڑ کر رکھنا یہ درحقیقت تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، اور یہ ہے کہ لایدفع السیئة بالسیئة کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ پیار سے، محبت سے، شفقت سے اور خیرخواہی سے دو۔

مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، عجیب ولی اللہ بزرگ تھے، دارالعلوم میں مہتمم کے معنی گویا کہ سب سے بڑے عہدے پر فائز، حضرت نے

ایک گائے پال رکھی تھی' ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اس کو لے کر آرہے تھے کہ راستے میں مدرسے کا کوئی کام آ گیا' اسی طرح مدرسہ آئے اور گائے مدرسے کے صحن میں درخت کے ساتھ باندھ کر دفتر میں چلے گئے۔ وہاں دیوبند کے ایک صاحب آئے اور چیخنا شروع کر دیا کہ یہ گائے کس کی بندھی ہے؟ لوگوں نے بتایا مہتمم صاحب کی ہے' تو کہنے لگے اچھا! مدرسہ مہتمم کا کھیلا بن گیا' ان کی گائے کا باڑا بن گیا' اور مہتمم صاحب مدرسے کو اس طرح کھا رہے ہیں کہ مدرسے کے صحن کو انہوں نے اپنی گائے کا باڑا بنا لیا ہے۔ شور سن کر وہاں ایک مجمع اکٹھا ہو گیا' اب سراسر الزام سراسر ناانصافی ' حضرت وہاں کام کر رہے تھے' اندر آواز آئی تو باہر نکلے کہ کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ صاحب ناراض ہو رہے ہیں کہ مہتمم صاحب نے یہاں گائے باندھ دی' کہنے لگے کہ ہاں واقعی یہ مدرسہ ہے اللہ کا' مجھے گائے یہاں نہیں باندھنی چاہئے تھی' یہ گائے میری ذاتی ہے اور یہ صحن مدرسہ کا ہے' مجھ سے غلطی ہو گئی' میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں' اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ میرا دل چاہ رہا ہے کہ یہ گائے آپ ہی لے جاؤ۔ وہ بھی اللہ کا بندہ ایسا تھا کہ لے کر چلتا بنا۔

اب آپ دیکھئے کہ سراسر ناانصافی اور ظلم ہے' اتنے بڑے ولی اللہ اور اتنے بڑے خادم دین کے اوپر ایک معمولی آدمی اتنی گرمی دکھا رہا ہے سب لوگوں کے سامنے بجائے اس کے کہ اس کو بدلہ دیا جاتا' گائے بھی اسی کو دے دی۔ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور لا یدفع السیئۃ بالسیئۃ پر عمل۔

آپ کی ساری سنتوں پر عمل ضروری ہے:

درحقیقت سنت صرف یہ نہیں ہے کہ آسان آسان سنتوں پر عمل کر لیا جائے بلکہ ہر ایک سنت پر عمل کی فکر کرنی چاہئے۔ اور انسان اس سنت کے جتنا قریب ہوگا اتنا ہی معاشرے کا فساد ختم ہوگا' غور کر کے دیکھ لو اور تجربہ کر کے دیکھ لو کہ جو بگاڑ پھیلا ہوا ہے وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے دور ہونے کا نتیجہ ہے۔ ولکن یعفو ویصفح۔ لیکن وہ معاف فرما دیتے ہیں اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔ کوئی کچھ بھی کہہ دے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جواب نہیں دیتے۔ اور جو اللہ کے ولی ہوتے ہیں وہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوتے ہیں اور ان کا طریقہ بھی یہی ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کا کچھ حصہ ہم کو بھی عطا فرما دے۔ یہ سب کچھ اس لئے عرض کیا جاتا ہے کہ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں' معلوم نہیں ہم کہاں چلے گئے ہیں' کس وادی میں بھٹک رہے ہیں' یہاں بیٹھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا کم از کم تھوڑی دیر دھیان ہو تو شاید دلوں میں کچھ داعیہ پیدا ہو جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کی عادت ڈالو' اس کے لئے خون کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں' اس کے لئے مشق کرنی پڑتی ہے' دل پر جبر کرنا پڑتا ہے دل پر پتھر رکھنے پڑتے ہیں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی منزل کی طرف جانا ہے تو یہ کڑوے گھونٹ پینے پڑیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ گھونٹ:

حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی گھونٹ جو انسان پیتا ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ کو اتنا پسند نہیں جتنا کہ غصے کا گھونٹ پینا۔ (مسند احمد' ج ا ص ۳۲۷) یعنی جب غصہ آ رہا ہو اور غصے میں آدمی آپے سے باہر ہو رہا ہو اور اس میں اندیشہ ہو کہ وہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا دے گا' اس وقت غصے کے گھونٹ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پی جانا اور اس کے تقاضے پر عمل نہ کرنا' یہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے۔ **والکظمین الغیظ والعافین عن الناس**۔ (آل عمران' آیت ۱۳۴) قرآن نے ایسی ہی مدح فرمائی ہے ایسے لوگوں کی کہ جب بھی غصہ آئے اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں تو ٹھیک ہے تمہیں شریعت نے جائز حدود میں بدلہ لینے کا حق دیا ہے لیکن یہ دیکھو کہ بدلہ لینے سے تمہیں کیا فائدہ؟ فرض کرو ایک شخص نے تمہیں طمانچہ مار دیا تو اگر تم بدلہ لینے کے لئے ایک طمانچہ اس کے مار دو تو تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اگر تم نے اس کو معاف کر دیا اور یہ کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے اس کو معاف کرتا ہوں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں صابرین کا اجر:

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ: **انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب**۔ (سورۃ

الزمر' آیت نمبر۱۰) بے شک صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔
اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں کو معاف کرنے کا عادی ہو' اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اس نے میرے بندوں کو معاف کیا تھا' تو میں اس کو معاف کرنے کا زیادہ حق دار ہوں' تو اس کی خطائیں بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

عفو و صبر کا مثالی واقعہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں دو آدمی آپس میں لڑے' لڑائی میں ایک کا دانت ٹوٹ گیا' جس کا دانت ٹوٹا وہ شخص اس کو پکڑ کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا اور کہا کہ دانت کا بدلہ دانت ہوتا ہے' لہٰذا قصاص دلوائیے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تمہیں حق ہے لیکن کیا فائدہ' تمہارا دانت تو ٹوٹ ہی گیا' اس کا بھی توڑیں' اس کی بجائے تم دانت کی دیت لے لو' دیت پر صلح کر لو۔ وہ شخص کہنے لگا کہ میں دانت ہی توڑوں گا' حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ اس کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پھر چلو' اس کا بھی دانت توڑتے ہیں۔

راستے میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے' بڑے درجے کے مشہور صحابی ہیں' انہوں نے کہا کہ بھئی دیکھو! تم قصاص تو لے رہے ہو مگر ایک بات تو سنتے جاؤ' میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو تکلیف پہنچائے اور پھر جس کو تکلیف پہنچی ہے وہ اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت معاف فرمائیں گے جبکہ اس کو معافی کی سب سے زیادہ حاجت ہوگی' یعنی آخرت میں۔ تو یہ شخص یا تو اتنے غصے میں آیا تھا کہ پیسے لینے پر بھی راضی نہیں تھا جب یہ بات سنی تو کہا کہ:
أأنت سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ کیا آپ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں نے سنی ہے اور میرے ان کانوں نے سنی ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے یہ بات فرمائی ہے تو جاؤ اس کو بغیر کسی پیسے کے معاف کرتا ہوں' چنانچہ معاف کر دیا۔

ہم میں اور صحابہ کرامؓ میں فرق

احادیث ہم بھی سنتے ہیں اور وہ حضرات بھی سنتے تھے لیکن ان کا حال یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کا ارشاد کان میں پڑا تو بڑے سے بڑا قصد وارادہ بڑے سے بڑا منصوبہ اس ارشاد کے آگے ایک پل میں ڈھیر کر دیا۔ ہم صبح سے شام تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں لیکن ان پر عمل کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس پڑھنے اور سننے کے نتیجے میں ہماری زندگی میں کوئی انقلاب نہیں آتا لیکن صحابہ کرامؓ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں بھی عزت دی تھی اور آخرت میں بھی انشاء اللہ ان کا عظیم مقام ہوگا۔

مذکورہ حدیث کا آخری ٹکڑا

اس میں دوسری بات آگے یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک اپنے پاس نہیں بلائیں گے جب تک کہ اس ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہ کرلیں۔ ٹیڑھی قوم سے مراد بت پرستوں والی عرب قوم' کہ ان کے اندر شرک تو تھا ہی اور دماغ میں یہ خناس بھی تھا کہ ہم ساری مخلوق سے برتر ہیں' اپنے آپ کو خدا جانے کیا کچھ سمجھتے تھے' ان کو سیدھا کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ چنانچہ ۲۳ سال کی مدت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پورے جزیرہ عرب پر لا الٰہ الا اللہ کی حکومت قائم فرمادی۔ اور آگے فرمایا کہ: یفتح بھا اعینا عمیاً۔ اس کلمہ توحید کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھولے گا اور ان کے دلوں کے پردوں کو ہٹائے گا۔ یہ سب الفاظ توراۃ کے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے بارے میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(وعظ خندہ پیشانی سے ملنا سنت ہے از اصلاحی خطبات جلد ۱۲)

خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی

لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس پر بھی اجر ملتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَّلَوْاَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ

نیکی کے کسی کام کو حقیر نہ سمجھو خواہ وہ نیک کام یہ ہو کہ تم اپنے بھائی سے کھلے ہوئے چہرے (خندہ پیشانی) سے ملو۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے کو ایک نیکی قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اس نیکی کو کوئی معمولی یا حقیر نیکی نہ سمجھو۔ مطلب یہ ہے کہ اس پر بھی تمہارے نامۂ اعمال میں بڑے ثواب کا اضافہ ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَامِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْعَبْدِالْمُؤْمِنْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَاِنَّ اللّٰهَ یَبْغَضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ

قیامت کے دن مومن بندے کی میزان میں کوئی چیز خوش خلقی سے زیادہ وزنی نہیں ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ فحش گو اور بے ہودہ گو شخص کو سخت ناپسند فرماتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ انسانوں کو جنت میں داخل کرنے والی چیز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "تقویٰ اور خوش اخلاقی"۔ (جامع ترمذی)

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

ارشاد نقل فرماتے ہیں:۔

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَاناً اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا

تمام مومنوں میں کامل ترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔ (ترمذی)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ خُلُقِہٖ دَرَجَۃَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ

مومن اپنے حسن اخلاق سے اس شخص کے درجے تک پہنچ جاتا ہے جو روزہ دار اور نماز میں کھڑا رہنے والا ہو (یعنی نفلی روزے بہت رکھتا ہو اور نفلی نمازیں بہت پڑھتا ہو) (ابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا

تم میں سے جو لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور جو قیامت کے دن مجلس میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے، وہ لوگ ہیں جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔ (ترمذی)

ان تمام احادیث میں جس خوش اخلاقی کی عظیم فضیلتیں بیان کی گئی ہیں وہ اگرچہ ایک وسیع مفہوم رکھتی ہیں لیکن دوسروں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اس کا ایک اہم حصہ ہے اور اس پر بھی یہ فضائل صادق آتے ہیں۔ (آسان نیکیاں)

دوسروں کو خوش کیجئے

عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: احب الاعمال الی الله سرور یدخله علیٰ مسلم (المعجم الکبیر)

تمہید

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اعمال اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں ان اعمال میں سے ایک عمل کسی مؤمن کے دل میں خوشی داخل کرنا اور اس کو خوشی سے ہم کنار کرنا ہے۔ اس حدیث کی سند اگرچہ کمزور ہے مگر اس حدیث کا مضمون دوسری احادیث اور دلائل سے بھی ثابت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اور اپنے قول و فعل کے ذریعہ یہ بات واضح فرمائی ہے کہ کسی بھی صاحب ایمان کو خوش کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

میرے بندوں کو خوش رکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اللہ جل جلالہ جواب میں زبان حال سے گویا یوں فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو میں تو تمہارے ساتھ دنیا میں ملنے والا نہیں ہوں کہ تم کسی وقت مجھ سے ملاقات کر کے اپنی محبت کا اظہار کرو۔ لیکن اگر تم کو میرے ساتھ محبت ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ میرے بندوں کے ساتھ محبت کرو میری مخلوق سے محبت کرو اور میری مخلوق سے محبت کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو حتی الامکان خوش کرنے کی اور خوش رکھنے کی کوشش کرو۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

اس بارے میں ہمارے معاشرے میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ اعتدال نہیں ہے۔ کچھ لوگ تو وہ ہیں جو کسی دوسرے مسلمان کو خوش کرنے کی کوئی اہمیت ہی نہیں سمجھتے اور ان کو یہ بھی نہیں

معلوم کہ یہ کتنی بڑی عبادت ہے۔ کسی بھی مسلمان کو خوش کر دیا یا کسی انسان کو خوش کر دیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر کتنا اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں اس کا ہمیں احساس ہی نہیں۔ بزرگوں نے فرمایا کہ

دل بدست آور کہ حج اکبر است

یعنی کسی مسلمان کا دل ہاتھ میں لے لینا یعنی اس کے دل کو خوش کر دینا یہ حج اکبر ہے۔ بزرگوں نے ویسے ہی اس کو حج اکبر نہیں کہہ دیا بلکہ کسی مسلمان کے دل کو خوش کر دینا یقیناً اللہ تعالیٰ کے محبوب اعمال میں سے ہے۔

دوسروں کو خوش کرنے کا نتیجہ

ذرا اس بات کو سوچیں کہ اگر اس حدیث کی تعلیم پر ہم سب عمل کرنے لگیں اور ہر انسان اس بات کی فکر کرے کہ میں کسی دوسرے کو خوش کر دوں تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے کوئی جھگڑا باقی نہ رہے پھر کوئی حسد باقی نہ رہے اور کسی بھی شخص کو دوسرے سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ لہٰذا اہتمام کر کے دوسرے کو خوش کرو تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر اور قربانی دے کر دوسروں کو خوش کرو اگر تم تھوڑی سی تکلیف اٹھا لو گے اور اس کے نتیجے میں دوسرے کو راحت اور خوشی مل جائے گی تو دنیا میں چند لمحوں اور چند منٹوں کی جو تکلیف اٹھائی ہے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ آخرت میں جو ثواب تمہیں عطا فرمائیں گے وہ دنیا کی اس معمولی سی تکلیف کے مقابلے میں کہیں زیادہ عظیم ہے۔

خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا ''صدقہ'' ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں کہ یہ عمل بھی صدقہ ہے فلاں عمل بھی صدقہ ہے فلاں عمل بھی صدقہ ہے اور صدقہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل پر ایسا ہی ثواب ہے جیسے صدقہ کرنے کا ثواب ہے پھر اسی حدیث کے آخر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وان تلقی اخاک بوجہ طلق

یعنی ایک صدقہ یہ ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ شگفتہ اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملو۔ جب تم کسی سے ملاقات کرو تو تم کو یہ احساس ہو کہ تمہاری ملاقات سے اس کو خوشی ہوئی ہے اور اس ملاقات سے اس کے دل میں ٹھنڈک محسوس ہو۔ اس کو صدقہ کرنے میں شمار فرمایا ہے۔

7 لہٰذا جو لوگ دوسروں سے ملاقات کے وقت اور برتاؤ کے وقت لئے دیئے رہتے ہیں اور وقار کے پردے میں اپنے آپ کو ریزرو رکھتے ہیں وہ لوگ سنت طریقہ پر عمل نہیں کرتے سنت طریقہ یہ ہے کہ جب اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو وہ خوش خلقی کے ساتھ شگفتگی کے ساتھ ملے اور اس کو خوش کرنے کی کوشش کرے۔

گناہ کے ذریعے دوسروں کو خوش نہ کریں

دوسری طرف بعض لوگوں میں یہ بے اعتدالی پائی جاتی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ دوسرے مسلمان کو خوش کرنا بڑی عبادت ہے لہٰذا ہم تو یہ عبادت کرتے ہیں کہ دوسروں کو خوش کرتے ہیں چاہے وہ خوش کرنا کسی گناہ کے ذریعہ ہو یا کسی ناجائز کام کے ذریعہ ہو جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ دیا کہ دوسروں کو خوش کرو تو ہم یہ عبادت انجام دے رہے ہیں حالانکہ یہ گمراہی کی بات ہے اس لئے کہ دوسروں کو خوش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مباح اور جائز طریقے سے خوش کرو اب اگر ناجائز طریقے سے دوسروں کو خوش کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کو تو ناراض کر دیا اور بندے کو خوش کر دیا یہ کوئی عبادت نہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے کی مروت میں آ کر یا اس کے تعلقات سے مرعوب ہو کر گناہ کا ارتکاب کر لیا تو یہ کوئی دین نہیں' یہ کوئی عبادت نہیں۔

فیضی شاعر کا واقعہ

اکبر بادشاہ کے زمانے میں ''فیضی'' بہت بڑے ادیب اور شاعر گزرے ہیں ایک مرتبہ وہ حجام سے داڑھی منڈوا رہے تھے ایک صاحب ان کے پاس سے گزرے انہوں نے جب دیکھا کہ فیضی صاحب داڑھی منڈوا رہے ہیں تو ان سے کہ

آغا! ریش می تراشی؟

''جناب! آپ یہ داڑھی منڈوا رہے ہیں؟''

جواب میں فیضی نے کہا

''بلے! ریش می تراشم و لے دلے کسے نمی خراشم''

''جی ہاں! داڑھی تو منڈوا رہا ہوں لیکن کسی کا دل نہیں دکھا رہا ہوں''۔

مطلب یہ تھا کہ میرا عمل میرے ساتھ ہے اور میں کسی کی دل آزاری نہیں کر رہا ہوں اور تم نے جو میرے اس عمل پر مجھے ٹوکا تو اس کے ذریعہ تم نے میرا دل دکھایا۔ اس پر ان صاحب نے جواب میں کہا کہ:

''دلے کسی نمی خراشی دلے دلے رسول اللہ می خراشی (صلی اللہ علیہ وسلم)''۔

یعنی جو یہ کہہ رہے ہو کہ میں کسی کا دل نہیں دکھا رہا ہوں۔ ارے اس عمل کے ذریعہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھا رہے ہو۔

اللہ والے دوسروں کو خوش رکھتے ہیں

لہٰذا بعض لوگوں کے ذہن میں بھی اور زبان پر بھی یہ بات رہتی ہے کہ ہم تو دوسرے لوگوں کا دل خوش کرتے ہیں اور اب دوسروں کا دل خوش کرنے کے لئے کسی گناہ کا ارتکاب بھی کرنا پڑا تو کر گزریں گے۔ بھائی! اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو پامال کر کے کسی انسان کا دل خوش کیا تو کیا خوش کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو ناراض کر دیا۔ یہ تو کوئی عبادت نہیں ہے اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ جو جائز امور ہیں ان میں مسلمانوں کو خوش کرنے کی فکر کرو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''یہ معمول صوفیاء کا مثل طبعی کے ہے''۔

یعنی صوفیاء کرام جو اللہ کے دوست اور اللہ کے ولی ہوتے ہیں ہر مسلمان کو خوش کرنے کی فکر ان کی طبیعت بن جاتی ہے ان کے پاس آ کر آدمی ہمیشہ خوش ہو کر جاتا ہے ملول ہو کر نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے ان کو اس سنت پر عمل کی توفیق ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو خوش کرتے ہیں۔ پھر آگے فرمایا کہ:

خود گناہ میں مبتلا نہ ہو

''اس کی ایک شرط ہے وہ یہ کہ اس سرور کو داخل کرنے سے خود شرور میں داخل نہ ہو جائے''۔

یعنی دوسروں کا تو دل خوش کر رہا ہے اور اس کو سرور دینے کی فکر میں ہے لیکن اس کے نتیجے میں خود شرور میں یعنی معاصی اور گناہ میں داخل ہو گیا یہ نہ کرے۔ آگے فرمایا۔

''جیسا ان لوگوں کا طریقہ ہے جنہوں نے اپنے مسلک کا لقب ''صلح کل'' رکھا ہوا ہے''۔

یعنی بعض لوگوں نے اپنا مسلک ''صلح کل'' بنایا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم تو ''صلح کل'' ہیں لہٰذا کوئی کچھ بھی کرے ہم کسی کو بھی کسی غلطی پر نہیں ٹوکیں گے کسی برائی کو برائی نہیں کہیں گے کسی برائی کی تردید نہیں کریں گے ہم تو ''صلح کل'' ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے چنانچہ آگے حضرت والا فرماتے ہیں کہ:۔

امر بالمعروف کو نہ چھوڑے

''بعض لوگ تو اسی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے''۔

مثلاً اگر فلاں کو نماز پڑھنے کے لئے کہیں گے تو اس کا دل برا ہوگا اگر فلاں کو کسی گناہ پر ٹوکیں گے تو اس کا دل برا ہوگا اور ہم سے کسی کا جی برا نہ ہو پھر فرمایا کہ:

''کیا ان کو قرآن پاک کا یہ حکم نظر نہیں آیا کہ: "ولاتاخذکم بهما رافة فی دین الله" کہ تم کو اللہ کے دین کے بارے میں ان پر ترس نہ آئے''۔

یعنی ایک شخص دین کی خلاف ورزی کر رہا ہے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے اس کے بارے میں تمہارے دل میں یہ شفقت پیدا نہ ہو کہ اگر میں اس کو گناہ کرنے پر ٹوکوں گا تو اس کا دل دکھے گا۔

نرم انداز سے نہی عن المنکر کرے

البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کو کہنے کے لئے طریقہ ایسا اختیار کرے جس سے اس کا دل کم سے کم دکھے دل آزار اسلوب اختیار نہ کرے بلکہ نرمی کا انداز ہو اس میں ہمدردی ہو محبت ہو شفقت ہو خیر خواہی ہو اخلاص ہو غصہ نکالنا مقصود نہ ہو لیکن یہ سوچنا کہ اگر میں اس کو ٹوکوں گا تو اس کا دل دکھے گا چاہے کتنے بھی نرم انداز میں کہوں تو یہ سوچ درست نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تمام مخلوق کو راضی کرنے سے مقدم ہے۔ لہٰذا دونوں انتہائی غلط ہیں افراط بھی اور تفریط بھی۔ بس اپنی طرف سے ہر مسلمان کو خوش کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن جہاں اللہ کی حدود آجائیں حرام اور ناجائز امور آجائیں تو پھر کسی کا دل دکھے یا خوش ہو اس وقت بس اللہ ہی کا حکم ماننا ہے اس وقت اطاعت صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کرنی ہے کسی اور کی پروا نہیں کرنی ہے۔ البتہ حتی الامکان نرمی کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

(وعظ دوسروں کو خوش کیجئے از اصلاحی خطبات ج ۹)

دوسروں کو تکلیف مت دیجئے

عن ابی موسی الاشعری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده (ترمذی)

وہ حقیقی مسلمان نہیں

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یعنی نہ اس کی زبان سے کسی کو تکلیف پہنچے اور نہ اس کے ہاتھ سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ گویا کہ اس حدیث میں مسلمان کی پہچان بتائی کہ مسلمان کہتے ہی اس کو ہیں جس میں یہ صفت پائی جائے۔ لہٰذا جس مسلمان کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ نہ رہیں حقیقت میں وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں۔ جیسے ایک شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کوئی مفتی اس پر کفر کا فتویٰ تو نہیں لگائے گا کہ یہ شخص چونکہ نماز نہیں پڑھتا لہٰذا یہ کافر ہو گیا لیکن حقیقت میں وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے سب سے اہم فریضے کو انجام نہیں دے رہا ہے۔ اسی طرح جس شخص کے ہاتھ اور زبان سے لوگوں کو تکلیف پہنچے تو اس پر بھی اگرچہ مفتی کفر کا فتویٰ نہیں لگائے گا لیکن وہ حقیقت میں مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں والا کام نہیں کر رہا ہے۔ یہ اس حدیث کا مطلب ہے۔

''معاشرت'' کا مطلب

اسلام کے پانچ شعبے ہیں۔ (۱) عقائد' (۲) عبادات' (۳) معاملات' (۴) اخلاق' (۵) معاشرت۔ یہ حدیث درحقیقت اسلام کے ان پانچ شعبوں میں سے ایک شعبے یعنی ''معاشرت'' کی بنیاد ہے۔ ''معاشرت'' کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی انسان تنہا

نہیں رہتا اور نہ ہی تنہا رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب وہ دنیا میں رہتا ہے تو اس کو کسی نہ کسی سے واسطہ پڑتا ہے گھر والوں سے واسطہ دوستوں سے واسطہ پڑوسیوں سے بازار والوں سے اور جس جگہ پر وہ کام کرتا ہے وہاں کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب دوسروں سے واسطہ پڑے تو ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کرنا چاہئے؟ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ اس کو "معاشرت" کے احکام کہا جاتا ہے یہ بھی دین کے پانچ بڑے شعبوں میں سے ایک بڑا شعبہ ہے لیکن ہماری نادانی اور بے عملی کی وجہ سے دین کا یہ شعبہ بالکل نظر انداز ہو کر رہ گیا ہے اور اس کو دین کا حصہ ہی نہیں سمجھا جاتا اور اس کے بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام عطا فرمائے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

معاشرت کے احکام کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے بھی "معاشرت" کے احکام بیان کرنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے مثلاً معاشرت کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی دوسرے شخص کے گھر میں جاؤ تو اندر داخل ہونے سے پہلے اس سے اجازت لو کہ میں اندر آسکتا ہوں یا نہیں؟ اس اجازت لینے کو عربی زبان میں استئذان" کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "استئذان" کے احکام بیان کرنے کے لئے قرآن کریم میں پورے دو رکوع نازل فرمائے جبکہ دوسری طرف قرآن کریم میں نماز پڑھنے کا حکم شاید باسٹھ جگہ آیا ہے لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے؟ اس کی تفصیل قرآن کریم نے نہیں بتائی۔ بلکہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے پر چھوڑ دیا۔ لیکن استئذان کی تفصیل کو قرآن کریم نے خود بیان فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے پر نہیں چھوڑا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں سورۃ الحجرات کا ایک بہت بڑا حصہ معاشرتی احکام کے بیان پر مشتمل ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو معاشرتی احکام کی اتنی اہمیت ہے لیکن دوسری طرف ہماری روزمرہ کی زندگی میں ہم نے ان احکام پر عمل کو چھوڑ رکھا ہے اور ان احکام کا خیال نہیں کرتے۔

حضرت تھانویؒ کا معاشرت کے احکام کو زندہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ

اللہ علیہ سے اس دور میں دین کی تجدید کا کام لیا' دین کے وہ ابواب جو لوگوں نے پس پشت ڈال دیئے تھے اور دین سے ان کو خارج ہی کر دیا تھا آپ نے ان کی اہمیت بتائی اور اس کے بارے میں لوگوں کو احکام بتائے اور اپنی خانقاہ میں اس کی عملی تربیت کا اہتمام فرمایا۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ خانقاہ اس کو کہتے ہیں جس میں حجروں کے اندر بیٹھ کر لوگ اللہ اللہ کر رہے ہوں اور اپنے ذکر و تسبیح اور عبادات میں مشغول ہوں۔ اس کے آگے کچھ نہ ہو۔ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ میں ذکر و تسبیح اور نوافل پر اتنا زور نہیں دیا جتنا آپ نے معاشرت کے اس مسئلے پر زور دیا کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف نہ پہنچے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو طالبین اپنی اصلاح کے لئے آتے ہیں اگر ان میں سے کسی بارے میں مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ جو معمولات اس کو بتائے گئے تھے وہ ان میں کوتاہی کرتا ہے مثلاً دس تسبیح کے بجائے وہ پانچ تسبیحات پڑھتا ہے تو اس اطلاع سے رنج تو ہوتا ہے کہ اس کو ایک طریقہ بتایا گیا تھا اس نے اس پر کیوں عمل نہیں کیا لیکن جب کسی کے بارے میں مجھے یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس نے ''معاشرت'' کے احکام میں سے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے اور اس نے اپنی ذات سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچائی ہے تو مجھے اس شخص سے نفرت ہو جاتی ہے۔

پہلے انسان تو بن جاؤ

اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور جملہ ہے وہ یہ کہ اگر تمہیں صوفی بننا ہے یا عابد زاہد بننا ہے تو اس مقصد کے لئے بہت ساری خانقاہیں کھلی ہیں وہاں چلے جاؤ اگر انسان بننا ہے تو یہاں آ جاؤ۔ اس لئے کہ یہاں تو انسان بنایا جاتا ہے۔ مسلمان بننا اور عالم بننا اور صوفی بننا تو بعد کی بات ہے اونچے درجے کی بات ہے ارے پہلے انسان تو بن جاؤ۔ اور پہلے جانوروں کی صف سے نکل جاؤ۔ اور انسان اس وقت تک انسان نہیں بنتا جب تک اس کو اسلامی معاشرت کے آداب نہ آتے ہوں اور ان پر عمل نہ کرتا ہو۔

دوسروں کو تکلیف سے بچالو

دیکھئے نوافل مستحبات ذکر و اذکار اور تسبیحات کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کرو گے تو انشاء اللہ

آخرت میں اس کا ثواب ملے گا اور اگر نہیں کرو گے تو آخرت میں یہ پکڑ نہیں ہوگی کہ فلاں نفل کیوں نہیں پڑھی؟ ذکر و اذکار کیوں نہیں کیا تھا؟ البتہ یہ سب فضیلت والے کام ہیں۔ ضرور کرنے چاہئیں اور کرنے پر آخرت میں ثواب ملے گا لیکن نہ کرنے پر گرفت نہیں ہوگی۔ دوسری طرف اگر تمہاری ذات سے دوسرے کو تکلیف پہنچ گئی تو یہ گناہ کبیرہ ہو گیا اب اس کی آخرت میں پکڑ ہو جائے گی کہ ایسا کام کیوں کیا تھا یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وقت نوافل میں اور اسلام کے معاشرتی احکام میں تعارض ہو جائے یا تو نوافل پڑھ لو یا اس معاشرتی حکم پر عمل کرتے ہوئے دوسرے کو تکلیف سے بچالو تو اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ نوافل کو چھوڑ دو اور اس معاشرتی حکم پر عمل کرلو۔

نماز باجماعت کی اہمیت

دیکھئے مردوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرمائی گئی ہے یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ کسی دن ایسا کروں کہ جب جماعت کا وقت آجائے تو کسی کو امام بنا کر خود باہر جاؤں اور گھروں میں جا کر دیکھوں کہ کون کون لوگ مسجد میں نہیں آئے بلکہ گھر میں بیٹھے رہے پھر ان کے گھروں کو آگ لگادوں اس لئے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فریضے میں کوتاہی کر رہے ہیں اس سے پتہ چلا کہ جماعت سے نماز پڑھنے کی کتنی تاکید ہے چنانچہ بعض فقہاء نے جماعت سے نماز پڑھنے کو سنت موکدہ فرمایا ہے لیکن دوسرے بعض فقہاء نے جماعت سے نماز پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے اور جماعت سے نماز ادا کرنا اداء کامل ہے اور تنہا ادا کرنا اداء ناقص ہے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس کی تاکید اور اہمیت کا اس طرح اظہار فرمایا کہ مرض وفات میں جب کہ آپ کے لئے چلنا مشکل تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ نے امام بنا دیا تھا اس وقت بھی آپ نے دو آدمیوں کا سہارا لے کر جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے اس سے جماعت سے نماز پڑھنے کی سخت تاکید معلوم ہوتی ہے۔

ایسے شخص کے لئے مسجد میں آنا جائز نہیں

لیکن دوسری طرف تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی بیماری میں

مبتلا ہے جو لوگوں کے لئے گھن کا باعث ہوتی ہے جس کی وجہ سے بدبو آتی ہے ایسے شخص کو مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھنا جائز نہیں اور صرف یہ نہیں کہ جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم اس سے ساقط ہو گیا بلکہ جماعت سے نماز پڑھنا جائز ہی نہیں اگر جماعت سے نماز پڑھے گا تو گناہگار ہوگا اس لئے کہ اگر وہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھے گا تو اس کے پاس کھڑے ہونے والوں کو بدبو سے تکلیف ہوگی دیکھئے جماعت جیسی اہم عبادت کو صرف لوگوں کو تکلیف سے بچانے کے لئے چھڑا دیا گیا۔

حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت تکلیف دینا

حجر اسود کی فضیلت اور اہمیت کون مسلمان نہیں جانتا اور فرمایا گیا کہ حجر اسود کو بوسہ دینا ایسا ہے جیسے اللہ جل شانہ سے مصافحہ کرنا اور حجر اسود کو بوسہ دینا انسان کے گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیا۔ یہ اس کی فضیلت کی بات ہے لیکن دوسری طرف یہ فرما دیا کہ اگر حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے اگر دھکا دینا پڑے اور اس کے نتیجے میں دوسرے کو تکلیف پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر اس وقت حجر اسود کو بوسہ دینا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے۔ آپ دیکھتے جائیں کہ شریعت اس بات کا کتنا اہتمام کرتی ہے کہ دوسروں کو اپنی ذات سے ادنیٰ برابر بھی تکلیف پہنچنے سے بچایا جائے۔ جب اتنی اہم چیزوں کو صرف اس لئے چھڑایا جا رہا ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے تو پھر نوافل اور مستحبات کے ذریعہ دوسروں کو تکلیف پہنچانا کہاں سے جائز ہوگا؟

بلند آواز سے تلاوت کرنا

مثلاً تلاوت قرآن کریم ایک عبادت ہے یہ اتنی اہم عبادت ہے کہ ایک حرف پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں گویا کہ تلاوت کے وقت نیکیوں کا خزانہ جمع ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ سارے اذکار اور تسبیحات میں سب سے افضل ترین قرآن کریم کی تلاوت ہے اور تلاوت میں افضل یہ ہے کہ بلند آواز سے کی جائے۔ آہستہ آواز کے مقابلے میں بلند آواز سے تلاوت کرنے پر زیادہ ثواب ملتا ہے۔ لیکن اگر تمہاری تلاوت کی وجہ سے کسی کی نیند یا آرام

میں خلل آ رہا ہو تو پھر بلند آواز سے تلاوت کرنا جائز نہیں۔

تہجد کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے کا انداز

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے ساری عمر کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوڑی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر آسانی فرماتے ہوئے تہجد کی نماز واجب نہیں فرمائی لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز واجب تھی۔ آپ نے کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں فرمائی لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آپ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے تو آہستہ سے اٹھتے اور آہستگی سے دروازہ کھولتے کہ کہیں میرے اس عمل کی وجہ سے میری بیوی کی آنکھ نہ کھل جائے اور ان کی نیند خراب نہ ہو جائے سارا قرآن اور حدیث اس بات سے بھرا ہوا ہے کہ اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچائے اور قدم قدم پر شریعت نے اس کا اہتمام کیا ہے۔

لوگوں کی گزرگاہ میں نماز پڑھنا

ایسی جگہ پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہونا جو لوگوں کے گزرنے کی جگہ ہے جائز نہیں۔ بعض لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ پوری مسجد خالی پڑی ہے مگر پچھلی صف میں جا کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور نیت باندھ لی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گزرنے والا یا تو اس کے پیچھے سے لمبا چکر کاٹ کر جائے یا نمازی کے سامنے سے گزرنے کے گناہ کا ارتکاب کرے اس طریقے سے نماز پڑھنا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے۔

''مسلم'' میں سلامتی داخل ہے

بہرحال! حدیث شریف میں فرمایا: **المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ** یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ اور سالم رہیں' لفظ ''مسلم'' کا مادہ ہے ''س ل م'' اور لفظ ''سلامتی'' بھی اسی مادے سے اور انہی حروف سے مل کر بنا ہے گویا اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ ''مسلمان'' کے لفظ کے اندر سلامتی لفظ داخل ہے۔

السلام علیکم کا مفہوم

دوسرے مذاہب کے لوگ جب آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی ''ہیلو'' کہتا

ہے کوئی گڈ نائٹ اور کوئی گڈ مارننگ کہتا ہے اور کوئی ''نمستے'' کوئی ''آداب'' کہتا ہے۔ مختلف لوگوں نے ملاقات کے وقت دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے مختلف الفاظ اختیار کر رکھے ہیں لیکن اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ جب دوسرے سے ملاقات کرو تو یہ کہو''السلام علیکم'' جس کے معنی یہ ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔ ایک طرف تو اس میں سلامتی کی دعا ہے جبکہ دوسرے کلمات کہنے میں کوئی دعا نہیں ہے اس وجہ سے سننے والے مخاطب کو ان الفاظ کے ذریعہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ لیکن جب آپ نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہا تو آپ نے مخاطب کو تین دعائیں دے دیں یعنی تم پر اللہ کی سلامتی نازل ہو تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو اور برکت نازل ہو اگر ایک مرتبہ کا سلام بھی دوسرے مسلمان کے حق میں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو ساری زندگی کا بیڑہ پار ہو جائے اور اس سلام کے ذریعہ دوسرا سبق یہ سکھا دیا کہ دو آدمیوں کے ملنے کے وقت جو چیز سب سے زیادہ مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ اس کی طرف سے اس کے اوپر سلامتی ہو اور اس کی ذات سے اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور مسلمان ملاقات کے وقت سب سے پہلے یہ پیغام دے دے کہ میں تمہارے لئے سلامتی بن کر آیا ہوں میں تمہارے لئے عذاب اور تکلیف بن کر نہیں آیا ہوں۔

زبان سے تکلیف نہ دینے کا مطلب

پھر اس حدیث میں دو لفظ استعمال فرمائے ایک ''من لسانہ'' اور دوسرا ''ویدہ'' یعنی دوسرے مسلمان دو چیزوں سے محفوظ رہیں ایک اس کی زبان سے اور دوسرے اس کے ہاتھ سے۔ زبان سے محفوظ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا کلمہ نہ کہے جس سے سننے والے کا دل ٹوٹے' اور اس کو تکلیف پہنچے۔ اس کی دل آزاری ہو اگر بالفرض دوسرے مسلمان کی کسی بات پر تنقید کرنی ہے تو بھی ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے اس کی دل آزاری بالکل نہ ہو یا کم سے کم ہو۔ مثلاً اس سے یہ کہہ دیں کہ آپ کی فلاں بات مجھے اچھی نہیں لگی یا آپ فلاں بات پر غور کر لیں وہ بات اصلاح کے لائق ہے اور شریعت کے مطابق نہیں ہے لیکن کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے اس کی بدگوئی ہو مثلاً گالی گفتار اختیار کرنا یا گالی گفتار سے بڑھ کر

طعنہ دینا۔ "طعنہ" کا مطلب یہ ہے کہ براہ راست تو کوئی بات نہیں کی۔ لیکن لپیٹ کر بات کہہ دی اور یہ طعنہ ایسی چیز ہے جو دلوں میں زخم ڈال دیتا ہے عربی شاعر کا ایک شعر ہے:

جراحات السنان لها التیام ولا یلتام ماجرح اللسان

یعنی نیزے کا زخم بھر جاتا ہے لیکن زبان کا زخم نہیں بھرتا۔ اس لئے اگر کسی کی کوئی بات آپ کو ناگوار ہے تو صاف صاف اس سے کہہ دو کہ فلاں بات آپ کی مجھے پسند نہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

یایها الذین آمنوا اتقوا الله وقولوا قولاً سدیداً (سورۃ الاحزاب: ۷۰)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو لپٹی ہوئی بات مطلوب اور پسندیدہ نہیں۔ آج کل فقرہ بازی ایک فن بن گیا ہے۔ فقرہ بازی کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات کی جائے کہ دوسرا شخص سن کر تلملاتا ہی رہ جائے۔ براہ راست اس سے وہ بات نہیں کہی بلکہ لپیٹ کر کہہ دی۔ ایسی باتیں کرنے والوں کی لوگ خوب تعریف بھی کرتے ہیں کہ یہ شخص تو بڑا زبردست انشاء پرواز ہے اور بڑا لطیف مذاق کرنے والا ہے۔

پہلے سوچو پھر بولو

زبان کو استعمال کرنے سے پہلے ذرا سوچ لیا کرو کہ جو بات میں کہنے جا رہا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اور دوسرے پر اس کا کیا اثر پڑے گا اور یہ سوچ لیا کرو کہ جو بات میں دوسرے سے کہنے جا رہا ہوں اگر دوسرا شخص مجھ سے یہ بات کہتا تو اس کا مجھ پر کیا اثر ہوتا مجھے اچھا لگتا یا برا لگتا حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی اور یہ اصول بتادیا کہ:

احب للناس ماتحب لنفسک (ترمذی)

یعنی دوسرے کے لئے وہی بات پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور یہ جو ہم نے دو پیمانے بنا رکھے ہیں کہ اپنے لئے الگ پیمانہ دوسرے کے لئے الگ پیمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خاتمہ فرما دیا اگر یہ ترازو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے تو پھر یہ سارے جھگڑے اور فسادات ختم ہو جائیں۔

زبان ایک عظیم نعمت

یہ زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت میں دے رکھی ہے اس

کی قیمت ہمیں ادا نہیں کرنی پڑی اور پیدائش کے وقت سے لے کر موت تک یہ سرکاری مشین چلتی رہتی ہے لیکن اگر خدانخواستہ یہ نعمت چھن جائے تب اس نعمت کی قدر معلوم ہوگی کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے۔ اگر فالج ہو جائے اور زبان بند ہو جائے تو اس وقت یہ حال ہوتا ہے کہ بولنا چاہتے ہیں اور اپنے دل کی بات دوسروں سے کہنا چاہتے ہیں لیکن زبان نہیں چلتی اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ گویائی کی طاقت کتنی عظیم نعمت ہے لیکن ہم لوگ صبح سے لے کر شام اس زبان کو قینچی کی طرح چلا رہے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ زبان سے کیا لفظ نکل رہا ہے یہ طریقہ ٹھیک نہیں بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔ اگر اس طریقہ پر ہم نے عمل کر لیا تو پھر یہ زبان جو ہمارے لئے جہنم میں جانے کے اسباب پیدا کر رہی ہے انشاء اللہ جنت میں جانے کے اسباب پیدا کرنے والی اور آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے والی بن جائے گی۔

سوچ کر بولنے کی عادت ڈالیں

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو سب سے زیادہ جہنم میں اوندھے منہ ڈالنے والی چیز زبان ہے یعنی جہنم میں اوندھے منہ گرائے جانے کا سب سے بڑا سبب زبان ہے۔ اس لئے جب بھی اس زبان کو استعمال کرو۔ استعمال کرنے سے ذرا سا سوچ لیا کرو کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو جب کوئی ایک جملہ بولنا ہو تو پہلے پانچ منٹ تک سوچے پھر زبان سے وہ جملہ نکالے تو اس صورت میں بہت وقت خرچ ہو جائے گا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اگر شروع شروع میں انسان بات سوچ سوچ کر کرنے کی عادت ڈال لے تو پھر آہستہ آہستہ اس کا عادی ہو جاتا ہے اور پھر سوچنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لمحہ میں انسان فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ بات زبان سے نکالوں یا نہ نکالوں۔ پھر اللہ تعالیٰ زبان کے اندر ہی ترازو پیدا فرما دیتے ہیں جس کے نتیجے میں زبان سے پھر صرف حق بات نکلتی ہے غلط اور ایسی بات زبان سے نہیں نکلتی جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے والی ہو۔ بشرطیکہ یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اس سرکاری مشین کو آداب کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم تھے جن کو "بھائی نیاز" کہا کرتے تھے۔ بڑے ناز پروردہ خادم تھے' اس لئے آنے والے لوگ بھی ان سے محبت کرتے تھے اور چونکہ خانقاہ کے اندر ہر چیز کا ایک نظم اور وقت ہوتا تھا۔ اس لئے آنے والوں پر روک ٹوک بھی کیا کرتے تھے کہ یہ کام مت کرو۔ یہ کام اس طرح کرو وغیرہ۔ کسی شخص نے حضرت والا کے پاس ان کی شکایت کی کہ آپ کے یہ خادم بھائی نیاز صاحب بہت سر چڑھ گئے ہیں اور بہت سے لوگوں پر غصہ اور ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت والا کو یہ سن کر غصہ آیا کہ یہ ایسا کرتے ہیں اور ان کو بلوایا اور ان کو ڈانٹا کہ کیوں بھائی نیاز' یہ کیا تمہاری حرکت ہے۔ ہر ایک کو تم ڈانٹتے رہتے ہو تمہیں ڈانٹنے کا حق کس نے دیا ہے؟ جواب میں بھائی نیاز نے کہا کہ حضرت! اللہ سے ڈرو' جھوٹ نہ بولو۔ ان کا مقصد حضرت والا کو کہنا نہیں تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ جو لوگ آپ سے شکایت کر رہے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور جھوٹ نہ بولیں۔ جس وقت حضرت والا نے بھائی نیاز کی زبان سے یہ جملہ سنا اسی وقت گردن جھکائی اور "استغفر اللہ استغفر اللہ" کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ دیکھنے والے حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہوا۔ ایک ادنیٰ خادم نے حضرت والا سے ایسی بات کہہ دی لیکن حضرت نے بجائے ان کو کچھ کہنے کے استغفر اللہ کہتے ہوئے چلے گئے۔ بعد میں خود حضرت والا نے فرمایا کہ دراصل مجھ سے غلطی ہو گئی تھی کہ میں نے ایک طرف کی بات سن کر فوراً ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے چاہئے تھا کہ میں پہلے ان سے پوچھتا کہ لوگ آپ کے بارے میں یہ شکایت کر رہے ہیں۔ آپ کیا کہتے ہیں کہ شکایت درست ہے یا غلط ہے اور دوسرے فریق کی بات سنے بغیر ڈانٹنا شریعت کے خلاف ہے چونکہ یہ بات شریعت کے خلاف تھی اس لئے میں اس پر استغفار کرتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ حق و باطل کو جانچنے کی ترازو پیدا فرما دیتے ہیں اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کا کوئی کلمہ حد سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فہم عطا فرما دے۔ آمین۔

غیر مسلموں کو بھی تکلیف پہنچانا جائز نہیں

اس حدیث میں فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس سے بعض اوقات لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف مسلمانوں کو تکلیف سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا غیر مسلم کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت اس حدیث میں موجود نہیں یہ بات درست نہیں کیونکہ حدیث میں مسلمان کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمان جس ماحول میں رہتے ہیں وہاں پر عام طور پر مسلمانوں ہی سے ان کو واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے خاص طور پر حدیث میں مسلمانوں کا ذکر کر دیا ہے ورنہ یہ حکم مسلمان اور غیر مسلم سب کے لئے برابر ہے کہ اپنی ذات سے غیر مسلم کو بھی حالت امن میں تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ البتہ اگر کافروں کے ساتھ جہاد ہو رہا ہو، اور حالت جنگ ہو، تو چونکہ وہ تو کافروں کی شان وشوکت توڑنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس میں تکلیف پہنچانا جائز ہے۔ لیکن جن کافروں کے ساتھ حالت جنگ نہیں ہے ان کافروں کو تکلیف پہنچانا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

ناجائز ہونے کی دلیل

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی حکومت میں مصر میں رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ پوری قوم کفر اور گمراہی میں مبتلا تھی اس وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک اسرائیلی اور قبطی میں جھگڑا ہو گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک مکا مارا جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو گئی وہ قبطی اگرچہ کافر تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اس کی موت کو اپنے لئے گناہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لهم علي ذنب فاخاف ان يقتلون (سورۃ الشعراء:۱۴)

یعنی مجھ سے ان کا ایک گناہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں ان کے پاس جاؤں گا تو وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کافر کے قتل کو گناہ سے تعبیر کیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو کافر تھا اور کافر کو قتل کرنا تو جہاد کا ایک حصہ ہے۔ پھر آپ نے اس کو گناہ کیوں قرار دیا' اور اس پر استغفار کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ وہ

قبطی اگر چہ کافر تھا اور حالت امن تھی اور اگر مسلمان اور کافر ایک ساتھ رہائش پذیر ہوں اور حالت امن ہو اس حالت میں کافر کا بھی دنیا کے اعتبار سے وہی حق ہے جو مسلمان کا ہے یعنی جس طرح مسلمان کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں اسی طرح کافر کو بھی تکلیف پہنچانا جائز نہیں کیونکہ یہ انسانیت کا حق ہے اور انسان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ آدمی بنے۔ مسلمان بننا اور صوفی بننا تو بعد کی بات ہے پہلا کام یہ ہے کہ انسان آدمی بن جائے اور آدمیت کا حق یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دے اس میں مسلمان اور غیر مسلم سب برابر ہیں۔

تلاوت قرآن کے وقت سلام کرنا

بعض اوقات انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں زبان سے تکلیف پہنچا رہا ہوں بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں تو ثواب کا کام کر رہا ہوں لیکن حقیقت میں وہ گناہ کا کام کر رہا ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے مثلاً سلام کرنا کتنی بڑی فضیلت اور ثواب کا کام ہے لیکن شریعت نے دوسرے کی تکلیف کا اتنا خیال کیا ہے کہ سلام کرنے کے بھی احکام مقرر فرما دیئے کہ ہر وقت سلام کرنا جائز نہیں بلکہ بعض مواقع پر سلام کرنے پر ثواب کے بجائے گناہ ہوگا کیونکہ سلام کے ذریعہ تم نے دوسرے کو تکلیف پہنچائی ہے مثلاً ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہے اس کو سلام کرنا جائز نہیں اس لئے کہ ایک طرف تو تمہارے سلام کی وجہ سے اس کی تلاوت میں رخنہ ہوگا اور دوسری طرف اس کو تلاوت چھوڑ کر تمہاری طرف مشغول ہونے میں تکلیف ہوگی اب ایسے وقت کے اندر سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہے اسی طرح اگر لوگ مسجد میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوں ان کو مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ جڑا ہوا ہے اس کی زبان پر ذکر جاری ہے تمہارے سلام کی وجہ سے اس کے ذکر میں خلل واقع ہوگا اور اس کو توجہ ہٹانے میں تکلیف بھی ہوگی۔

مجلس کے دوران سلام کرنا

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے لوگوں سے کوئی لمبی بات کر رہا ہے اور

دوسرے لوگ توجہ سے اس کی بات سن رہے ہیں اگرچہ وہ دنیاوی باتیں ہوں اس حالت میں بھی اس مجلس میں جا کر سلام کرنا جائز نہیں اس لئے کہ وہ لوگ باتیں سننے میں مصروف تھے آپ نے سلام کے ذریعہ ان کی باتوں میں خلل ڈال دیا۔ اور جس کی وجہ سے باتوں کے درمیان بدمزگی پیدا ہوگئی اس لئے اس موقع پر سلام کرنا جائز نہیں اس لئے حکم ہے کہ جب تم کسی مجلس میں شرکت کے لئے جاؤ اور وہاں پر بات شروع ہو چکی ہو تو وہاں پر سلام کے بغیر بیٹھ جاؤ اس وقت سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے کے مترادف ہوگا اس سے اندازہ لگائیے کہ شریعت اس بارے میں کتنی حساس ہے کہ دوسرے شخص کو ہماری ذات سے ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔

کھانا کھانے والے کو سلام کرنا

ایک شخص کھانا کھانے میں مشغول ہے اس وقت اس کو سلام کرنا حرام تو نہیں البتہ مکروہ ضرور ہے جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کے نتیجے میں اس کو تشویش ہوگی۔ اب دیکھئے کہ وہ تو کھانا کھانے میں مشغول ہے نہ تو وہ عبادت کر رہا ہے نہ ذکر کرنے میں مشغول ہے اگر تم سلام کر لوگے تو اس پر پہاڑ نہیں ٹوٹ پڑے گا لیکن سلام کے نتیجے میں اس کو تشویش ہونے اور اس کو ناگوار ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے اس وقت سلام نہ کرے اس طرح ایک شخص اپنے کسی کام کے لئے تیزی سے جا رہا ہے آپ کو اندازہ ہوا کہ یہ شخص بہت جلدی میں ہے آپ نے آگے بڑھ کر اس کو سلام کر لیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا یہ آپ نے اچھا نہیں کیا اس لئے کہ آپ کو اس کی تیزی سے اندازہ لگانا چاہئے تھا کہ یہ شخص جلدی میں ہے۔ یہ سلام کرنے اور مصافحہ کرنے کا مناسب وقت نہیں ہے۔ ایسے وقت میں اس کو سلام نہ کرو بلکہ اس کو جانے دو یہ سب باتیں زبان کے ذریعہ تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں۔

ٹیلی فون پر لمبی بات کرنا

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اب ایذا رسانی کا ایک آلہ بھی ایجاد ہو چکا ہے وہ ہے "ٹیلی فون" یہ ایک ایسا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ جتنا چاہو دوسرے کو تکلیف پہنچا دو چنانچہ آپ نے کسی کو ٹیلی فون کیا اور اس سے لمبی گفتگو شروع کر دی اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ

8 شخص اس وقت کسی کام کے اندر مصروف ہے۔ اس کے پاس وقت ہے یا نہیں۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے "معارف القرآن" میں یہ بات لکھی ہے کہ ٹیلی فون کرنے کے آداب میں یہ بات داخل ہے کہ اگر کسی سے لمبی بات کرنی ہو تو پہلے اس سے پوچھ لو کہ مجھے ذرا لمبی بات کرنی ہے چار پانچ منٹ لگیں گے۔ اگر آپ اس وقت فارغ ہوں تو ابھی بات کرلوں اور اگر فارغ نہ ہوں تو کوئی مناسب وقت بتادیں اس وقت بات کرلوں گا سورۃ نور کی تفسیر میں یہ آداب لکھے ہیں دیکھ لیا جائے اور خود حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

باہر کے لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کرنا

یا مثلاً آپ کو مسجد کے اندر چند افراد سے کچھ بات کرنی ہے اور ان تک آواز پہنچانے کے لئے مسجد کے اندر کا لاؤڈ اسپیکر بھی کافی ہو سکتا ہے لیکن آپ نے باہر کا بھی لاؤڈ اسپیکر بھی کھول دیا۔ جس کے نتیجے میں پورے علاقے اور پورے محلے کے لوگوں تک آواز پہنچ رہی ہے۔ اب محلے میں کوئی شخص اپنے گھر کے اندر تلاوت کرنا چاہتا ہے۔ یا ذکر کرنا چاہتا ہے۔ یا سونا چاہتا ہے، یا کوئی شخص بیمار ہے۔ وہ آرام کرنا چاہتا ہے۔ مگر آپ نے زبردستی اپنا وعظ پورے محلے والوں پر مسلط کردیا۔ یہ عمل بھی زبان کے ذریعہ تکلیف پہنچانے میں داخل ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے کا ایک واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک صاحب مسجد نبوی میں آکر وعظ کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر نہیں تھا۔ مگر وہ صاحب بلند آواز سے وعظ کرتے تھے۔ ان کی آواز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے اندر پہنچتی آپ اپنی عبادات تلاوت ذکر و اذکار یا دوسرے کاموں میں مشغول ہوتیں اور ان صاحب کی آواز سے آپ کو تکلیف پہنچتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ یہ ایک صاحب اس طرح میرے حجرے کے قریب آکر وعظ کرتے ہیں مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ وعظ کسی اور جگہ پر جاکر کریں یا آہستہ آواز سے کریں۔ حضرت

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان صاحب کو بلایا اور ان کو سمجھایا کہ آپ کی آواز سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف ہوتی ہے، آپ اپنا وعظ اس جگہ پر بند کر دیں چنانچہ وہ صاحب رک گئے۔ مگر وہ صاحب وعظ کے شوقین تھے چند روز کے بعد دوبارہ وعظ کہنا شروع کر دیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ملی کہ انہوں نے دوبارہ وعظ کہنا شروع کر دیا ہے۔ آپ نے دوبارہ ان کو بلایا اور فرمایا کہ اب میں تم کو آخری مرتبہ منع کر رہا ہوں۔ اب اگر آئندہ مجھے اطلاع ملی کہ تم نے یہاں آ کر وعظ کہا ہے تو یہ لکڑی کی چھڑی تمہارے اوپر توڑ دوں گا۔ یعنی اتنا ماروں گا کہ تمہارے اوپر یہ لکڑی ٹوٹ جائے گی۔

آج ہماری حالت

آج ہم لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ مسجد میں وعظ ہو رہا ہے اور سارے محلے والوں کو عذاب کے اندر مبتلا کر رکھا ہے۔ لاؤڈ سپیکر فل آواز میں کھلا ہوا ہے۔ محلے میں کوئی شخص سو نہیں سکتا۔ اگر کوئی شخص جا کر منع کرے تو اس کے اوپر طعن تشنیع شروع ہو جاتی ہے کہ یہ دین کے کام میں رکاوٹ ڈالنے والا ہے۔ حالانکہ اس وعظ کے ذریعہ شریعت کے حکم کو پامال کیا جا رہا ہے۔ دوسروں کو تکلیف پہنچائی جا رہی ہے۔ حتیٰ کہ عالم کے آداب میں یہ لکھا ہے کہ **"ینبغی للعالم ان لایعدو صوته مجلسه"** عالم کی آواز اس کی مجلس سے دور نہ جائے۔ یہ سب باتیں زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں۔ یہ زبان اللہ تعالیٰ نے اس لئے دی ہے کہ یہ اللہ کا ذکر کرے، یہ زبان سچائی کی باتیں کرے، یہ زبان اس لئے دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کے دلوں پر مرہم رکھو، یہ زبان اس لئے نہیں دی گئی ہے کہ اس کے ذریعہ تم لوگوں کو تکلیف پہنچاؤ۔

وہ عورت دوزخی ہے

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک خاتون کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ خاتون سارے دن روزہ رکھتی ہیں اور ساری رات عبادت کرتی ہے لیکن وہ خاتون اپنی پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے وہ خاتون کیسی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ وہ عورت دوزخی ہے جہنم میں جائے گی۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کی تشریح میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں "اس حدیث میں اس کی شناعت ہے کہ لوگوں کو ناحق ایذا دی جاوے اور اس معاملات کا عبادت پر مقدم ہونا بھی مذکور ہے" یعنی لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں درستگی عبادات کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ معاملات کا باب عملاً اتنا متروک ہو گیا ہے کہ آج کوئی شخص دوسرے کو یہ نہ سمجھاتا ہے اور نہ سکھاتا ہے کہ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے۔

ہاتھ سے تکلیف مت دیجئے

دوسری چیز جس کا ذکر اس حدیث میں فرمایا۔ وہ ہے "ہاتھ" یعنی تمہارے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اب ہاتھ سے تکلیف پہنچنے کی بعض صورتیں تو ظاہر ہیں مثلاً کسی کو مار دیا، ہر شخص دیکھ کر یہ کہے گا کہ اس نے ہاتھ کے ذریعہ تکلیف پہنچائی۔ لیکن ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ لوگ ان کو ایذا دینے کے اندر شمار نہیں کرتے حالانکہ ہاتھ سے ایذا دینے کی بھی بے شمار صورتیں ہیں اور حدیث شریف میں "ہاتھ" کا ذکر کر کے ہاتھ سے صادر ہونے والے افعال کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ زیادہ تر افعال انسان اپنے ہاتھ سے انجام دیتا ہے اسی وجہ سے علماء نے ہاتھ کے ذکر میں تمام افعال داخل کئے ہیں چاہے اس فعل میں براہ راست ہاتھ ملوث نظر نہ آ رہا ہو۔

کسی چیز کو بے جگہ رکھنا

مثلاً ایک مشترک رہائش میں آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس مکان میں کسی مشترکہ استعمال کی چیز کی ایک جگہ مقرر ہے مثلاً تولیہ رکھنے کی ایک جگہ مقرر ہے۔ آپ نے تولیہ استعمال کرنے کے بعد اس کو بے جگہ ڈال دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب دوسرا شخص وضو کر کے آیا اور تولیہ کو اس کی جگہ پر تلاش کیا اور اس کو نہ ملا اب وہ تولیہ ڈھونڈ رہا ہے اس کو تکلیف ہو رہی ہے یہ جو تکلیف اس کو پہنچی یہ آپ کے ہاتھ کی کرتوت کا نتیجہ ہے کہ آپ نے وہ تولیہ اس کی صحیح جگہ سے اٹھا کر بے جگہ ڈال دیا یہ اذیت رسانی ہوئی جو کہ اس حدیث کے تحت حرام ہے یہ تولیہ کی ایک مثال دی ورنہ چاہے مشترک لوٹا ہو یا صابن ہو یا گلاس ہو یا جھاڑو وغیرہ ہو ان کو اپنی مقرر جگہ سے اٹھا کر بے جگہ رکھنا ایذا رسانی میں داخل ہے۔

یہ گناہ کبیرہ ہے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ہمیں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں سکھا گئے جب ہم چھوٹے تھے تو ہم بھی یہ حرکت کرتے تھے کہ ایک چیز اس کی جگہ سے اٹھا کر استعمال کی اور دوسری جگہ لے جا کر ڈال دی جب ان کو ضرورت ہوتی تو وہ گھر کے اندر تلاش کرتے رہتے ایک دن ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ جو حرکت کرتے ہو کہ ایک چیز اٹھا کر دوسری جگہ ڈال دی یہ بداخلاقی تو ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ یہ گناہ کبیرہ بھی ہے اس لئے کہ اس عمل کے ذریعہ مسلمان کو تکلیف پہنچانا ہے اور ایذاء مسلم گناہ کبیرہ ہے۔ اس دن ہمیں پتہ چلا کہ یہ بھی دین کا حکم ہے اور یہ بھی گناہ کبیرہ ہے ورنہ اس سے پہلے اس کا احساس بھی نہیں تھا۔ یہ سب باتیں ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہیں۔

اپنے عزیز اور بیوی بچوں کو تکلیف دینا

ایک بات یہ بھی سمجھ لیں کہ مشترک رہائش میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ رہائش پذیر ہیں وہ اجنبی ہوں بلکہ اپنے قریبی رشتہ دار' بیوی' بچے' بہن بھائی سب اس میں داخل ہیں۔ آج ہم لوگ اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو تکلیف پہنچنے کا احساس نہیں کرتے۔ بلکہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہمارے عمل سے بیوی کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو پہنچا کرے یہ ہماری بیوی ہی تو ہے یا اولاد کو یا بہن بھائی کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو پہنچا کرے۔ ہماری اولاد ہی تو ہیں' ہمارے بہن بھائی تو ہیں۔ ارے اگر وہ تمہاری بہن یا تمہارا بھائی بن گیا ہے تو اس نے آخر کیا خطا کر لی ہے؟ یا کوئی خاتون تمہاری بیوی بن گئی ہے یا یہ بچے تمہاری اولاد بن گئے ہیں تو انہوں نے کیا خطا کر لی ہے کہ اب ان کو تم تکلیف پہنچا رہے ہو حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حال تھا کہ تہجد کے وقت صرف اس خیال سے ہر کام بہت آہستہ آہستہ کرتے کہ کہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے۔ لہٰذا جس طرح غیروں کو تکلیف پہنچانا حرام ہے اسی طرح اپنے گھر والوں کو اپنے بہن بھائیوں کو اپنے بیوی بچوں کو بھی تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

اطلاع کئے بغیر کھانے کے وقت غائب رہنا

مثلاً آپ گھر والوں کو بتا کر چلے گئے کہ فلاں وقت آ کر کھانا کھاؤں گا لیکن اس کے بعد اطلاع کئے بغیر کہیں اور چلے گئے اور کھانا بھی وہیں کھا لیا اور وہاں پر گھنٹوں گزار دیئے اور وقت پر گھر واپس نہیں پہنچے۔ اور گھر پر آپ کی بیوی کھانے پر آپ کا انتظار کر رہی ہے اور پریشان ہو رہی ہے کہ کیا وجہ پیش آ گئی کہ واپس نہیں آئے کھانا لئے بیٹھی ہے۔ آپ کا یہ عمل گناہ کبیرہ ہے اس لئے کہ آپ نے اس عمل کے ذریعہ ایک ایسی ذات کو تکلیف پہنچائی جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات سے وابستہ کر دیا تھا۔ آپ کو اگر کھانا کسی اور جگہ کھانا تھا کہ آپ اس کو اطلاع کرتے اس کے ذہن کو فارغ کر دیتے۔ اس کو انتظار اور پریشانی کی تکلیف میں مبتلا نہ کرتے لیکن آج ہم لوگ اس بات کا دھیان نہیں کرتے اور یہ سوچتے ہیں کہ وہ تو ہماری بیوی ہی تو ہے ہماری ماتحت ہے اگر انتظار کر رہی ہے تو کرے حالانکہ یہ عمل گناہ کبیرہ اور حرام ہے اور ایذا مسلم ہے۔

راستے کو گندہ کرنا حرام ہے

یا مثلاً سڑک پر چلتے ہوئے آپ نے چھلکا یا گندگی سڑک پر پھینک دی اب اس کی وجہ سے کسی کا پاؤں پھسل جائے یا کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو قیامت کے روز آپ کی پکڑ ہو جائے گی اور اگر اس سے تکلیف نہ بھی پہنچی لیکن آپ نے کم از کم گندگی تو پھیلا دی اس گندگی پھیلانے کا گناہ آپ کو ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر ہوتے اور سفر کے دوران آپ کو راستہ میں کہیں پیشاب کرنے کی ضرورت پیش آتی تو آپ پیشاب کرنے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش کے لئے آپ اتنی ہی جستجو فرماتے جتنا ایک آدمی مکان بنانے کے لئے مناسب جگہ تلاش کرتا ہے۔ ایسا کیوں کرتے؟ اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگوں کی گزرگاہ ہو اور وہاں گندگی کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں جن میں سے ایمان کا اعلیٰ ترین شعبہ کلمہ ”لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کہنا اور ادنیٰ ترین

شعبہ ایمان کا یہ ہے کہ راستے سے گندگی کو اور تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دیتا ہے۔ مثلاً راستے میں کوئی کانٹا یا چھلکا پڑا ہوا ہے۔ آپ نے اٹھا کر اس کو دور کر دیا۔ تاکہ گزرنے والے کو تکلیف نہ ہو یہ ایمان کا ادنیٰ درجے کا شعبہ ہے۔ لہٰذا جب راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کرنا ایمان کا شعبہ ہو تو پھر راستے میں تکلیف دینے والی چیز ڈالنا کفر کا شعبہ ہوگا ایمان کا شعبہ نہ ہوگا۔ یہ سب باتیں اس حدیث کے تحت داخل ہیں۔

ذہنی تکلیف میں مبتلا کرنا حرام ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں زبان اور ہاتھ کے ذریعہ ظاہری افعال کی طرف اشارہ فرمایا ہے لیکن اگر آپ نے اپنی زبان یا ہاتھ سے کوئی ایسا کام کیا جس سے دوسرے کو ذہنی تکلیف ہوئی تو وہ اس حدیث میں داخل ہے۔ مثلاً آپ نے کسی سے قرض لیا اور اس سے یہ وعدہ کر لیا کہ اتنے دنوں کے اندر ادائیگی کر دوں گا اب اگر آپ وقت پر ادائیگی نہیں کر سکتے تو اس کو بتا دیں کہ میں فی الحال ادائیگی نہیں کر سکتا۔ اتنے دن کے بعد ادا کروں گا۔ پھر بھی ادا نہ کر سکو تو پھر بتا دو لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے کہ آپ اس کو لٹکا دیں۔ اور اس کا ذہن الجھا دیں وہ بیچارہ انتظار میں ہے کہ آپ آج قرض ادا کر دیں گے یا کل دے دیں گے لیکن آپ نہ تو اس کو اطلاع دیتے ہیں اور نہ قرض واپس کرتے ہیں اس طرح آپ نے اس کو ذہنی اذیت اور تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ اب وہ نہ تو کوئی پلان بنا سکتا ہے نہ وہ کوئی منصوبہ بندی کر سکتا ہے اس لئے کہ اس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ اس کو قرض واپس ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کب تک ملے گا۔ آپ کا یہ طرز عمل بھی ناجائز اور حرام ہے۔

ملازم پر ذہنی بوجھ ڈالنا

حتیٰ کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ آپ کا ایک نوکر اور ملازم ہے۔ اب آپ نے چار کام ایک ساتھ بتا دیئے کہ پہلے یہ کام کرو پھر یہ کام پھر یہ کام کرنا۔ پھر یہ کام کرنا۔ اس طرح آپ نے چار کاموں کو یاد رکھنے کا بوجھ اس کے ذہن پر ڈال دیا اگر ایسا کرنا بہت ضروری نہیں ہے تو ایک ساتھ چار کاموں کا بوجھ اس کے ذہن پر نہیں ڈالنا چاہئے۔

بلکہ اس کو پہلے ایک کام بتادو جب وہ پہلا کام کر چکے تو اب دوسرا کام بتایا جائے وہ اس کو کر چکے تو پھر تیسرا کام بتایا جائے چنانچہ خود اپنا طریقہ بتایا کہ میں اپنے نوکر کو ایک وقت میں ایک کام بتاتا ہوں اور دوسرے کام جو اس سے کرانے ہیں ان کو یاد رکھنے کا بوجھ اپنے سر پر رکھتا ہوں نوکر کے سر پر نہیں رکھتا تاکہ وہ ذہنی بوجھ میں مبتلا نہ ہو جائے جب وہ ایک کام کر کے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر دوسرا کام بتاتا ہوں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ حضرت والا کی نگاہ کتنی دوررس تھی۔

نماز پڑھنے والے کا انتظار کس جگہ کیا جائے؟

یا مثلاً ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے آپ کو اس سے کچھ کام ہے۔ اب آپ اس کے بالکل قریب جا کر بیٹھ گئے اور اس کے ذہن پر یہ فکر سوار کر دی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم جلدی سے اپنی نماز پوری کرو تاکہ میں تم سے ملاقات کروں اور کام کراؤں چنانچہ آپ کے قریب بیٹھنے کی وجہ سے اس کی نماز میں خلل واقع ہو گیا اور اس کے دماغ پر یہ بوجھ بیٹھ گیا کہ یہ شخص میرے انتظار میں ہے اس کا انتظار ختم کرنا چاہئے اور جلدی سے نماز ختم کر کے اس سے ملاقات کرنی چاہئے حالانکہ یہ بات آداب میں داخل ہے کہ اگر آپ کو کسی ایسے شخص سے ملاقات کرنی ہے جو اس وقت نماز میں مصروف ہے تو تم دور بیٹھ کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرو جب وہ خود سے فارغ ہو جائے تو پھر ملاقات کرو لیکن اس کے بالکل قریب بیٹھ کر یہ تاثر دینا کہ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ لہٰذا تم جلدی نماز پوری کرو ایسا تاثر دینا ادب کے خلاف ہے یہ سب باتیں دوسرے کو ذہنی تکلیف میں مبتلا کرنے میں داخل ہیں۔ الحمدللہ! جن بزرگوں کو ہم نے دیکھا اور جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین سیکھنے کی توفیق عطا فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر دین کے تمام شعبے برابر رکھے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ دین کے ایک یا دو شعبوں پر تو عمل ہے اور باقی شعبے نظروں سے اوجھل ہیں اور ان کی طرف سے غفلت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ (سورۃ البقرۃ: ۲۰۸)

یعنی اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ یہ نہ ہو کہ عبادت نماز روزہ وغیرہ تو کر لے لیکن معاشرت، معاملات اور اخلاق میں دین کے احکام کی پرواہ نہ کی، حالانکہ یہ سب دین کا حصہ ہے۔

’’آداب المعاشرت‘‘ پڑھیے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مختصری کتاب ہے ’’آداب المعاشرت‘‘ اس میں معاشرت کے آداب تحریر فرمائے ہیں یہ کتاب ہر مسلمان کو ضرور پڑھنی چاہیے اس کتاب کے شروع میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں اس کتاب میں معاشرت کے تمام آداب تو نہیں لکھ سکا بلکہ متفرق طور پر جو آداب ذہن میں آئے وہ اس میں جمع کر دیئے ہیں تاکہ جب تم ان آداب کو پڑھو گے تو خود بخود تمہارا ذہن اس طرف منتقل ہوگا کہ جب یہ بات ادب میں داخل ہے تو فلاں جگہ پر بھی ہمیں اس طرح کرنا چاہیے آہستہ آہستہ خود تمہارے ذہن میں وہ آداب آتے چلے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ذہن کو کھول دیں گے چنانچہ معاشرت ہی کا ایک ادب یہ ہے کہ گاڑی ایسی جگہ کھڑی کرو کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا راستہ بند نہ ہو اور دوسرے کو تکلیف نہ ہو یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے آج ہم نے ان چیزوں کو بھلا دیا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ہم گناہگار ہو رہے ہیں بلکہ دین کی غلط نمائندگی کر رہے ہیں چنانچہ ہمیں دیکھ کر باہر سے آنے والا شخص یہ کہے گا کہ یہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن گندگی بہت پھیلاتے ہیں اور دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں اس سے اسلام کا کیا رخ سامنے آئے گا؟ اور وہ ان چیزوں سے اسلام کی طرف کشش محسوس کرے گا یا اسلام سے دور بھاگے گا؟ اللہ بچائے ہم لوگ دین کا ایک اچھا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے لئے کشش کا باعث بننے کے بجائے ہم دین سے رکاوٹ کا باعث بن رہے ہیں۔ معاشرت کے اس باب کو ہم نے خاص طور پر چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کوتاہی سے جلد از جلد نجات عطا فرمائے اور ہماری فہم کو درست فرمائے اور ہمیں دین کے تمام شعبوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(وعظ دوسروں کو تکلیف مت دیجئے از اصلاحی خطبات ج ۸)

مسلمان اور ایذا رسانی

دوسروں کو ایذاء دینے کی مروجہ صورتیں .... دیواروں، سڑکوں کا ناجائز استعمال.... لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال اور اس کے بارہ میں شرعی ہدایات.... دوسروں کے مزاج و مذاق کی رعایت رکھنے کی ترغیب جیسے معاشرتی حقوق کا گلدستہ۔

مسلمان اور ایذا رسانی

جامع ترمذیؒ اور سنن نسائیؒ کی ایک حدیث ہے:

"عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، والمؤمن من امنه الناس علی دمائهم واموالهم".

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور مومن وہ ہے کہ لوگوں کو اسکی طرف سے اپنے جان و مال کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

اس حدیث میں سرکار دو عالم ﷺ نے ایک مسلمان کی بعض امتیازی خصوصیات بیان فرما کر دین کے ایک بڑے وسیع شعبے کی طرف توجہ دلائی ہے جسے لوگ ناواقفیت کے سبب دین کا شعبہ نہیں سمجھتے، بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دین صرف چند عقائد، نماز روزے اور کچھ مخصوص عبادتوں کا نام ہے، اور ان عبادتوں کو بجالانے کے بعد انسان اپنے عام روزمرہ کی زندگی میں آزاد اور خود مختار ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے جہاں ہمیں نماز روزے اور دوسری عبادتوں کی تعلیم دی ہے، وہاں زندگی کے ہر شعبے میں ایسی تعلیمات عطا کی ہیں جن پر عمل کر کے ہم اپنے معاشرے کو جنت کا نمونہ بنا سکتے ہیں۔

معاشرت دین کا اہم شعبہ

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں صرف ایک چوتھائی حصہ عقائد اور عبادات پر مشتمل ہے، اور باقی تین چوتھائی تعلیمات معاملات، اخلاق اور معاشرت سے متعلق ہیں، دین کے ان اہم شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ معاشرت ہے، جس میں دوسرے انسانوں کے ساتھ میل جول اور باہم زندگی گذارنے کے آداب بتائے گئے ہیں۔

جو حدیث ابھی آپ کو سنائی گئی ہے اس میں آنحضرت ﷺ نے اسلام کی معاشرتی تعلیمات کا نہایت جامع خلاصہ بیان فرما دیا ہے، کیونکہ اسلام نے معاشرت سے متعلق جتنے

احکام دیئے ہیں ان کا آخری مقصد یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی بھی مسلمان، بلکہ کسی بھی انسان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دی جائے، آنحضرت ﷺ نے اسلامی زندگی کے اس اصول کو انتہائی پر زور طریقے سے ذہن نشین کرانے کے لئے فقرہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "مسلمان درحقیقت وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں" یعنی دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے احتراز اسلام کا وہ بنیادی نشان ہے جس سے ایک مسلمان پہچانا جاتا ہے، لہٰذا جو شخص دوسروں کو تکلیف پہنچاتا ہو وہ قانونی اور لفظی اعتبار سے خواہ مسلمان ہی کہلائے، لیکن ایک سچے مسلمان کی حقیقی صفات اور بنیادی علامتوں سے کوسوں دور ہے۔

پھر اس حدیث کے پہلے جملے میں تو الفاظ یہ ارشاد فرمائے گئے ہیں کہ "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں" لیکن اگلے ہی فقرے میں ارشاد ہے کہ "لوگوں کی جان و مال کو اس سے کوئی خطرہ نہ ہو" نیز صحیح ابن حبان کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

"من سلم الناس من لسانه ويده"

یعنی "جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام لوگ محفوظ رہیں"۔

جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ کسی بھی انسان کو تکلیف نہ پہنچائے خواہ وہ انسان مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ لہٰذا جس طرح کسی مسلمان کی ایذا رسانی سے بچنا مسلمان کیلئے ضروری ہے، اسی طرح کسی غیر مسلم کو بھی بلاوجہ پریشان کرنا یا تکلیف پہنچانا حرام ہے۔

بطور خاص ہاتھ اور زبان کا ذکر

پھر اس حدیث میں ہاتھ اور زبان کا ذکر محض اس لئے کر دیا گیا ہے کہ عام طور سے ایذ رسانی انہی راستوں سے ہوتی ہے، ورنہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو کسی بھی طرح کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے، نہ ہاتھ سے، نہ زبان سے اور نہ کسی اور طریقے سے۔

ہاتھ سے ایذاء پہنچانے کا مطلب

ہاتھ سے تکلیف پہنچانے کا مطلب تو ظاہر ہے کہ اس میں ناحق مار پیٹ لڑائی جھگڑا وغیرہ داخل ہے، لیکن زبان سے تکلیف پہنچانے میں بے شمار گناہ آ جاتے ہیں، مثلاً جھوٹ، دھوکہ فریب، بدعہدی، غیبت، چغل خوری، گالم گلوچ، یا کوئی بھی ایسی بات کہنا جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے یا اسے ذہنی یا جسمانی اذیت میں مبتلا ہونا پڑے، اور ان کے علاوہ بھی دوسرے کو

تکلیف پہنچانے کے جتنے طریقے تصور میں آسکتے ہیں ان سب کو اس حدیث میں ایسا ہی حرام قرار دیا گیا ہے جیسے چوری، ڈاکہ، شراب نوشی اور دوسرے کبیرہ گناہ حرام ہیں، چنانچہ اسلام نے اپنے ہر حکم میں دوسروں کو تکلیف سے بچانے کا خاص اہتمام کیا ہے، مثلاً حکم یہ ہے کہ جمعہ کے روز جب مسجد میں جاؤ تو لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ، نیز جمعہ کیلئے جاؤ تو نہا دھو کر جاؤ، کوئی بدبودار چیز کھا کر نہ جاؤ، تا کہ پاس بیٹھنے والوں کو تکلیف نہ پہنچے، نیز حکم ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے ایسی جگہ نہ کھڑے ہو کہ دوسروں کیلئے گزرنے کا راستہ بند ہو جائے، حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو ہر کام اتنی آہستگی سے کرتے تھے کہ کسی کی آنکھ نہ کھلے، اس لئے کہ اپنی نفلی عبادت کی خاطر دوسروں کو تکلیف پہنچانا اسلام کے مزاج کے بالکل خلاف ہے۔

تکلیف کی بعض دیگر صورتیں

پھر تکلیف پہنچانے کی بھی بعض صورتیں تو بالکل واضح ہوتی ہیں، مثلاً مار پیٹ، گالم گلوچ وغیرہ، لیکن بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا ارتکاب ہم محض بے پروائی اور بے خیالی میں کر گزرتے ہیں، مثلاً سڑک پر پھل کا چھلکا پھینکتے وقت کسی کے خیال میں یہ بات نہیں ہوتی کہ یہ کسی گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہے، حالانکہ اگر اس چھلکے کی وجہ سے کسی انسان پھسل کر گر پڑے تو اسکی تکلیف کا سارا گناہ اس شخص پر ہے جس نے وہ چھلکا بے جگہ پھینکا تھا، اور اس سے جتنے آدمیوں کو تکلیف پہنچے گی ان سب کا گناہ اسکے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔

اس طرح عام راستوں پر کوڑا کرکٹ ڈال دینا، سواری کو غلط جگہ کھڑا کرنا، بلا ضرورت لاؤڈ اسپیکر استعمال کر کے لوگوں کے آرام وسکون میں خلل انداز ہونا، جس سے لوگوں کو سخت تکلیف پہنچتی ہے، محض بے تہذیب اور ناشائستگی ہی نہیں ہے بلکہ اس حدیث کی رو سے شرعی گناہ بھی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کو اپنے ہر کام میں یہ سوچنا چاہئے کہ اس سے کوئی دوسرا شخص کسی ذہنی یا جسمانی تکلیف میں مبتلا تو نہیں ہوگا۔ اور جس کام سے کسی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو اس سے مکمل احتراز کرنا چاہئے۔ (از نشری تقریریں)

دیواریں یا نوٹس بورڈ؟

دنیا بھر کی باتیں دیوار پر

ہمارے معاشرے میں دیواروں پر اشتہارات نعرے اور اعلانات لکھنے یا چسپاں کرنے کا رواج اس قدر تشویش ناک حد تک بڑھ گیا ہے کہ اسے دیکھ کر شرم محسوس ہوتی ہے، میں نے دنیا کے تقریباً چالیس ملک دیکھے ہیں، لیکن برصغیر کے سوا کہیں دیواری تحریروں کا یہ طوفان دیکھنے میں نہیں آیا جو ہمارے ملک میں تیزی سے بڑھتا ہی جارہا ہے، ملک بھر میں شاید ہی کچھ خوش قسمت دیواریں ایسی ہوں جہاں کوئی نہ کوئی تحریر درج نہ ہو، ورنہ ملک بھر میں تقریباً ہر قابل ذکر دیوار پر کچھ نہ کچھ لکھا یا چپکا ہوا ضرور ملتا ہے، ڈاکٹروں اور حکیموں کے اشتہارات، سیاسی اور مذہبی جلسوں کے اعلانات، چندے اور قربانی کی کھالوں کی اپیلیں، سیاسی لیڈروں کی تعریف یا مذمت، انقلاب لانے کے پر جوش ارادے، انتخابی امیدواروں کی قابلیت اور خدمات کا تعارف، انتخابی منشوروں کے اہم نکات، سیاسی قائدین کے دعوے اور وعدے، حکومت اور مخالفین کو دھمکیاں، کارخانوں اور محکموں میں ہونے والی زیادتیوں کے خلاف احتجاج، یہاں تک کہ ذاتی مخالفین کے خلاف گالی گفتار، غرض دنیا بھر کی باتیں دیواروں پر درج ہوتی ہیں، اور ایسا لگتا ہے کہ ملک کی دیواریں اپنے مکینوں کو تحفظ دینے کے لئے نہیں، بلکہ ''آزادی تحریر'' کا مظاہرہ کرنے کیلئے بنی ہیں، اور ہر دیوار ایک ایسا مفت نوٹس بورڈ ہے جس کے استعمال کی نہ کوئی فیس ہے، نہ اس کے لئے کسی اجازت کی ضرورت ہے، اور نہ اس پر سنسر کی کوئی پابندی ہے، بلکہ لوگوں کو صلائے عام ہے کہ وہ جب چاہیں، جو چاہیں اور جتنی بھدی تحریر میں چاہیں، اس مفت نوٹس بورڈ پر اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے لئے لکھ جائیں، اور کسی ہلدی پھٹکری کے بغیر اپنی پبلسٹی کو حیات دوام عطا کردیں، کیونکہ جو بات اس نوٹس بورڈ پر لکھ دی گئی، وہ ایسا ''نوشتہ دیوار'' بن گئی کہ وقت گذر جانے کے بعد بھی اسکی آب و تاب میں

فرق نہیں آتا، چنانچہ الیکشن میں جن خادمانِ قوم کی ضمانتیں ضبط ہوئے بھی زمانہ گذر گیا، ان کے "واحد نمائندہ" ہونے کی گواہی آج بھی دیواروں پر ثبت ہے، جن جلسوں کو حاضرین کی کمی کی وجہ سے خرد برد ہوئے بھی مدتیں بیت گئیں، ان کے "تاریخی اجتماع" ہونے کی شہادت آج بھی "ریکارڈ" پر ہے، جو معالج حضرات اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ چکے، ان کی مسیحائی کا تذکرہ آج بھی زندہ جاوید ہے، غرض اس نوٹس بورڈ پر لگے ہوئے اعلانات کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں، جب تک انکی تحریر اپنی عمر طبعی کو نہ پہنچ جائے یا دیوار کا مالک اس پر چونا سفیدی کرا کر کسی دوسرے اعلان کے لئے جگہ صاف نہ کردے وہ ہر دور میں تازہ اور سدا بہار رہتے ہیں۔

ایک ذاتی واقعہ

ایک مرتبہ مجھے ایک پرائیویٹ کالج میں ایک ضرورت سے جانا پڑا، وہاں ان دنوں یونین کے انتخابات ہو رہے تھے، میں نے دیکھا کہ کالج کی صرف چار دیواری ہی نہیں، مرکزی عمارت کا بیرونی حصہ بھی نعروں اور اشتہارات سے پٹا پڑا ہے، اور میں نے باقاعدہ جائزہ لے کر دیکھا تو اس عمارت میں کوئی ایک فٹ جگہ بھی ایسی نہ تھی جس پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوا نہ ہو، اور بلا مبالغہ اس درسگاہ کی بلڈنگ باہر سے بے بسی کے عالم میں ایسی لگ رہی تھی جیسے کسی غذا پر مکھیاں چمٹ گئی ہوں، اور انہوں نے اسکی شکل تک چھپا دی ہو۔

یہ بھی گناہ میں داخل ہے

دیواری تحریروں کے اس اندھا دھند استعمال سے پوری قوم کی تہذیب اور شائستگی کے بارے میں جو برا اثر قائم ہوتا ہے، وہ تو اپنی جگہ ہے ہی، لیکن اس بات کا احساس بہت کم لوگوں کو ہے کہ یہ عمل دینی اعتبار سے ایک بڑا گناہ بھی ہے، جو چوری کے گناہ میں داخل ہے، ظاہر ہے کہ اکثر و بیشتر یہ تحریریں ایسی دیواروں پر لکھی جاتی ہیں جو لکھنے والے کی ملکیت میں نہیں ہوتیں، اور نہ دیوار کا مالک اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ اسکی عمارت پر یہ مینا کاری کی جائے، لہٰذا عموماً یہ تحریریں مالک کی مرضی کے بغیر، بلکہ اسکی شدید ناراضی کے باوجود لکھی

جاتی ہیں اور اس طرح دوسرے کی ملکیت کو ناجائز طور پر اپنے کام کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ آپ ﷺ نے دوسرے کی چیز کو اسکی خوش دلی کے بغیر استعمال کرنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے، اور اس کو حرام قرار دیا ہے، لیکن چونکہ دین کو ہم نے صرف نماز روزے کی حد تک محدود کر کے رکھ دیا ہے، اس لئے یہ کام کرتے وقت ہمیں یہ خیال نہیں آتا کہ ہم کتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں؟ جن گناہوں کا معاملہ براہ راست اللہ تعالیٰ اور بندے کے باہمی تعلق سے ہے، اور اس میں کسی دوسرے کے حق کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا، ان کا حال تو یہ ہے کہ جب بھی انسان کو ندامت ہو، اور سچی توبہ کی توفیق ہو جائے، وہ معاف ہو جاتے ہیں، لیکن جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور ان کے ذریعے کسی بندے کا حق پامال کیا گیا ہے، وہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے، جب تک متعلقہ حق دار معاف نہ کرے۔ لہٰذا ہم اعلان و اشتہار کے جوش میں جن جن اللہ کے بندوں کا حق پامال کر کے انکی املاک میں ناجائز تصرف کرتے ہیں، جب تک وہ سب معاف نہ کریں، اس گناہ کی معافی ممکن نہیں ہے۔

دیوار کی تحریر اور پوسٹر

جو حکم دیواروں پر تحریریں لکھنے کا ہے، وہی پوسٹر چپکانے کا بھی ہے، اگر قرائن سے اندازہ ہو کہ دیوار کا مالک اپنی دیوار پر پوسٹر چسپاں کرنے کو پسند نہیں کریگا تو اس دیوار پر اشتہار لگانا بھی شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں اگر کوئی جگہ اعلانات اور اشتہارات ہی کے لئے مخصوص ہے، جیسے مساجد میں یا بعض عوامی مقامات پر اسکا انتظام کیا جاتا ہے، یا کسی دیوار کے مالک سے اجازت لے لی گئی ہے، یا اس بات کا یقین ہے کہ وہ پوسٹر چسپاں کرنے کی بخوشی اجازت دیدے گا تو بیشک بات دوسری ہے۔

عہد رسالت کا ایک واقعہ

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ مشہور و معروف ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو شہر میں چلتے ہوئے تیمم کرنے کی ضرورت پیش آ گئی، آپ ﷺ نے ایک قریبی دیوار پر جا کر تیمم فرمایا، اس واقعے پر بحث کرتے ہوئے علماء فقہاء نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ آپ ﷺ

نے کسی دوسرے شخص کی دیوار پر تیمم کیسے فرمالیا؟ پھر اس کا جواب دیا ہے کہ تیمم کرنے سے دیوار کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اور یہ بات واضح تھی کہ کوئی بھی شخص اپنی دیوار سے تیمم کرنے کو منع نہیں کرسکتا۔ اس لئے آپ ﷺ نے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی، یہ جواب تو اپنی جگہ ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب تیمم جیسے بے ضرر کام کے بارے میں یہ سوال پیدا ہورہا ہے تو دیواروں کو جان بوجھ کر خراب کرنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟

موجودہ معاشرتی روش

یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ معاشرے میں ان دیواری تحریروں کا اتنا رواج عام اور لوگوں کا اس سے منع نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ لوگ اپنی دیواروں کے اس استعمال پر راضی ہو گئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ لوگ راضی نہیں، بے بس ہیں، ہمارے ایک دوست نے اپنے مکان کی چار دیواری پر تازہ تازہ رنگ کرایا تو کچھ صاحبان اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسی دن پہنچ گئے، اور اس صاف شفاف دیوار پر اپنی خوشنویسی کا مظاہرہ شروع کر دیا، ہمارے دوست نے ان سے التجا کی کہ یہ دیوار آج ہی سفیدی ہو کر تیار ہوئی ہے، کم از کم کچھ دن کے لئے اسے معاف کر دیں، لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گھر میں پتھر آنے شروع ہو گئے، (غنیمت ہو کہ گولیاں نہیں آئیں) انہوں نے سوچا کہ گھر والوں کے زخمی ہونے اور شیشوں کے ٹوٹنے سے بہتر ہے، کہ دیوار کی بدزیبی گوارا کر لی جائے، چنانچہ وہ چپ ہو کر بیٹھ گئے، اور ''نوشتہ دیوار'' پڑھ لیا۔

ظاہر ہے کہ اگر ان حالات میں لوگ چپ رہیں تو ان کی خاموشی کو رضامندی سمجھنا ان پر دوہرا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

گذارشات کا مقصد

ان گذارشات کا مقصد، خدانہ کرے، کسی کی دل آزاری نہیں، نہ صرف تنقید برائے تنقید پیش نظر ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ معاشرے میں کسی غلط کام کے رواج پا جانے سے بعض اوقات اس کے غلط ہونے کی طرف توجہ نہیں ہوتی، اور لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی وہ

9 غلطی کرتے چلے جاتے ہیں، ہم دن رات نہ جانے اس طرح کی کتنی غلطیاں کرتے ہیں، لیکن جب کبھی از خود یا کسی کے توجہ دلانے سے ایک مرتبہ توجہ ہو جاتی ہے تو پھر اس غلطی پر اصرار نہیں ہونا چاہئے، مجھے امید بلکہ یقین ہے کہ بہت سے حضرات صرف اس لئے دیواروں پر لکھنے میں کوئی عیب محسوس نہیں کرتے کہ انہیں اس کے گناہ ہونے کا علم نہیں، یا اسکی طرف دھیان نہیں ہوا، اگر ان کو توجہ ہو جائیگی تو وہ یقیناً یہ عمل ترک کر دیں گے، اور خود میرے علم میں ایسی مثالیں ہیں کہ لوگ ایک مدت تک عام رواج کی وجہ سے یہ کام کرتے رہے، لیکن توجہ ہو جانے کے بعد انہوں نے پبلسٹی کا یہ طریقہ چھوڑ دیا، اور اسکی وجہ سے اپنے نقصان کی بھی پروا نہیں کی، خدا کرے کہ ہمارے معاشرے میں یہ روایت قائم ہو، فروغ پائے اور ترقی کرے اور ہم اپنے دین کی ان سنہری تعلیمات کے ذریعے ایک پاکیزہ اور صاف ستھرا ماحول پیدا کرنے کی لگن پیدا کر سکیں، جب ضمیر کے تقاضے سے بے قاعدگیاں کم ہونگی تو جو لوگ دھونس دھاندلی سے بے قاعدگیاں کرتے ہیں ان شاء اللہ انہیں لگام دینے کا راستہ بھی نکلے گا۔ (ذکر و فکر)

سڑکوں کا ناجائز استعمال

مال مفت دل بے رحم

جو چیزیں کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں ہوتی ہیں ان کے بارے میں تو تھوڑا بہت احساس لوگوں کو ہو بھی جاتا ہے، لیکن جو چیزیں "سرکاری املاک" کہلاتی ہیں، ان کے بارے میں واقعی "مال مفت دل بے رحم" کی مثل صادق آتی ہے۔ ان پر قبضہ کر لینا ان کو خلاف قانون استعمال کرنا یا بے دردی سے استعمال کرنا ایسی عام بات ہو گئی ہے جس پر انگلیاں بھی نہیں اٹھتیں، حالانکہ سرکاری اشیاء برسر اقتدار افراد کی ملکیت نہیں ہوتیں، پوری قوم کی ملکیت ہوتی ہیں اور ان کا ناجائز استعمال صرف کسی ایک شخص کی نہیں سارے عوام کی حق تلفی ہے، اور یہ "حقوق العباد" کا اتنا خطرناک شعبہ ہے کہ اس میں اگر کوئی حق تلفی ہو جائے تو اس گناہ کی معافی انتہائی مشکل ہے، اس لئے کہ حقوق العباد کے گناہ صرف توبہ اور استغفار سے معاف نہیں ہوتے، بلکہ ان کی معافی کے لئے اس شخص کا معاف کرنا ضروری ہے جس کا حق پامال کیا گیا، اب اگر وہ شخص ایک ہو اور معلوم ہو تو اس سے معافی مانگی جا سکتی ہے، لیکن سرکاری املاک کے حق دار چونکہ سارے عوام ہیں اس لئے اگر کبھی ندامت اور توبہ کی توفیق ہو تو آدمی کس کس سے معافی مانگتا پھرے گا؟

دعوت فکر

یہ بات مدنظر رکھتے ہوئے ان چند تصرفات پر غور فرمایئے جو ہمارے معاشرے میں بُری طرح پھیلے ہوئے ہیں۔

(۱) سرکاری زمینوں پر تجاوزات اسی قسم کی غاصبانہ کارروائی ہے جس کا تعلق حقوق العباد کے اس سنگین شعبے سے ہے، ہمارے علماء نے فقہ کی کتابوں میں اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ جس شخص کا مکان سڑک کے کنارے واقع ہو، وہ اپنی کھڑکی پر سائبان لگا سکتا ہے یا نہیں؟

اور اگر لگا سکتا ہے تو زیادہ سے زیادہ کتنا لمبا چوڑا؟ حالانکہ سائبان لگانے سے زمین کے کسی حصے پر قبضہ نہیں ہوتا، بلکہ فضا کا بہت تھوڑا سا حصہ استعمال ہوتا ہے، نیز یہ مسئلہ بھی فقہاء کے یہاں زیر بحث آیا ہے کہ جس شخص نے عام لوگوں کی گذرگاہ پر راستہ روک کر دکان لگالی ہو اس سے کوئی چیز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اس شخص نے چونکہ عوام کا حق غصب کر رکھا ہے لہٰذا اس سے سودا خریدنا اسکی غاصبانہ کارروائی میں تعاون ہے، اس لئے اس سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں، بعض دوسرے فقہاء اگرچہ اس حد تک نہیں گئے، لیکن انہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر یہ امید ہو کہ سودا نہ خریدنے سے اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائے گا تو اس سے واقعی سودا نہ خریدنا چاہئے، اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی قانون تجاوزات کے بارے میں کتنا حساس ہے؟

تجاوزات کی بھرمار

ہمارے معاشرے میں تجاوزات کوئی قابل ذکر عیب ہی نہیں رہے جس کا جی چاہتا ہے وہ اپنے مکان یا دکان کے گرد یا پوری کی پوری سرکاری زمین پر قبضہ جما کر بیٹھ جاتا ہے، بلکہ ہمارے گردوپیش میں جس طرح یہ تجاوزات پھیلے ہوئے ہیں ان میں ایک نہیں کئی کئی گناہ بیک وقت جمع ہیں، اول تو عوامی زمین پر ناجائز قبضہ ہی بڑا سنگین گناہ ہے، دوسرے عموماً ان تجاوزات سے راستہ چلنے والوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے، اور راہ گیروں کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا ایک مستقل گناہ ہے، جس پر حدیث میں سخت وعید آئی ہے، تیسرے ہمارے ماحول میں یہ تجاوزات رشوت خوری کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ بنی ہوئی ہیں کیونکہ انہیں باقی رکھنے کیلئے متعلقہ اہلکار کو "بھتہ" دینا پڑتا ہے، اور یہ بھتہ ایک مرتبہ دینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ ہفتہ وار یا ماہانہ تنخواہ کی طرح اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے اہلکاروں سے یہی چاہتے ہیں اور اس کی پوری کوشش بھی کرتے ہیں کہ یہ تجاوزات ختم نہ ہوں، تاکہ ان کی "آمدنی" کا یہ ذریعہ بند نہ ہونے پائے، لہٰذا انکو اپنے فرائض سے غافل کرنے بلکہ فرائض کے برعکس کام کرنے کا گناہ بھی اس میں شامل ہو تو بعید نہیں۔

تقریبات کیلئے راستوں کی بندش

(۴) اس طرح ہمارے ملک میں یہ بھی عام رواج ہو گیا ہے کہ جلسوں اور تقریبات کے لئے چلتی ہوئی سڑک روک کر شامیانے اور قناتیں لگالی جاتی ہیں، اور اس کے نتیجے میں آنے جانے والی گاڑیوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور ٹریفک کے نظام میں بعض اوقات شدید خلل واقع ہو جاتا ہے، یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے سامنے سے گذرنا جائز نہیں، اور احادیث میں اس بات کی سخت تاکید کی گئی ہے کہ کوئی بھی شخص کسی نمازی کے سامنے سے نہ گذرے، لیکن ساتھ ہی شریعت نے نماز پڑھنے والے کو یہ بھی ہدایت کی ہے کہ وہ ایسی جگہ نماز پڑھنا شروع نہ کرے جہاں لوگوں کو گذرنے میں دشواری ہو، مثلاً مسجد کا صحن اگر کھلا ہوا ہے تو صحن کے بیچوں بیچ یا اس کے آخری سرے پر نماز کیلئے کھڑے ہو جانا اس صورت میں جائز نہیں جب سامنے لوگوں کے گذرنے کی جگہ ہو اور نماز شروع کرنے کی وجہ سے انہیں لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑتا ہو، لہٰذا حکم یہ دیا گیا ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھو جہاں یا تو سامنے کوئی ستون وغیرہ ہو جس کے پیچھے سے لوگ گذر سکیں یا سامنے نمازی ہی کی صفیں ہوں۔ اگر کوئی شخص اس ہدایت کا خیال نہ رکھے اور صحن کے بیچوں بیچ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ ایسی صورت میں کوئی شخص نمازی کے سامنے سے گذرنے پر مجبور ہو جائے تو اس کے گذرنے کا گناہ نماز پڑھنے والے پر ہو گا سامنے سے گذرنے والے پر نہیں۔

غور فرمایئے کہ مسجدیں عموماً بہت بڑی نہیں ہوتیں، اور اگر کسی شخص کو چکر کاٹ کر نکلنا پڑے تو اس کے ایک دو منٹ سے زیادہ خرچ نہیں ہوتے، لیکن شریعت نے اس ایک دو منٹ کی تکلیف یا تاخیر کو بھی گوارا نہیں کیا، اور نمازی کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ لوگوں کو اس معمولی تکلیف سے بھی بچائے ورنہ گناہ گار وہ خود ہو گا۔

معمولی تکلیف کے دور رس نتائج

جب شریعت کو یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی شخص ہماری وجہ سے اس معمولی تکلیف میں مبتلا ہو

تو سڑک کو بالکل بند کر کے لوگوں کو دور کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ بالخصوص آج کی مصروف زندگی میں اگر کسی شخص کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں چند منٹ کی تاخیر بھی ہو جائے تو بعض اوقات اس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے، کسی بیمار کو اسپتال پہنچانا ہو یا کسی بیمار کے لئے دوا لے جانی ہو یا کوئی مسافر ریلوے اسٹیشن یا ہوئی اڈے پہنچنا چاہتا ہو، اور ہمارے جلسے یا تقریب کی وجہ سے اسے پانچ یا دس منٹ کی تاخیر ہو جائے تو کہنے کو یہ تاخیر پانچ دس منٹ کی ہے، لیکن اس تاخیر کے نتیجے میں بیمار رخصت بھی ہو سکتا ہے مسافر اپنے سفر سے بالکلیہ یہ محروم بھی ہو سکتا ہے، اور جن جن لوگوں کو اس طرح کا نقصان پہنچا ہو ہمیں نہ ان کا نام معلوم ہے نہ پتہ اور نہ نقصان کی نوعیت، لہٰذا اگر اس گناہ کی تلافی کرنا بھی چاہیں تو اس کا کوئی راستہ اختیار میں نہیں، ذاتی طور پر مجھے تو ان جلسوں کا شرعی جواز بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے جو گھنٹوں کے لئے آمد ورفت کا نظام درہم برہم کر کے عام لوگوں کو ناقابل بیان اذیتوں میں مبتلا کر دیتے ہیں، کیونکہ یہ ساری خرابیاں ان میں بھی بہ درجہ اتم موجود ہیں۔

سڑک یا کرکٹ کا میدان

(۴) یہ مناظر بھی بکثرت دیکھنے میں آتے ہیں کہ سڑکوں کو کرکٹ کا میدان بنالیا جاتا ہے، اور سڑک کے بیچوں بیچ وکٹ یا وکٹ نما کوئی چیز نصب کر کے باقاعدہ کھیل شروع ہو جاتا ہے، آس پاس کی ہر کھڑی یا چلتی ہوئی گاڑی بیٹسمین کے چوکوں کی زد میں ہوتی ہے، اور گیند کے پیچھے دوڑتے ہوئے فیلڈر آنے جانے والی گاڑی کی زد میں، یہ منظر گلیوں اور چھوٹی سڑکوں پر تو نظر آتا ہی رہتا ہے، لیکن کچھ عرصے پہلے دیکھا کہ ایک ایسے مین روڈ پر باقاعدہ میچ ہو رہا تھا جہاں عام طور سے گاڑیاں ساٹھ ستر کلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے دوڑتی ہیں، یہ عوامی سڑک کا سراسر ناجائز استعمال تو ہے ہی خود کھیلنے والوں کے لحاظ سے بھی اقدام خودکشی سے کم نہیں، گیند کے پیچھے دوڑنے والے کے تمام تر ہوش وحواس گیند پر مرکوز ہوتے ہیں، اور وہ یکایک پیش آجانے والی کسی صورت حال کی وجہ سے اپنے جسم کو کنٹرول کرنے پر قادر نہیں ہوتا، لہٰذا اچانک کوئی گاڑی سامنے آجائے تو کوئی بھی حادثہ پیش آسکتا ہے، اور

اس قسم کے حادثات پیش آ بھی چکے ہیں، اور جب اس کھیل کے نتیجے میں جانیں تک چلی گئی ہیں تو گاڑیاں اور ان کے شیشے ٹوٹنے کا کیا شمار؟

ذمہ دار کون؟

اس صورت حال کی ذمہ داری ان نوعمر کھیلنے والوں سے زیادہ ان کے والدین، سرپرستوں اور ان سرکاری کارندوں پر عائد ہوتی ہے جو انہیں اس خطرناک کھیل میں مصروف دیکھتے ہیں، اور اس سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کرتے، دوسری طرف بڑے شہروں میں کھیل کے میدانوں کی کمی بھی اس صورت حال کا سبب ہے۔ جس کی طرف حکومت کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

غلط پارکنگ ناجائز

(۴) سڑکوں پر بے جگہ گاڑیوں کی پارکنگ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس میں ہم انتہائی بے حسی کا شکار ہیں۔ چھوٹی گاڑیاں تو ایک طرف رہیں بڑی بڑی ویگنیں اور بسیں بھی ایسی جگہ کھڑی کردی جاتی ہیں کہ آنے جانے والوں کا راستہ بند ہوجاتا ہے، یا گذرنے والوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چونکہ ہم نے دین کو صرف نماز روزے ہی کی حد تک محدود کر رکھا ہے، اس لئے یہ عمل کرتے وقت کسی کو یہ دھیان نہیں آتا کہ وہ محض بے قاعدگی کا نہیں بلکہ ایک ایسے بڑے گناہ کا مرتکب ہورہا ہے۔ جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اول تو جس جگہ پارکنگ ممنوع ہے اس جگہ گاڑی کھڑی کردینا اس عوامی جگہ کا ناجائز استعمال ہے، جو غصب کے گناہ میں داخل ہے، دوسرے حاکم کے ایک جائز حکم کی خلاف ورزی ہے، تیسرے اس باقاعدگی کے نتیجے میں جس جس شخص کو تکلیف پہنچے گی، اسے تکلیف پہنچانے کا گناہ الگ ہے اس طرح یہ عمل جو غفلت اور بے دھیانی کے عالم میں روزمرہ ہوتا ہے، بیک وقت کئی گناہوں کا مجموعہ ہے، جن پر دنیا میں چالان ہو یا نہ ہو، آخرت میں ضرور باز پرس ہوگی۔

اسی طرح بعض جگہ پارکنگ قانوناً ممنوع نہیں ہوتی، لیکن گاڑی اس انداز سے کھڑی کر دی جاتی ہے کہ آگے پیچھے کی گاڑیاں سرک نہیں سکتیں، یا گذرنے والوں کو کوئی اور تکلیف پیش آتی ہے، یہ عمل بھی دینی اعتبار سے سراسر ناجائز اور گناہ ہے۔

فقہی احکام کی جامعیت

ہماری فقہ کی قدیم کتابیں اس زمانے میں لکھی گئی ہیں جب خود کار گاڑیوں (آٹو موبائلز) کا رواج نہیں تھا، اور سفر کے لئے عموماً جانور استعمال ہوتے تھے، اس لئے ٹریفک کا نظام اتنا پیچیدہ نہیں تھا جتنا آج ہے، اس کے باوجود ہمارے فقہائے کرام نے سڑکوں پر چلنے اور گاڑیوں کے ٹھہرانے کے بارے میں شرعی احکام کی تفصیل نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کی ہے، اور اس سے اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اور اس بات کا بھی کہ اسلام میں نظم وضبط اور حقوق العباد کی کتنی اہمیت ہے؟ اس کا تقاضا یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہمارا نظم وضبط اور ہماری تہذیب وشائستگی مثالی ہو، لیکن افسوس ہے کہ اپنی غفلت اور بے دھیانی کی وجہ سے ہم اس قسم کے بے شمار گناہ روزانہ اپنے نامہ اعمال میں شامل کر کے اپنی آخرت بھی خراب کر رہے ہیں، اور دنیا بھر کو اپنے بارے میں وہ تاثر بھی دے رہے ہیں جو نہ صرف ہم سے نفرت کا باعث بنتا ہے بلکہ اسلام کی چمکتی ہوئی تعلیمات پر ہماری بدعملی کا نقاب ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ دین کا صحیح حسن دیکھنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ (از ذکر وفکر)

لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال

ظلم کی تعریف

ظلم صرف یہ ہی نہیں ہے کہ کسی کا مال چھین لیا جائے، یا اسے جسمانی تکلیف پہنچانے کے لئے اس پر ہاتھ اٹھایا جائے، بلکہ عربی زبان میں ''ظلم'' کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''کسی بھی چیز کو بے جگہ استعمال کرنا ظلم ہے'' چونکہ کسی چیز کا بے محل استعمال یقیناً کسی نہ کسی کو تکلیف پہنچانے کا موجب ہوتا ہے، اس لئے ہر ایسا استعمال ''ظلم'' کی تعریف میں داخل ہے، اور اگر اس سے کسی انسان کو تکلیف پہنچی ہے تو وہ شرعی اعتبار سے گناہ کبیرہ بھی ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں اس طرح کے بہت سے گناہ کبیرہ اس طرح رواج پا گئے ہیں کہ اب عام طور سے ان کے گناہ ہونے کا احساس بھی باقی نہیں رہا۔

''ایذا رسانی'' کی ان بیشمار صورتوں میں سے ایک انتہائی تکلیف دہ صورت لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال ہے۔ ابھی چند روز پہلے ایک انگریزی روزنامے میں ایک صاحب نے شکایت کی ہے کہ بعض شادی ہالوں میں رات تین بجے تک لاؤڈ اسپیکر پر گانے بجانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اور آس پاس کے بسنے والے بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں، اور ایک شادی ہال پر کیا موقوف ہے؟ ہر جگہ دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ جب کوئی شخص کہیں لاؤڈ اسپیکر نصب کرتا ہے تو اسے اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ اسکی آواز کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھا جائے، اور آس پاس کے ان ضعیفوں اور بیماروں پر رحم کیا جائے جو یہ آواز سننا نہیں چاہتے۔

لاؤڈ اسپیکر اور مذہبی پروگرام

گانے بجانے کا معاملہ تو الگ رہا، کہ اسکو بلند آواز سے پھیلانے میں دُہری برائی ہے، اگر کوئی خالص دینی اور مذہبی پروگرام ہو تو اس میں بھی لوگوں کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے زبردستی شریک کرنا شرعی اعتبار سے ہرگز جائز نہیں ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں سیاسی اور مذہبی پروگرام منعقد کرنے والے حضرات بھی شریعت کے اس اہم

حکم کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ سیاسی اور مذہبی جلسوں کے لاؤڈ اسپیکر بھی دور دور تک مار کرتے ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی شخص اپنے گھر میں نہ آرام سے سوسکتا ہے، نہ یکسوئی کے ساتھ اپنا کوئی کام کر سکتا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان کی آواز دور تک پہنچانا تو برحق ہے، لیکن مسجدوں میں جو وعظ اور تقریریں یا ذکر و تلاوت لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں، ان کی آواز دور دور تک پہنچانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد میں بہت تھوڑے سے لوگ وعظ یا درس سننے کے لئے بیٹھے ہیں جنکو آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے، یا صرف اندرونی ہارن سے بآسانی کام چل سکتا ہے، لیکن بیرونی لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھلا ہوتا ہے، اور اس کے نتیجے میں یہ آواز محلے کے گھر گھر میں اس طرح پہنچتی ہے کہ کوئی شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

ایک ذاتی واقعہ

مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ لاہور گیا، جس مکان میں میرا قیام تھا، اس کے تین طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے سے تین مسجدیں تھیں، جمعہ کا دن تھا، فجر کی نماز کے فوراً بعد سے تینوں مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھل گئے، اور پہلے درس شروع ہوا، پھر بچوں نے تلاوت شروع کردی، پھر نظمیں اور نعتیں پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا، یہاں تک کہ فجر کے وقت سے جمعہ تک یہ "مذہبی پروگرام" اس طرح بے تکان جاری رہے کہ گھر میں کسی کو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس گھر میں اس وقت کوئی بیمار نہیں تھا، لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ کوئی شخص بیمار ہوتو اس کو سکون کے ساتھ لٹانے کا اس ماحول میں کوئی راستہ نہیں۔

بعض مسجدوں کے بارے میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہاں خالی مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر ٹیپ چلا دیا جاتا ہے، مسجد میں سننے والا کوئی نہیں ہوتا لیکن پورے محلے کو یہ ٹیپ زبردستی سننا پڑتا ہے۔

دعوت فکر

دین کی صحیح فہم رکھنے والے اہل علم خواہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں، کبھی یہ کام نہیں کر سکتے، لیکن ایسا ان مسجدوں میں ہوتا ہے جہاں کا انتظام علم دین سے ناواقف حضرات کے ہاتھ میں ہے۔ بسا اوقات یہ حضرات پوری نیک نیتی سے یہ کام کرتے ہیں، وہ اسے دین کی تبلیغ کا ایک ذریعہ سمجھتے اور اسے دین کی خدمت قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے معاشرے میں

یہ اصول بھی بہت غلط مشہور ہو گیا ہے کہ نیت کی اچھائی سے کوئی غلط کام بھی جائز اور صحیح ہو جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ کسی کام کے درست ہونے کے لئے صرف نیک نیتی ہی کافی نہیں، اس کا طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے۔ اور لاؤڈ اسپیکر کا ایسا ظالمانہ استعمال نہ صرف یہ کہ دعوت وتبلیغ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے، بلکہ اس کے اُلٹے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

چند نکات

جن حضرات کو اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی ہو، ان کی خدمت میں دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ چند نکات ذیل میں پیش کرتا ہوں:

(۱) مشہور محدث حضرت عمر بن شبہؒ نے مدینہ منورہ کی تاریخ پر چار جلدوں میں بڑی مفصل کتاب لکھی ہے، جس کا حوالہ بڑے بڑے علماء ومحدثین ہمیشہ دیتے رہے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے ایک واقعہ اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک واعظ صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے بالکل سامنے بہت بلند آواز سے وعظ کہا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ وہ زمانہ لاؤڈ اسپیکر کا نہیں تھا، لیکن ان کی آواز بہت بلند تھی، اور اس سے حضرت عائشہؓ کی یکسوئی میں فرق آتا تھا، یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، اس لئے حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ یہ صاحب بلند آواز سے میرے گھر کے سامنے وعظ کہتے رہتے ہیں، جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے، اور مجھے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ حضرت عمرؓ نے ان صاحب کو پیغام بھیج کر انہیں وہاں وعظ کہنے سے منع کیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد واعظ صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ پھر شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود جا کر ان صاحب کو پکڑا، اور ان پر تعزیری سزا جاری کی۔

اسلامی معاشرت کی وضاحت

(۲) بات صرف یہ نہیں تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتی تھیں، بلکہ دراصل وہ اسلامی معاشرت کے اس اصول کو واضح اور نافذ کرنا چاہتی تھیں کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، نیز یہ بتانا چاہتی تھیں کہ دین کی دعوت وتبلیغ کا پُروقار طریقہ کیا ہے؟ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مدینہ منورہ کے ایک واعظ کو وعظ وتبلیغ کے

آداب تفصیل کے ساتھ بتائے، اور ان آداب میں یہ بھی فرمایا کہ:

''اپنی آواز کو انہی لوگوں کی حد تک محدود رکھو جو تمہاری مجلس میں بیٹھے ہیں اور انہیں بھی اسی وقت تک دین کی باتیں سناؤ جب تک ان کے چہرے تمہاری طرف متوجہ ہوں، جب وہ چہرے پھیر لیں، تو تم بھی رک جاؤ...... اور ایسا کبھی نہ ہونا چاہئے کہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں، اور تم ان کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کر دو، بلکہ ایسے موقعہ پر خاموش رہو، پھر جب وہ تم سے فرمائش کریں تو انہیں دین کی بات سناؤ''۔ (مجمع الزوائد، ج:۱، ص:۱۹۱)

(۳) حضرت عطاء بن ابی رباحؒ بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، علم تفسیر وحدیث میں ان کا مقام مسلم ہے، ان کا مقولہ ہے کہ

''عالم کو چاہئے کہ اسکی آواز اس کی اپنی مجلس سے آگے نہ بڑھے''

(۴) یہ سارے آداب درحقیقت خود حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے تعلیم فرمائے ہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس سے گذرے، وہ تہجد کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ وہ بلند آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ''میں سوتے کو جگاتا ہوں، اور شیطان کو بھگاتا ہوں'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنی آواز کو تھوڑا پست کردو''۔ (مشکوٰۃ، ج:۱، ص ۱۰۷)

اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے بستر سے آہستگی کے ساتھ اٹھتے تھے (تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو)۔

(۵) انہی احادیث و آثار کی روشنی میں تمام فقہاء امتؒ اس بات پر متفق ہیں کہ تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز سے تلاوت کرنا جس سے کسی کی نیند خراب ہو، ہرگز جائز نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے جبکہ لوگ سو رہے ہوں تو تلاوت کرنے والا گناہ گار ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

ایک سوال کا متفقہ جواب

ایک مرتبہ ایک صاحب نے یہ سوال ایک استفتاء کی صورت میں مرتب کیا تھا کہ بعض

مساجد میں تراویح کی قرأت لاؤڈ اسپیکر پر اتنی بلند آواز سے کی جاتی ہے کہ اس سے محلے کی خواتین کے لئے گھروں میں نماز پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے، نیز جن مریض اور کمزور لوگوں کو علاجاً جلدی سونا ضروری ہو وہ سو نہیں سکتے، اس کے علاوہ باہر کے لوگ قرآن کریم کی تلاوت ادب سے سننے پر قادر نہیں ہوتے۔ اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تلاوت کے دوران کوئی سجدے کی آیت آجاتی ہے، سننے والوں پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے، اور یا تو ان کو پتہ ہی نہیں چلتا، یا وہ وضو سے نہیں ہوتے، اس لئے سجدہ نہیں کر سکتے، اور بعد میں بھول ہو جاتی ہے۔ کیا ان حالات میں تراویح کے دوران بیرونی لاؤڈ اسپیکر زور سے کھولنا شرعاً جائز ہے؟

یہ سوال مختلف علماء کے پاس بھیجا گیا، اور سب نے متفقہ جواب یہی دیا کہ ان حالات میں تراویح کی تلاوت میں بیرونی لاؤڈ اسپیکر بلا ضرورت زور سے کھولنا شرعاً جائز نہیں ہے، یہ فتوی ماہنامہ ''البلاغ'' کی محرم ۱۳۹۷ھ کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے، اس پر تمام مکاتب فکر کے علماء متفق ہیں۔

احترام رمضان

اب رمضان کا مقدس مہینہ شروع ہونے والا ہے، یہ مہینہ ہم سے شرعی احکام کی سختی کے ساتھ پابندی کا مطالبہ کرتا ہے، یہ عبادتوں کا مہینہ ہے، اور اس میں نماز، تلاوت اور ذکر جتنا بھی ہو سکے، باعث فضیلت ہے۔ لیکن ہمیں چاہئے کہ یہ ساری عبادتیں اس طرح انجام دیں کہ ان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اور ناجائز طریقوں کی بدولت ان عبادتوں کا ثواب ضائع نہ ہو۔ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صرف بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کیا جائے، اس سے آگے نہیں۔

مذکورہ بالا گذارشات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شریعت نے دوسروں کو تکلیف سے بچانے کا کتنا اہتمام کیا ہے؟ جب قرآن کریم کی تلاوت اور وعظ و نصیحت جیسے مقدس کاموں کے بارے میں بھی شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ ان کی آواز ضرورت کے مقامات سے آگے نہیں بڑھنی چاہئے، تو گانے بجانے اور دوسری لغویات کے بارے میں خود اندازہ کر لیجئے کہ انکو لاؤڈ اسپیکر پر انجام دینے کا کس قدر دہرا وبال ہے؟ (از ذکر و فکر)

مزاج و مذاق کی رعایت

عن ابی ذرالغفاری رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: خالقواالناس باخلاقهم. او کما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم (اتحاف السادۃ المتقین)

تمہید

حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں کے ساتھ ان کے مزاج و مذاق اور اخلاق کے مطابق برتاؤ کرو یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے کہ انسان کو جن لوگوں سے واسطہ پڑے ان کے مزاج اور مذاق کی رعایت کرے اور وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو ان کے مزاج و مذاق کے خلاف ہو اور جس سے ان کو تکلیف پہنچے۔ چاہے وہ کام فی نفسہ جائز ہو حرام اور ناجائز کام نہ ہو لیکن یہ خیال کر کے کہ اس کام کے کرنے سے ان کے مزاج پر بار ہوگا تو وہ کام نہ کیا جائے تا کہ اس سے ان کی طبیعت پر کوئی گرانی پیدا نہ ہو۔

''دوسرے کے مزاج و مذاق کی رعایت'' دینی معاشرت کے ابواب میں ایک بڑا عظیم باب ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ انہوں نے اس باب کو واضح کیا ہے اس لئے کہ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بڑا عظیم پہلو ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے مزاج کی رعایت

چنانچہ حدیث شریف میں واقعہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما تھے اور آپ اس حالت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے ایک تہبند پہنا ہوا تھا اور وہ تہبند کافی اوپر تک چڑھا ہوا تھا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ گھٹنے تک چڑھا ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب گھٹنے کا حصہ ستر میں داخل قرار نہیں دیا گیا تھا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ گھٹنے ڈھکے ہوئے تھے اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں آپ نے اندر آنے کی اجازت دے دی وہ اندر آ کر آپ کے پاس بیٹھ گئے اور آپ جس انداز میں بیٹھے ہوئے تھے اسی انداز میں بیٹھے رہے اور آپ کے پاؤں مبارک کھلے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر دروازے پر دستک ہوئی پتہ چلا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں۔ آپ نے ان کو بھی اندر آنے کی اجازت دے دی وہ بھی آ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے آپ اسی حالت میں بیٹھے رہے اور اپنی ہیئت میں آپ نے کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ آپ نے پوچھا کہ کون ہیں؟ پتہ چلا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں آپ نے فوراً اپنا تہبند نیچے کر کے اپنے پاؤں مبارک اچھی طرح ڈھک لئے۔ پھر فرمایا کہ ان کو اندر بلا لو چنانچہ وہ بھی اندر آ کر بیٹھ گئے۔

ان سے تو فرشتے بھی حیا کرتے ہیں

ایک صاحب یہ سب منظر دیکھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے اپنا تہبند نیچے نہیں کیا بلکہ ویسے ہی بیٹھے رہے جب حضرت فاروق اعظم تشریف لائے تب بھی آپ اسی طرح بیٹھے رہے لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے اپنی ہیئت میں تبدیلی پیدا فرمائی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: میں اس شخص سے کیوں حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

کامل الحیاء والایمان

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خاص وصف ''حیاء'' تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ''حیاء'' میں ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا اور آپ کا لقب ''کامل الحیاء والایمان'' تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام صحابہ کے مزاجوں سے واقف تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جانتے تھے کہ ان کے اندر حیا بہت ہے اگرچہ گھٹنے تک پاؤں کھلا ہونا

کوئی ناجائز بات نہیں تھی اس لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آنے پر بھی کھلا رکھا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آنے پر بھی کھلا رکھا لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آنے پر یہ سوچا کہ چونکہ ان کی طبیعت میں حیاء زیادہ ہے اگر ان کے سامنے اسی طرح بیٹھا رہوں گا تو ان کی طبیعت پر ناگوار ہوگا اور ان کی طبیعت پر بار ہوگا۔ اس وجہ سے ان کے اندر آنے سے پہلے پاؤں کو ڈھک لیا اور تہبند کو نیچے کر لیا۔

وہ حضرات صحابہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے ان کے مزاجوں کی آپ نے اتنی رعایت فرمائی۔ فرض کریں کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آنے پر اسی طرح بیٹھے رہتے جس طرح بیٹھے ہوئے تھے تو ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا شکوہ ہو سکتا تھا لیکن آپ نے اس بات کی تعلیم دے دی کہ تمہارے تعلق والوں میں جو شخص جیسا مزاج رکھتا ہو اس کیساتھ ویسا ہی برتاؤ کرو۔ دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کتنی باریک بینی سے اپنے رفقاء کے مزاجوں کا خیال فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے مزاج کی رعایت

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر (رضی اللہ عنہ) میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے میں نے خواب میں جنت دیکھی اور اس جنت میں ایک بڑا عالیشان محل بنا ہوا دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر (رضی اللہ عنہ) کا محل ہے ان کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ وہ محل مجھے اتنا اچھا لگا کہ میرا دل چاہا کہ اندر چلا جاؤں اور اندر جا کر دیکھوں کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کا محل کیسا ہے لیکن پھر اے عمر (رضی اللہ عنہ) تمہاری غیرت یاد آ گئی کہ تمہاری طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے غیرت بہت رکھی ہے مجھے یہ خیال ہوا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) سے پہلے ان کے محل میں داخل ہو جانا اور اس کو دیکھنا ان کی غیرت کے مطابق نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے میں اس محل میں داخل نہیں ہوا۔ جب

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو رو پڑے اور عرض کیا کہ:

او علیک یا رسول اللہ اغار

یا رسول اللہ! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا؟ اگر غیرت ہے بھی تو وہ دوسروں کے حق میں ہے کیا آپ پر غیرت کروں گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے محل میں کیوں داخل ہوئے۔

ایک ایک صحابی کی رعایت کی

آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کیسے لطیف پیرائے میں اپنے اصحاب کے مزاجوں کی رعایت کی۔ یہ نہیں تھا کہ چونکہ ہم امام ہیں اور یہ ہمارے مقتدی ہیں ہم پیر ہیں اور یہ ہمارے مرید ہیں ہم استاد ہیں اور یہ ہمارے شاگرد ہیں لہٰذا سارے حقوق ہمارے ہو گئے اور ان کا کوئی حق نہ رہا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک صحابی کے مزاج کی رعایت کر کے دکھائی۔

امہات المؤمنین اور حضرت عائشہؓ کے مزاج کی رعایت

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کا ارادہ فرمایا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا دل بھی چاہتا ہے کہ آپ کیساتھ اعتکاف میں بیٹھوں۔ ویسے تو خواتین کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے خواتین کو اعتکاف کرنا ہو تو اپنے گھر میں کریں لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ اس لحاظ سے مختلف تھا کہ ان کے گھر کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا اب اگر ان کے گھر کے دروازے کے ساتھ ہی ان کی اعتکاف کی جگہ بنا دی جاتی اور اس کے ساتھ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کی جگہ ہوتی تو کسی بے پردگی کا احتمال نہ ہوتا جب ضرورت ہوتی تو گھر میں چلی جاتیں اور پھر واپس آ کر اپنے اعتکاف میں بیٹھ جاتیں اس لئے اگر وہ مسجد میں اعتکاف فرماتیں تو کوئی خرابی لازم نہ آتی۔ اسی وجہ سے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں آپ کے ساتھ اعتکاف کرنا چاہتی ہوں تو آپ نے اجازت دے دی۔

لیکن جب ۲۰ رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو اس دن آپ کہیں باہر تشریف لے گئے تھے جب واپس تشریف لائے اور مسجد نبوی میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں بہت سارے خیمے لگے ہوئے ہیں آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ خیمے کس کے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ امہات المومنین کے خیمے ہیں۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اعتکاف کرنے کی اجازت مل گئی تو دوسری ازواج مطہرات نے چاہا کہ ہم بھی یہ سعادت حاصل کریں لہٰذا انہوں نے بھی اعتکاف کے لئے اپنے اپنے خیمے لگا دیئے۔ اب اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ احساس ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تو مختلف تھا اس لئے کہ ان کا گھر تو مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا اور دوسری ازواج مطہرات کے مکان تو مسجد نبوی سے دور ہیں اگر انہوں نے بھی اعتکاف کیا تو ان کا بار بار آنا جانا رہے گا اس میں بے پردگی کا احتمال ہے اور اس طرح خواتین کا مسجد کے اندر اعتکاف کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے ان کے خیمے دیکھ کر ارشاد فرمایا:

آلبر یردن؟ ''کیا یہ خواتین کوئی نیکی کرنا چاہتی ہیں؟''۔

مطلب یہ تھا کہ اس طرح خواتین کا مسجد میں اعتکاف کرنا کوئی نیکی کی بات نہیں۔

اس سال ہم بھی اعتکاف نہیں کریں گے

لیکن اب مشکل یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ اعتکاف کی اجازت دے چکے تھے اگر چہ ان کو اجازت دینے کی وجہ واضح تھی اور دوسری امہات المومنین میں وہ وجہ موجود نہیں تھی لیکن آپ نے سوچا کہ اگر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ باقی رکھوں گا اور دوسری امہات المومنین کو منع کر دوں گا تو ان کے مزاج پر بار ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو اجازت دے دی اور ہمیں اجازت نہ ملی۔ لہٰذا جب آپ نے دوسری امہات المومنین کے خیمے اٹھوائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم بھی اپنا خیمہ اٹھالو لیکن پھر خیال آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چونکہ پہلے صراحۃً اجازت دیدی گئی تھی اب اگر اچانک ان سے خیمے اٹھانے کو کہا جائے گا تو ان کی طبیعت پر بار ہوگا اس لئے ان کا

خیال کرتے ہوئے آپ نے یہ اعلان فرمادیا کہ اس سال ہم بھی اعتکاف نہیں کریں گے چنانچہ اس سال آپ نے اعتکاف ہی نہیں فرمایا۔

اعتکاف کی تلافی

بہرحال امہات المومنین کے مزاجوں کی رعایت کے نتیجے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ اٹھوادیا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مزاج کی رعایت کرتے ہوئے اپنے ساتھ یہ معاملہ فرمایا کہ وہ معمول جو ساری عمر کا چلا آرہا تھا کہ ہر رمضان المبارک میں آپ اعتکاف کیا کرتے تھے محض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل شکنی کے اندیشہ میں اس معمول کو توڑ دیا۔ پوری حیات طیبہ میں یہ سال ایسا تھا جس میں آپ نے اعتکاف نہیں فرمایا لیکن بعد میں اس کی تلافی اس طرح فرمائی کہ اس سے اگلے سال دس دن کے بجائے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

یہ بھی سنت ہے

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی رعایتیں اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی فرمائیں اور ایک شرعی حکم کی وضاحت کے معاملے میں بھی ایسا طریقہ اختیار فرمایا جس سے دوسرے کی طبیعت پر بار نہ ہو حکم کی وضاحت بھی فرمادی اس پر عمل بھی کرلیا اور دوسروں کی دل شکنی سے بھی بچ گئے اور ساتھ میں آپ نے اپنے عمل سے یہ تعلیم بھی دے دی کہ جو عمل فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اگر آدمی کسی دل شکنی سے بچنے کے لئے اس مستحب کام کو موخر کردے یا چھوڑ دے تو یہ عمل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا حصہ ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب کا معمول

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہر رمضان میں یہ معمول تھا کہ جب عصر کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے تو مغرب تک اعتکاف کی نیت سے مسجد ہی میں قیام فرمایا کرتے تھے وہاں تلاوت' ذکر و اذکار' تسبیحات اور مناجات میں مشغول رہتے تھے اور جو باقی وقت ملتا تو آخر میں لمبی دعا فرمایا کرتے تھے اور وہ دعا افطار کے وقت تک جاری رہتی تھی۔ حضرت والا اپنے متوسلین کو بھی یہ مشورہ دیا کرتے تھے کہ وہ

بھی اپنا یہ معمول بنالیں کیونکہ اس کے اندر آدمی کا وقت مسجد میں گزر جاتا ہے اعتکاف کی فضیلت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور معمولات بھی پورے ہو جاتے ہیں اور آخر میں دعا کی توفیق بھی ہو جاتی ہے اور یہ دعا تو رمضان المبارک کا حاصل ہے اس لئے کہ اس وقت دن ختم ہو رہا ہوتا ہے اور افطار کا وقت قریب ہوتا ہے اور اس وقت آدمی کی طبیعت میں شکستگی ہوتی ہے اور اس شکستگی کی حالت میں جو دعائیں کی جاتی ہیں وہ بڑی ہی قبول ہوتی ہیں۔ حضرت والا اکثر اپنے متوسلین کو مشورہ دیا کرتے تھے بلکہ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ایسا کرلیا کرو چنانچہ حضرت والا کے متوسلین میں اس طریقہ پر عمل اب بھی جاری ہے۔

مسجد کے بجائے گھر پر وقت گزاریں

ایک مرتبہ حضرت والا کے متوسلین میں سے ایک صاحب نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق اپنا یہ معمول بنایا ہوا تھا کہ عصر سے لے کر مغرب تک کا وقت مسجد میں گزارتا اور وہاں بیٹھ کر تلاوت، ذکر، واذکار اور تسبیحات اور دعا میں مشغول رہتا، ایک دن میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ آپ سارا دن ویسے بھی باہر رہتے ہیں لے دیکر عصر کے بعد کا وقت ہوتا تھا اس میں ہم بیٹھ کر کچھ باتیں کر لیا کرتے تھے اور افطار کے وقت ایک ساتھ افطار کرنے کی راحت حاصل ہوتی تھی اب آپ نے چند روز سے یہ طریقہ اختیار کرلیا ہے کہ عصر کی نماز کے بعد آپ مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور مغرب تک آپ وہیں رہتے ہیں اور عصر کے بعد اکٹھے بیٹھ کر بات چیت کرنے اور ایک ساتھ افطار کرنے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ حضرت! اب کشمکش میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ عصر کے بعد کا وقت مسجد میں گزارنے کا یہ معمول جاری رکھوں یا بیوی کے کہنے کے مطابق اس معمول کو چھوڑ دوں اور گھر پر وقت گزاروں۔ حضرت والا نے ان کی بات سنتے ہی فرمایا کہ آپ کی بیوی ٹھیک کہتی ہے لہٰذا آپ ان کے کہنے کے مطابق مسجد میں وقت گزارنے کے بجائے گھر پر ہی وقت گزارا کریں اور گھر میں ان کے پاس بیٹھ کر جو تلاوت، ذکر واذکار کر سکتے ہیں کرلیا کریں اور پھر ایک ساتھ روزہ افطار کیا کریں۔

تمہیں اس پر پورا ثواب ملے گا

پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ میں نے جو معمول بنایا تھا وہ زیادہ سے زیادہ مستحب عمل ہے اور جو بات ان کی بیوی نے کہی تو اس کے حقوق میں یہ بات داخل ہے کہ شوہر جائز حدود میں رہتے ہوئے اس کی دلداری کرے اور بعض اوقات یہ دلداری واجب ہو جاتی ہے لہٰذا اگر اس کا دل خوش کرنے کے لئے تم اپنا یہ معمول چھوڑ دو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس معمول کی برکات سے محروم نہیں فرمائیں گے اس لئے کہ اس کا دل رکھنے کے لئے اور اس کے مزاج کی رعایت کرنے کے لئے یہ معمول چھوڑا ہے انشاء اللہ تمہیں وہی اجر وثواب حاصل ہوگا جو اس معمول کے پورا کرنے پر حاصل ہوتا۔

وقت کا تقاضا دیکھئے

فرمایا کہ دین دراصل وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام ہے دیکھو اس وقت تم سے کیا مطالبہ ہے؟ اس وقت تم سے مطالبہ یہ ہے کہ اس ذکر کو چھوڑو اور بیمار کی خدمت کرو اور یہ کام کرتے وقت یہ مت خیال کرو کہ جو ذکر و تسبیح کیا کرتے تھے اس سے محرومی ہو گئی ہے اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرمائیں گے کیونکہ ایک صحیح داعیے کے تحت تم نے ذکر و اذکار چھوڑا ہے۔

بے جا اصرار نہ کریں

لہٰذا مزاجوں کی رعایت کرو اور کسی شخص کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت یہ دیکھو کہ میرے اس عمل سے اس شخص کے مزاج کے پیش نظر اس کی طبیعت پر کوئی گرانی تو نہیں ہوگی کوئی بار تو نہیں ہوگا اس کی رعایت رکھو اور یہ اصلاح معاشرت کی تعلیم کا بڑا عظیم باب ہے آج کل لوگ اس کا خیال نہیں کرتے مثلاً کسی کی طبیعت پر کوئی کام بہت بوجھ ہوتا ہے اب اگر آپ اس کو اس کام پر اصرار کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ وہ بیچارہ اصرار سے مغلوب ہو کر آپ کی بات مان لے لیکن آپ نے اس کی طبیعت پر جو بوجھ ڈالا اور جو گرانی آپ نے پیدا کی اور اس سے جو تکلیف اس کو پہنچی اس کا سبب آپ بنے' کیا معلوم اس کے سبب آپ گناہ میں مبتلا ہو گئے ہوں العیاذ باللہ۔

سفارش اس طرح کی جائے

مثلاً آج کل سفارش کرانے کا سلسلہ چل پڑا ہے کسی دوسرے سے تعلقات کا ایک

لازمی حصہ یہ ہے کہ ضرور وہ میری سفارش کرے اور سفارش کرنے کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت بہت یاد رہتی ہے کہ۔

من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها

یعنی جو شخص اچھی سفارش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کام میں اس کا حصہ بھی لگا دیتے ہیں اور اچھی سفارش کرنے کی بڑی فضیلت ہے اور واقعۃً بڑی فضیلت ہے لیکن لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ سفارش اس وقت باعث فضیلت ہے جب اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے سفارش کی جائے کہ جس سے سفارش کی جارہی ہے اس کی طبیعت پر بار نہ ہو اب اگر آپ نے ایک شخص کی رعایت اور اس کی دلداری کی خاطر اس کی سفارش تو کردی لیکن جس کے پاس سفارش کی اس کی طبیعت پر ایک پہاڑ ڈال دیا وہ تو یہ سوچے گا کہ اتنا بڑا شخص مجھ سے سفارش کر رہا ہے اب اگر میں اس سفارش کو قبول کروں تو مشکل اس لئے کہ اس کی وجہ سے اپنے اصول اور قاعدے توڑنے پڑتے ہیں اور اگر سفارش قبول نہ کروں تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے۔ یہ سفارش نہ ہوئی یہ تو دباؤ ڈالنا ہوا۔ لہٰذا دوسرے کے مزاج کی رعایت رکھتے ہوئے سفارش کرنی چاہئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمیشہ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کسی کی سفارش کرتے تو یہ عبارت ضرور لکھتے کہ "اگر آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو آپ ان کا یہ کام کردیجئے"۔ بعض اوقات یہ عبارت بھی بڑھا دیتے کہ "اگر آپ کی کسی مصلحت کے خلاف ہو اور آپ یہ کام نہ کریں تو مجھے ادنیٰ ناگواری نہیں ہوگی"۔ یہ عبارت اس لئے لکھ دیتے تاکہ اس کے دل پر بوجھ نہ ہو۔ یہ ہے سفارش کا طریقہ۔

ایک صاحب میرے پاس آئے اور تعلقات کی مد میں کہنے لگے کہ دیکھو بھائی! میں تم سے ایک کام کہنا چاہتا ہوں میں نے پوچھا کہ کیا کام ہے؟ کہنے لگے کہ ایسے نہیں بلکہ پہلے یہ وعدہ کرو کہ یہ کام کرو گے میں نے کہا کہ جب تک مجھے پتہ نہیں کہ وہ کام کیا ہے میں کیسے وعدہ کرلوں کہ میں یہ کام کروں گا وہ کہنے لگے کہ نہیں پہلے وعدہ کرو کہ میرا وہ کام کرو گے میں نے کہا کہ اگر وہ کام ایسا ہوا جو میرے بس میں نہ ہو تو پھر کیا کروں گا۔ کہنے لگے کہ وہ کام آپ کے بس میں ہے۔ میں نے کہا بتا تو دیں کہ وہ کیا کام ہے؟ کہنے لگے کہ میں اس

وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک آپ یہ وعدہ نہ کریں کہ میں یہ کام کروں گا۔

میں نے ان کو ہزار سمجھایا کہ پہلے اس کام کی کچھ تفصیل تو معلوم ہو تو وعدہ کروں، ایسے کیسے وعدہ کرلوں کہنے لگے کہ اگر آپ انکار کر رہے ہیں تو یہ تعلقات کے خلاف بات ہوگی۔

اب آپ بتایئے کہ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ یہ تو ایک شخص کو دباؤ میں ڈالنا ہے کہ جب تک اس کام کو کرنے کا وعدہ نہیں کرو گے اس وقت تک بتائیں گے بھی نہیں۔ چنانچہ آج کے تعلقات کا یہ لازمی حصہ ہے کہ آدمی دوسرے کی سفارش کرے۔ حالانکہ یہ بات اسلامی آداب معاشرت کے قطعی خلاف ہے۔ اس لئے کہ آپ نے ایک آدمی کو ذہنی کشمکش میں مبتلا کردیا اور بلا وجہ ایک آدمی کو کشمکش اور ذہنی پریشانی میں ڈالنا گناہ ہے۔

تعلق رسمیات کا نام ہو گیا ہے

آج کل تعلق اور محبت صرف ''رسمیات'' کا نام ہو گیا ہے۔ اب اگر وہ ''رسمیات'' پوری ہو رہی ہیں تو تعلقات کا حق ادا ہو رہا ہے اور اگر ''رسمیات'' پوری نہیں ہو رہی ہیں تو تعلقات کا حق ہی ادا نہ ہوا مثلاً اگر کسی کو دعوت دی تو بس اب اس کے سر پر بیٹھے ہوئے ہیں کہ ضرور اس دعوت کو قبول کریں۔ اس کا احساس نہیں کہ اس دعوت کی وجہ سے وہ کتنی دور سے آئے گا کتنی تکلیف اٹھا کر اس دعوت میں شرکت کرے گا اس کے حالات دعوت قبول کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ اس سے اس دعوت دینے والے کو کوئی بحث نہیں اس کو تو دعوت ضرور دینی ہے اور اس کو بلانا ہے۔

محبت نام ہے محبوب کو راحت پہنچانے کا

آج ان رسمیات نے صرف ہمارے معاشرے کو تباہ کر رکھا ہے بلکہ دین کے اخلاق و آداب سے بھی ہمیں دور کر دیا ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوبصورت بات ارشاد فرمائی ہے، اگر اللہ تعالیٰ یہ بات ہمارے دلوں میں اتار دے تو ہمارے سارے کام سنور جائیں، فرمایا کہ ''محبت نام ہے محبوب کو راحت پہنچانے کا'' جس سے محبت ہے اس کو آرام پہنچاؤ اپنی من مانی کرنے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا نام محبت نہیں۔ اگر محبت کرنے والا عاشق نادان اور بیوقوف ہو تو اس کی محبت سے محبوب کو تکلیف پہنچ جاتی ہے لیکن

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق یہ ہے کہ محبت سے تکلیف پہنچنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اگر تم کو کسی سے محبت ہے تو اس کو تکلیف مت پہنچاؤ بلکہ راحت پہنچاؤ چاہے اپنے جذبات کو قربان کرنا پڑے لیکن راحت پہنچاؤ۔

یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تشریح ہو رہی ہے کہ خالقوا الناس باخلاقھم لوگوں کے ساتھ ان کے مزاج کے مطابق معاملہ کرو' جس سے معاملہ کرنے جا رہے ہو پہلے یہ دیکھ لو کہ اس کا مزاج کیا ہے۔ اس کے مزاج پر یہ بات بار تو نہیں ہوگی ناگوار تو نہیں ہوگی۔ اور یہ چیز بزرگوں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ہمارا تو یہی تجربہ ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خانقاہ میں لوگوں کی اس طرح تربیت فرمائی کہ لوگوں کے مزاج کی کس طرح رعایت رکھی جاتی ہے۔ لوگوں کے ایک ایک عمل پر نگاہ رکھی اور ان کو یہ تعلیم دی کہ اس موقع پر آپ کو یہ عمل کرنا چاہئے۔

یہ آداب المعاشرت کے سلسلے کی آخری حدیث تھی اس میں سارے احکام اور سارے آداب کی بنیادیں بیان فرما دی ہیں کہ اپنی ذات سے دوسروں کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔ اس بات کا آدمی اہتمام اور دھیان کرے ہر کام کرنے سے پہلے آدمی یہ سوچے کہ اس کام سے دوسروں کو تکلیف تو نہیں پہنچے گی اور دوسرے کی مزاج کی رعایت کرے۔

ایک شاعر گزرے ہیں جن کا نام ہے "جگر مراد آبادی مرحوم" یہ بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں پہنچ گئے تھے ان کا ایک شعر بڑے کام کا ہے اگر یہ شعر ہمارا لائحہ عمل بن جائے تو یہ سارے اسلامی آداب معاشرت کا خلاصہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ

اس نفع و ضرر کی دنیا میں یہ ہم نے لیا ہے درس جنوں
اپنا تو زیاں منظور سہی اوروں کا زیاں منظور نہیں

یعنی اس دنیا میں سارے کام اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق نہیں ہوتے لیکن اس دنیا کے کام اپنی طبیعت کے خلاف ہو جائیں اور اپنے اوپر مشقت اٹھالیں اور اپنی طرف سے قربانی دے دیں تو یہ ہمیں منظور ہے لیکن دوسروں کو ہم سے کوئی مالی' جانی' ذہنی' نفسیاتی نقصان پہنچ جائے تو یہ ہمیں منظور نہیں۔ یہی سارے دین کی تعلیم ہے اور یہی آداب معاشرت کا خلاصہ ہے۔ (وعظ مزاج و مذاق کی رعایت کریں)

دوستی ودشمنی میں اعتدال

معاشرہ میں رہتے ہوئے لوگوں سے تعلقات میں اعتدال کی تعلیم...اللہ کیلئے محبت اور ملاقات کرنے کی ترغیب....طعنہ وطنز سے اور غریبوں کی تحقیر کرنے سے بچنے کیلئے ترغیبی مضامین....یتیموں اور بیواؤں کی امداد

دوستی اور دشمنی میں اعتدال

عن ابی هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: احبب حبيبک هونا ماعسىٰ ان يكون بغيضک يوماما. و ابغض بغيضک هوناماعسىٰ ان يكون حبيبک يو ماما (ترمذی شریف)

دوستی کرنے کا زرین اصول

یہ حدیث حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور سند کے اعتبار سے صحیح حدیث ہے۔ یہ بڑی عجیب حدیث ہے اور اس میں بڑا عجیب سبق دیا ہے اور اس میں ہماری پوری زندگی کے لئے زرین اصول بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے دوست سے دھیرے دھیرے محبت کرو۔ یعنی اعتدال سے کرو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تمہارا وہ دوست کسی دن تمہارا دشمن بن جائے اور مبغوض بن جائے اور جس شخص سے تمہیں دشمنی اور بغض ہے اس کے ساتھ بغض اور دشمنی بھی دھیرے دھیرے کرو کیا پتہ کہ وہ دشمن کسی دن تمہارا محبوب اور دوست بن جائے۔

اس حدیث میں یہ عجیب تعلیم ارشاد فرمائی کہ دوست سے دوستی اور محبت بھی اعتدال کے ساتھ کرو اور جس سے دشمنی ہو تو اس کے ساتھ دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ ہو۔ یاد رکھو دنیا کی دوستیاں اور محبتیں بھی پائیدار نہیں ہوتیں اور دنیا کی دشمنیاں اور بغض بھی پائیدار نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ دوستی دشمنی میں تبدیل ہو جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جائے۔ اس لئے اعتدال سے آگے نہ بڑھو۔

ہماری دوستی کا حال

اس حدیث میں ان لوگوں کو خاص طور پر زرین تعلیم عطا فرمائی جن کا یہ حال ہوتا ہے

کہ جب ان کی دوستی کسی سے ہو جاتی ہے یا کسی سے تعلق ہو جاتا ہے اور محبت ہو جاتی ہے تو اس دوستی اور محبت میں بے دھڑک آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں کہ پھر ان کو کسی حد کی پرواہ نہیں ہوتی۔ بس جن سے محبت اور تعلق قائم ہو گیا اب ان کے اندر کوئی عیب نظر نہیں آتا اور اب دن رات کھانا پینا ان کے ساتھ ہے اٹھنا بیٹھنا ان کے ساتھ ہے' چلنا پھرنا انکے ساتھ ہے' ہر کام ان کے ساتھ ہے' اور دن رات ان کی رفاقت اور صحبت حاصل ہے اور ان کی تعریف کے گن گائے جا رہے ہیں لیکن اچانک معلوم ہوا کہ دوستی ٹوٹ گئی اب وہ دوستی ایسی ٹوٹی کہ اب ایک دوسرے کی شکل وصورت دیکھنے کے روادار نہیں ایک دوسرے کا نام سننے کے روادار نہیں اب ان کے اندر ایک اچھائی بھی نظر نہیں آتی بلکہ اب ان کی برائیاں شروع ہو گئیں۔ یہ انتہا پسندی اور یہ اعتدال سے باہر جانا شریعت کا تقاضا نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ یہ تعلیم دی ہے کہ محبت بھی اعتدال سے کرو اور اگر بغض ہے تو وہ بھی اعتدال سے رکھو کسی بھی چیز کو حد سے آگے نہ بڑھاؤ۔

دوستی کے لائق ایک ذات

یاد رکھو اول تو دوستی اور محبت جس چیز کا نام ہے یہ دنیا کی مخلوق میں حقیقی اور صحیح معنی میں تو ہے ہی نہیں۔ اصل دوستی اور محبت کے لائق تو صرف ایک ہی ذات ہے اور وہ اللہ جل جلالہ کی ذات ہے۔ دل میں بٹھانے کے لائق کہ جس کی محبت دل میں گھس جائے وہ تو ایک ہی ذات ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں جو دل بنایا ہے وہ صرف اپنے لئے ہی بنایا ہے یہ انہی کی تجلی گاہ ہے اور انہی کے لئے بنا ہے۔ اب اس دل میں کسی اور کو اس طرح بٹھانا کہ وہ دل پر قبضہ جما لے یہ کسی مومن کے لئے مناسب نہیں کیونکہ دوستی کے لائق تو ایک ہی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ ایک سچے دوست

اگر اس کائنات میں کوئی شخص کسی کا سچا دوست ہو سکتا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستی کا تعلق جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے نبھایا اس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ کوئی دوسرا شخص یہ دعویٰ ہی نہیں کر سکتا کہ میں ان جیسی دوستی کر سکتا ہوں ہر ہر مرحلے پر آپ کو آزمایا گیا مگر آپ کھرے نکلے۔ پہلے دن سے جب آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر آمنا و صدقنا کہہ کر ایمان لائے تھے' ساری عمر اس تصدیق اور ایمان میں ذرہ برابر کبھی تزلزل نہیں آیا۔

دوستی اللہ کے ساتھ خاص ہے

لیکن اس کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا (بخاری شریف)

یعنی اگر میں اس دنیا میں کسی کو سچا دوست بناتا تو "ابوبکر" کو بناتا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو بھی دوست بنایا نہیں اس لئے کہ اس دنیا میں حقیقی معنیٰ کا دوست بننے کے لائق کوئی نہیں ہے۔ یہ دوستی تو صرف اللہ جل شانہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ایسی دوستی جو انسان کے دل پر قبضہ جمالے کہ جو وہ کہے وہ کرے اور پھر انسان کا دل اس کے تابع ہو جائے یہ دوستی اللہ کے سوا کسی اور کے ساتھ زیبا نہیں۔

دوستی اللہ کی دوستی کے تابع ہونی چاہئے

البتہ دنیا کے اندر جو دوستی ہوگی وہ اللہ کی محبت اور دوستی کے تابع ہوگی۔ چنانچہ دوست کے کہنے کی وجہ سے گناہ نہیں کیا جائے گا دوستی کی مد میں معصیت اور نافرمانی نہیں ہوگی۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ اس دنیا میں تمام دوستیاں اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کے تابع ہونی چاہئیں۔

مخلص دوستوں کا فقدان

دوسری بات یہ ہے کہ اس دنیا میں ایسا دوست ملتا ہی کہاں ہے جس کی دوستی اللہ کی دوستی کے تابع ہو' تلاش کرنے اور ڈھونڈنے کے باوجود بھی ایسا دوست نہیں ملتا جس کو صحیح معنیٰ میں دوست کہہ سکیں اور جس کی دوستی اللہ کی دوستی کے تابع ہو اور جو کڑی آزمائش کے وقت پکا نکلے۔ ایسا دوست بڑی مشکل سے ملتا ہے قسمت والے کو ہی ایسا دوست ملتا ہے میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب میرے دوسرے بڑے

بھائی صاحبان اپنے دوستوں کا ذکر کرتے تو والد صاحب ان سے فرماتے کہ تمہارے دنیا میں بہت دوست ہیں ساٹھ سال عمر ہوگئی ہمیں تو کوئی دوست نہیں ملا۔ ساری عمر میں صرف ڈیڑھ دوست ملا۔ ایک پورا اور ایک آدھا مگر تمہیں بہت دوست مل جاتے ہیں۔ لہٰذا دوستی کے معیار پر پورا اترنے والا جو کٹھن آزمائش میں بھی پکا اور کھرا ثابت ہو ایسا دوست بہت کم ملتا ہے۔

بہر حال اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنا کر بھی دوست بناؤ تو اس دوستی کے اندر بھی اس بات کا اہتمام کرو کہ وہ دوستی حدود سے تجاوز نہ کرے۔ بس وہ دوستی ایک حد کے اندر رہے یہ نہ ہو کہ جب دوستی ہوگئی تو اب صبح سے لے کر شام تک ہر وقت اسی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے اور اسی کے ساتھ کھانا پینا ہے اور اب اپنے راز بھی اس پر ظاہر کیے جا رہے ہیں اپنی ہر بات اس سے کہی جا رہی ہے اگر کل کو دوستی ختم ہوگئی تو چونکہ تم نے اپنے سارے راز اس پر ظاہر کر دیئے ہیں اب وہ تمہارے راز ہر جگہ اچھالے گا اور تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ اس لئے دوستی اعتدال کے ساتھ ہونی چاہئے یہ نہ ہو کہ آدمی حدود سے تجاوز کر جائے۔

دشمنی میں اعتدال

اسی طرح اگر کسی کے ساتھ دشمنی ہے اور کسی سے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو یہ نہ ہو کہ اس کے ساتھ تعلقات اچھے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اندر ہر وقت کیڑے نکالے جا رہے ہیں اس کے ہر کام میں عیب تلاش کیے جا رہے ہیں۔ ارے بھائی اگر کوئی آدمی برا ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اچھائی بھی رکھی ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ عداوت کی وجہ سے تم اس کی اچھائیوں کو بھی نظر انداز کرتے چلے جاؤ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا (سورۃ المائدہ)

یعنی کسی قوم کے ساتھ عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ انصاف نہ کرو۔ بیشک اس کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے لیکن اس دشمنی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب اس کی اچھائی کا بھی اعتراف نہ کیا جائے بلکہ اگر وہ کوئی اچھا کام کرے تو اس کی اچھائی کا اعتراف کرنا چاہئے لیکن چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عام طور پر ہمارے پیش نظر نہیں رہتا اس لئے محبتوں میں بھی حدود سے تجاوز ہو جاتا ہے اور بغض اور عداوت میں بھی حدود سے تجاوز ہو جاتا ہے۔

حجاج بن یوسف کی غیبت

آج حجاج بن یوسف کو کون مسلمان نہیں جانتا جس نے بے شمار ظلم کیے۔ کتنے علماء کو شہید کیا' کتنے حافظوں کو قتل کیا۔ حتیٰ کہ اس نے کعبہ شریف پر حملہ کر دیا۔ یہ سارے برے کام کیے اور جو مسلمان بھی اس کے ان برے افعال کو پڑھتا ہے تو اس کے دل میں اس کی طرف سے کراہیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے حجاج بن یوسف کی برائی شروع کر دی اور اس برائی کے اندر اس کی غیبت کی۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فوراً ٹوکا اور فرمایا: کہ یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف ظالم ہے تو اب اس کی غیبت حلال ہو گئی یا اس پر بہتان باندھنا حلال ہو گیا۔ یاد رکھو جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجاج بن یوسف سے اس کے ناحق قتل اور ظلم اور خون کا بدلہ لیں گے تو تم اس کی جو غیبت کر رہے ہو یا بہتان باندھ رہے ہو تو اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ تم سے لیں گے۔ یہ نہیں کہ جو شخص بدنام ہو گیا تو اس کی بدنامی کے نتیجے میں اس پر جو چاہو الزام عائد کرتے چلے جاؤ اس پر بہتان باندھتے چلے جاؤ اور اس کی غیبت کرتے چلے جاؤ۔ لہٰذا عداوت اور دشمنی بھی اعتدال کے ساتھ کرو اور محبت بھی اعتدال کے ساتھ کرو۔

قاضی بکار بن قتیبہؒ کا سبق آموز واقعہ

ایک قاضی گزرے ہیں قاضی بکار بن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بڑے درجے کے محدثین میں سے ہیں۔ دینی مدارس میں حدیث کی کتاب ''طحاوی شریف'' پڑھائی جاتی ہے اس کے مصنف ہیں۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ یہ ان کے استاذ ہیں۔ ان کے زمانے میں جو بادشاہ تھا وہ ان پر مہربان ہو گیا اور ایسا مہربان ہو گیا کہ ہر معاملے میں ان سے صلاح اور مشورہ ہو رہا ہے ہر معاملے میں ان کو بلایا جا رہا ہے ہر دعوت میں ان کو بلایا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ ان کو پورے ملک کا قاضی بنا دیا۔ اور اب سارے فیصلے ان کے پاس آ رہے ہیں دن رات بادشاہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے۔ جو سفارش کرتے ہیں بادشاہ ان کی سفارش کو قبول کر لیتا ہے۔ ایک عرصہ دراز تک یہ سلسلہ جاری رہا یہ اپنا قضا کا کام بھی کرتے رہے اور جو

مناسب مشورہ ہوتا وہ بادشاہ کو دے دیا کرتے تھے۔

چونکہ وہ تو عالم اور قاضی تھے بادشاہ کے غلام تو نہیں تھے تو ایک مرتبہ بادشاہ نے غلط کام کر دیا۔ قاضی صاحب نے فتویٰ دیدیا کہ بادشاہ کا یہ کام غلط ہے اور درست نہیں ہے اور یہ کام شریعت کے خلاف ہے۔ اب بادشاہ سلامت ناراض ہوگئے کہ ہم اتنے عرصے تک ان کو کھلاتے پلاتے رہے ان کو ہدیے تحفے دیتے رہے اور ان کی سفارش قبول کرتے رہے اور اب انہوں نے ہمارے خلاف ہی فتویٰ دیدیا۔ چنانچہ فوراً ان کو قاضی کے عہدے سے معزول کر دیا۔ یہ دنیاوی بادشاہ بڑے تنگ ظرف ہوتے ہیں دیکھنے میں بڑے سخی نظر آتے ہیں لیکن کم ظرف ہوتے ہیں تو صرف یہ نہیں کیا کہ ان کو قضا کے عہدے سے معزول کر دیا بلکہ ان کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ جا کر ان سے کہو کہ ہم نے آج تک تمہیں جتنے ہدیے تحفے دیئے ہیں وہ سب واپس کرو اس لئے کہ اب تم نے ہماری مرضی کے خلاف کام شروع کر دیا ہے۔ اب آپ اندازہ کریں کہ کئی سالوں کے وہ ہدایا کبھی کچھ دیا ہوگا کبھی کچھ بھیجا ہوگا لیکن جب بادشاہ کا وہ آدمی آیا تو آپ اس آدمی کو اپنے گھر کے اندر ایک کمرے میں لے گئے اور ایک الماری کا تالہ کھولا تو وہ پوری الماری تھیلیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے اس قاصد سے کہا کہ تمہارے بادشاہ کے پاس سے جو تحفے کی تھیلیاں آتی تھیں وہ سب اس الماری کے اندر رکھی ہوئی ہیں اور ان تھیلیوں پر جو مہر لگی تھی وہ مہر بھی ابھی تک نہیں ٹوٹی یہ ساری تھیلیاں اٹھا کر لے جاؤ۔ اس لئے کہ جس دن بادشاہ سے تعلق قائم ہوا الحمد للہ اسی دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذہن میں تھا کہ **"احبب حبیبک ھونا ما عسیٰ ان یکون بغیضک یوما ما"** اور مجھے اندازہ تھا کہ شاید کوئی وقت ایسا آئے گا کہ مجھے یہ سارے تحفے واپس کرنے پڑیں گے۔ الحمد للہ بادشاہ کے دیئے ہوئے ہدیے اور تحفوں میں سے ایک ذرہ بھی آج تک اپنے استعمال میں نہیں لایا۔ یہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کا صحیح نمونہ۔ یہ نہیں کہ جب دوستی ہوگئی تو اب ہر طرح کا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور جب دشمنی ہوئی تو اب پریشانی اور شرمندگی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

یہ دعا کرتے رہو

اول تو صحیح معنیٰ میں محبت صرف اللہ جل شانہٗ سے ہونی چاہئے۔ اسی لئے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی جو ہر مسلمان کو ہمیشہ مانگنی چاہئے۔

اللھم اجعل حبک احب الاشیاء الی (کنز العمال ج ۲ ص ۱۸۲)

اے اللہ اپنی محبت کو تمام محبتوں پر غالب فرما۔ اب انسان چونکہ کمزور ہے اور اس کے ساتھ بشری تقاضے لگے ہوئے ہیں اس لئے انسان کو دوسروں سے بھی محبت ہوتی ہے۔ مثلاً بیوی سے محبت اولاد سے محبت دوستوں سے محبت ماں باپ سے محبت عزیز و رشتہ داروں سے محبت یہ ساری محبتیں انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں یہ محبتیں انسان کے ساتھ رہیں گی اور کبھی ختم نہیں ہوں گی لیکن اصل بات یہ ہے کہ آدمی یہ دعا کرے کہ یا اللہ یہ ساری محبتیں آپ کی محبت کے تابع ہو جائیں اور آپ کی محبت ان تمام محبتوں پر غالب آجائے۔

اگر محبت حد سے بڑھ جائے تو یہ دعا کرو

اگر کسی سے محبت ہو اور یہ محسوس ہو کہ یہ محبت حد سے بڑھ رہی ہے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرو کہ یا اللہ! یہ محبت آپ نے میرے دل میں ڈالی ہے لیکن یہ محبت حد سے بڑھتی جا رہی ہے اے اللہ! کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کسی فتنے میں مبتلا ہو جاؤں۔ اے اللہ اپنی رحمت سے مجھے فتنے میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھئے۔ اور پھر اپنے اختیاری طرز عمل میں بھی ہمیشہ احتیاط سے کام لو جو آج کا دوست ہے وہ کل کا دشمن بھی ہو سکتا ہے کل تک تو ہر وقت ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا ساتھ کھانا پینا تھا اور آج یہ نوبت آ گئی کہ صورت دیکھنے کے روادار نہیں۔ یہ نوبت نہیں آنی چاہئے اور اگر آئے تو اس کی طرف سے آئے تمہاری طرف سے نہ آئے۔

بہرحال دوستی کے بارے میں یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک تلقین ایسی ہے کہ اگر ہم ان کو پلے باندھ لیں تو ہماری دنیا اور آخرت سنور جائے۔

دوستی کے نتیجے میں گناہ

بسا اوقات ان دوستیوں کے نتیجے میں ہم گناہ کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ چونکہ یہ دوست ہے اگر اس کی بات ہم نے نہ مانی تو اس کا دل ٹوٹے گا لیکن اگر اس

کے دل ٹوٹنے کے نتیجے میں شریعت ٹوٹ جائے تو اس کی پرواہ نہیں۔ حالانکہ شریعت کو ٹوٹنے سے بچانا دل کو ٹوٹنے سے بچانے سے مقدم ہے بشرطیکہ شریعت میں گنجائش نہ ہو۔ لیکن اگر شریعت کے اندر گنجائش ہو تو اس صورت میں بیشک یہ حکم ہے کہ مسلمان کا دل رکھنا چاہئے اور حتی الامکان دل نہ توڑنا چاہئے کیونکہ یہ بھی عبادت ہے۔

''غلو'' سے بچیں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں معاملات کے اندر ''غلو'' کرنے کی ممانعت ہے۔ کسی بھی معاملے میں غلو نہ ہو، نہ تعلقات میں اور نہ ہی معاملات میں اور غلو کے معنیٰ ہیں ''حد سے بڑھنا'' کسی بھی معاملے میں انسان حد سے نہ بڑھے بلکہ مناسب حد کے اندر رہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(وعظ دوستی اور دشمنی میں اعتدال از اصلاحی خطبات ج ۱۰)

اللہ کے لئے محبت کرنا

کسی شخص سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر محبت رکھنا بھی بڑا عظیم الشان عمل ہے جس پر بہت اجر و ثواب کے وعدے کئے گئے ہیں۔ "اللہ کے لئے محبت کرنے کے" معنی یہ ہیں کہ کسی سے کوئی دنیوی مفاد حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ بلکہ یا تو اس سے اس لئے محبت کی جائے کہ وہ زیادہ دیندار، متقی، پرہیزگار ہے یا اس کے پاس دین کا علم ہے۔ یا وہ دین کی خدمت میں مشغول ہے یا اس لئے محبت کی جائے کہ اس سے محبت کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ مثلاً والدین۔

ایسی محبت کو احادیث میں "حب فی اللہ" (اللہ کے لئے محبت) کہا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج جب کہ میرے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہے۔ میں ایسے لوگوں کو اپنے سائے میں رکھوں گا"۔ (صحیح مسلم کتاب البر والصلہ)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ

"اللہ کی عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے اور لوگ ان پر رشک کریں گے"۔ (جامع ترمذی۔ کتاب الزہد)

ابوادریس خولانی رحمہ اللہ مشہور تابعین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں جامع دمشق میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ "بخدا مجھے آپ سے اللہ کی خاطر محبت ہے"۔ انہوں نے بار بار مجھ سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا واقعی تمہیں اللہ تعالیٰ کی خاطر مجھ سے محبت ہے؟ جب میں نے ہر بار اقرار کیا تو انہوں نے میری چادر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا:۔

"خوشخبری سنو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کو لازمی طور پر حاصل ہوگی جو میری خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ جو میری خاطر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں، جو میری خاطر ایک دوسرے کی ملاقات کو

جاتے ہیں اور میری خاطر ایک دوسرے کے لئے خرچ کرتے ہیں"۔ (موطا امام مالک۔ کتاب الشعر)

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت رکھنا چونکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس پر اللہ تعالیٰ سے محبت کا اجر و ثواب ملتا ہے اور اس محبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے والے کو اپنے محبوب لوگوں کے ساتھ شامل ہونے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ "تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟" عرض کیا کہ "تیاری تو کچھ نہیں۔ البتہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہوگے"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) فرماتے ہیں کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اتنی خوشی ہوئی کہ کسی اور چیز سے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ پھر فرمایا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر عمر رضی اللہ عنہما سے محبت ہے اور اس محبت کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ ہونگا۔ اگرچہ میرے اعمال انکے اعمال کے برابر نہیں ہیں"۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الادب، باب علامۃ الحب فی اللہ)

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کسی سے محبت رکھنا بہت فضیلت کا عمل ہے۔ اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی نیک عمل کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی نیک لوگوں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے ہمیشہ اللہ کے لئے محبت رکھنی چاہئے اور اس نیت سے رکھنی چاہئے کہ اس محبت کی برکت سے مجھے بھی نیکی کی توفیق ہو اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ لَعَلَّ اللّٰہُ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحاً

میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ خود نیکیوں میں سے نہیں ہوں شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیکی عطا فرمادیں۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی بھائی سے محبت کرتا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے بھائی کو بتادے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ (ابوداؤد کتاب الادب، ترمذی کتاب الزہد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک اور شخص وہاں سے گزرا بیٹھے ہوئے شخص نے کہا کہ "یارسول اللہ مجھے اس شخص سے محبت ہے"

آپ نے فرمایا کہ "تم نے اسے بتادیا ہے"؟ اس نے کہا "نہیں"۔ آپ نے فرمایا "اسے بتادو" وہ شخص اٹھا اور جانے والے کے پاس پہنچ کر اس سے کہا "میں تم سے اللہ کیلئے محبت کرتا ہوں" اس نے کہا "جس اللہ کیلئے تم مجھ سے محبت کرتے ہو خدا کرے کہ وہ تم سے محبت کرے۔ (آسان نیکیاں)

اللہ کیلئے ملاقات

کسی مسلمان سے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ملاقات کے لئے جانا بھی بڑی فضیلت کا عمل ہے۔ اور اللہ کے لئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ملاقات کا مقصد کوئی دنیوی مفاد حاصل کرنا نہ ہو بلکہ یا تو اس لئے اس سے ملاقات کی جائے کہ وہ ایک نیک آدمی ہے یا کوئی عالم ہے اور اس کی صحبت سے اپنی اصلاح مقصود ہے یا اس لئے ملاقات کی جائے کہ اس کا دل خوش ہو اور مسلمان کا دل خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بھی یہ ملاقات اللہ تعالیٰ ہی کیلئے سمجھی جائے گی اور ان شاء اللہ اس پر اجر ملے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَادَ مَرِيضًا اَوْزَارَ اَخًا لَهُ فِي اللّٰهِ نَادَاهُ مُنَادٍ بِاَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّاْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلاً

جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرے یا اپنے کسی بھائی کے پاس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ملاقات کو جائے اس کو ایک (غیبی) منادی پکار کر کہتا ہے کہ: "تو بھی مبارک تیرا چلنا بھی مبارک اور تو نے جنت کی ایک منزل میں ٹھکانہ بنالیا۔" (ترمذی، وقال: حسن)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان سے بہ نیت ثواب ملنے سے بھی نامۂ اعمال میں نیکیوں کا بہت اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ حکم ان ہی لوگوں سے ملاقات کرنے کا ہے جن کی ملاقات سے اپنا کوئی دینی نقصان نہ ہو۔ اس کے برخلاف اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس کی ملاقات کے نتیجے میں کسی گناہ میں مبتلا ہونا پڑے گا یا اس کی بری صحبت سے اپنے اوپر برا اثر پڑے گا یا غیبت وغیرہ کرنی یا سننی پڑے گی یا بے فائدہ باتوں سے بہت سا وقت ضائع ہو جائے گا تو ایسی صورت میں ایسی ملاقات اور صحبت سے بچنا ہی بہتر ہے۔ (آسان نیکیاں)

طنز اور طعنہ سے بچئے

ہمارے دین پر مصیبت واقع نہ ہو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا کیا عجیب وغریب دعائیں تلقین فرمائی ہیں۔ آدمی اس کے ایک ایک لفظ پر قربان ہو جائے۔ چنانچہ ایک دعا کے اندر آپ ﷺ نے فرمایا۔

اللهم لاتجعل مصيبتنا فی دیننا

اے اللہ! کوئی مصیبت ہمارے دین پر واقع نہ ہو۔

اس لئے کہ جب انسان اس دنیا میں آیا ہے تو اس کو کسی نہ کسی مصیبت سے سابقہ پیش آتا ہی ہے۔ کوئی بڑے سے بادشاہ ہو یا مال دار ہو یا صاحب اقتدار ہو کوئی بھی ایسا نہیں ملے گا جس کو کوئی نہ کوئی مصیبت پیش نہ آئی ہو۔ اس دنیا میں مصیبت تو ضرور پیش آئے گی لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ جو مصیبت پیش آئے وہ دنیا کی مصیبت ہو دین کی مصیبت پیش نہ آئے پھر آگے ارشاد فرمایا:

ہماری سوچ اور علم کا محور دنیا کو نہ بنا

ولاتجعل الدنيا اكبر همنا ولا مبلغ علمنا ولا غاية رغبتنا.

اے اللہ! ہماری ساری سوچ بچار دنیا ہی کے بارے میں نہ بنایئے کہ ہر وقت دنیا ہی کے بارے میں سوچتے رہیں اور آخرت کا کچھ خیال نہ ہو اور اے اللہ نہ اس دنیا کو ایسا بنایئے کہ ہمارا سارا علم اس دنیا ہی کے بارے میں ہو اور دین کے بارے میں ہمیں کچھ علم نہ ہو۔ اور نہ ہماری ساری خواہشات کا مرکز اس دنیا کو بنایئے کہ ہماری ساری خواہشات اور ہماری ساری امنگیں اس دنیا ہی سے متعلق ہوں اور آخرت کے بارے میں ہمارے دل میں کوئی خواہش اور امنگ نہ ہو۔

تمام گناہ آفات ہیں

لہذا حقیقی مصیبت وہ ہے جو انسان کے دین کو لاحق ہو اور جتنے بھی گناہ ہیں وہ حقیقت میں

آفت اور مصیبت ہیں اگرچہ ظاہری اعتبار سے اس گناہ کے کرنے میں لذت آتی ہے لیکن حقیقت میں وہ لذت دنیا میں بھی تباہی لانے والی ہے اور آخرت میں بھی تباہی لانے والی ہے اس وجہ سے صوفیاء کرام گناہوں کو "آفات" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ سب آفتیں ہیں۔ اور زبان کے گناہوں کو "آفات اللسان" کہتے ہیں یعنی زبان پر آنے والی آفتیں اور مصیبتیں۔ جن کے ذریعہ انسان مصیبت کا شکار ہوتا ہے۔ ان آفتوں میں سے ایک آفت یعنی "غیبت" کا بیان ہو چکا۔

ایک مؤمن یہ چار کام نہیں کرتا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن طعنہ دینے والا نہیں ہوتا' لعنت کرنے والا نہیں ہوتا' فحش کلامی کرنے والا نہیں ہوتا اور بدکلامی کرنے والا نہیں ہوتا۔ یعنی مومن کا کام یہ ہے کہ اس کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جو طعنہ میں شامل ہو یا لعنت میں شامل ہو یا فحاشی میں شامل ہو یا بدگوئی میں شامل ہو۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزیں بیان فرمائیں ان چاروں چیزوں کا تعلق انسان کی زبان سے ہے۔

طعنہ کیا چیز ہے؟

اس حدیث میں پہلی چیز یہ بیان فرمائی کہ "مومن طعنہ دینے والا نہیں ہوتا" طعنہ دینا یہ ہے کہ کسی شخص کے منہ پر لپیٹ کر ایسی بات کرنا جس سے اس کی دل آزاری ہو۔ دیکھئے ایک صورت یہ ہے کہ انسان دوسرے کو براہ راست یہ کہہ دے کہ تمہارے اندر یہ برائی ہے لیکن "طعنہ" اسے کہتے ہیں کہ گفتگو کسی اور موضوع پر ہو رہی ہے مگر درمیان میں آپ نے ایک فقرہ اور ایک لفظ بول دیا اور اس لفظ کو بولنے سے اس شخص پر طنز کرنا اور طعنہ دینا اور اعتراض کرنا مقصود تھا اور اس "طنز اور طعنہ" کے نتیجے میں اس کی دل آزاری ہوئی یہ "طنز اور طعنہ" بہت سخت گناہ ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرما دیا کہ مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو طعنہ دے۔

زبان سے دل زخمی ہو جاتے ہیں

عربی زبان میں "طعنہ" کے معنی ہیں "کسی کو نیزہ مارنا" اس لفظ کے اندر اس طرف

اشارہ ہے کہ "طعنہ دینا" ایسا ہے جیسے دوسرے کو نیزہ مارنا۔ عربی کا ایک مشہور شعر ہے۔

جراحات السنان لها التیام   ولا یلتام ما جرح اللسان

یعنی نیزے کے زخم تو بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے لگائے ہوئے زخم نہیں بھرتے۔

اس لئے کہ جب دوسرے کے لئے "طعنہ" کا کوئی لفظ بولا اور اس سے اس کا دل ٹوٹا اور اس کی دل آزاری ہوئی تو دل آزاری کا زخم نہیں بھرتا۔ انسان ایک مدت تک یہ بات نہیں بھولتا کہ اس نے فلاں وقت مجھے اس طرح طعنہ دیا تھا۔ لہٰذا یہ طنز کرنا دوسرے پر اعتراض کرنا اور طعنہ دینے کے انداز میں بات کرنا یہ دوسرے کی دل آزاری ہے اور اس کی آبرو پر حملہ ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمل انسان کے ایمان کے منافی ہے۔

مومن کے جان و مال اور عزت کی حرمت

ایک مسلمان کی جان اس کا مال اس کی آبرو یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتنی حرمت بیان فرمائی ہے جس کا ہم اور آپ اندازہ نہیں کر سکتے حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ یہ دن جس میں تم سے گفتگو کر رہا ہوں کونسا دن ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عرفہ کا دن ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا سوال کیا کہ یہ جگہ جہاں میں کھڑا ہوں یہ کونسی جگہ ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا کہ یہ حرم کا علاقہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر تیسرا سوال کیا کہ یہ مہینہ جسمیں میں خطاب کر رہا ہوں یہ کونسا مہینہ ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا کہ یہ ذی الحجہ کا مقدس اور حرمت والا مہینہ ہے۔ پھر فرمایا کہ اے مسلمانو! تمہاری جانیں' تمہارے مال' تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسے آج کا یہ دن' آج کی یہ جگہ اور آج کا یہ مہینہ حرام ہے۔ یعنی جو حرمت اللہ تعالیٰ نے اس مکان مقدس کو اور اس وقت مقدس کو عطا فرمائی ہے وہی حرمت ایک مومن کے جان و مال اور آبرو کی ہے۔

ایسا شخص کعبہ کو ڈھانے والا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے طواف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے "کعبہ" سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ تو کتنی حرمت والا ہے کتنے تقدس والا ہے تو کتنا عظیم الشان ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ اے عبداللہ کیا دنیا میں کوئی چیز ہے جس کی حرمت اور جس کا تقدس بیت اللہ سے زیادہ ہو؟ میں نے عرض کیا کہ "اللہ ورسولہ اعلم" صحابہ کرامؓ کا یہ متعین جواب تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ کونسی چیز اس سے زیادہ حرمت والی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں ایک چیز بتاتا ہوں جس کی حرمت اس بیت اللہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے وہ ہے ایک مسلمان کی جان' اس کا مال' اس کی آبرو' اگر ان میں سے کسی چیز کو کوئی شخص ناحق نقصان پہنچاتا ہے تو وہ شخص کعبہ کو ڈھانے والے کی طرح ہے۔

مومن کا دل تجلی گاہ ہے

کسی کو طعنہ دینا دراصل اس کی آبرو پر حملہ کرنا اور اس کی دل آزاری کرنا ہے۔ ہمارے حضرات ڈاکٹر عبدالحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مومن کا دل تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی کام کے لئے بنایا ہے وہ یہ کہ مومن کا دل صرف اللہ رب العالمین کی جلوہ گاہ ہو اس دل میں ان کا ذکر اور ان کی یاد ہو ان کی فکر ہو ان کی محبت ہو یہاں تک کہ بعض صوفیاء کرامؒ نے یہ فرما دیا کہ مومن کا دل "عرش الٰہی" ہے یعنی مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت کی فرودگاہ ہے یہ دل اللہ تعالیٰ کی "تجلی گاہ" ہے چاہے انسان کتنا ہی برا ہو جائے لیکن اگر اسکے دل میں ایمان ہے تو کسی نہ کسی وقت اس میں اللہ کی محبت ضرور اترے گی۔ ان شاء اللہ اور جب یہ دل اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے لئے بنایا ہے تو ایک مومن کے دل کو توڑنا درحقیقت اللہ جل شانہ کی جلوہ گاہ پر العیاذ باللہ حملہ کرنا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم کسی دوسرے مسلمان کا دل توڑو۔

مسلمان کا دل رکھنا موجب ثواب ہے

اگر تم نے کسی کا دل رکھ لیا اس کو تسلی دیدی یا کوئی ایسا کلمہ کہہ دیا جس سے اس کا دل

خوش ہو گیا تو یہ عمل تمہارے لئے بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

دل بدست آور کہ حج اکبر است

یعنی کسی مسلمان کے دل کو تھامنا' یہ حج اکبر کا ثواب رکھتا ہے اور طعنہ دینا دوسرے کا دل توڑنا ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جا رہا ہے کہ امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو یعنی لوگوں کو اچھائی کی دعوت دو اور اگر کوئی غلط کام میں مبتلا ہے تو اس کو بتا دو اور اس کو روک دو اور دوسری طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ دوسرے مسلمان کا دل مت توڑو۔ اب دونوں کے درمیان تطبیق کس طرح کی جائے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہو گی کہ جب دوسرے شخص سے کوئی بات کہو تو خیر خواہی سے کہو۔ تنہائی میں کہو۔ نرمی سے کہو۔ محبت سے کہو اور اس انداز میں کہو کہ جس سے اس کا دل کم سے کم ٹوٹے۔ مثلاً تنہائی میں اس سے کہے کہ بھائی' تمہارے اندر یہ بات قابل اصلاح ہے۔ تم اس کی اصلاح کر لو لیکن طعنہ کے انداز میں کہنا یا لوگوں کے سامنے سر بازار اس کو رسوا کرنا' یہ چیز انسان کے دل میں گھاؤ ڈال دیتی ہے اس لئے حرام اور گناہ ہے۔

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المومن مرآة المومن

ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے۔ یعنی جس طرح اگر کوئی شخص اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھ لے تو چہرہ میں کوئی عیب یا داغ دھبہ ہوتا ہے وہ نظر آ جاتا ہے اور انسان اس کی اصلاح کر لیتا ہے اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کے سامنے آنے کے بعد اس کو بتا دیتا ہے کہ تمہارے اندر فلاں بات ہے اس کو درست کر لو۔ یہ حدیث کا مضمون ہے۔

آئینہ سے تشبیہ دینے کی وجہ

یہ حدیث ہم نے بھی پڑھی ہے اور آپ حضرات نے بھی اس کو پڑھا اور سنا ہوگا لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ علم حقیقی عطا فرماتے ہیں ان کی نگاہ بہت دور تک پہنچتی ہے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے لوگ اتنا تو جانتے ہیں کہ آئینہ کے ساتھ یہ تشبیہ اس وجہ سے دی ہے کہ جس طرح آئینہ چہرے اور جسم کے عیوب بتا دیتا ہے اسی طرح مومن بھی دوسرے مومن کے عیوب بتا دیتا ہے لیکن آئینہ کے ساتھ تشبیہ دینے میں ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ آئینہ کا یہ کام ہے کہ وہ آئینہ عیب اور برائی صرف اس کو بتاتا ہے جس کے اندر وہ عیب ہوتا ہے اور جو اس کے سامنے کھڑا ہے لیکن دوسرا شخص جو دور کھڑا ہے اس کو نہیں بتاتا کہ دیکھو اس کے اندر یہ عیب ہے اسی طرح مومن کا کام یہ ہے کہ جس کے اندر کمزوری یا نقص یا عیب ہے اس کو تو محبت اور پیار سے بتا دے کہ تمہارے اندر یہ نقص اور کمزوری ہے لیکن دوسرے کو بتاتا اور گاتا نہ پھرے کہ فلاں کے اندر فلاں عیب ہے اور فلاں نقص ہے۔ لہٰذا دوسروں کو ذلیل کرنا، رسوا کرنا اس کی برائیاں بیان کرنا مومن کا کام نہیں۔

غلطی بتائے ذلیل نہ کرے

لہٰذا اس ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتیں بیان فرمادیں ایک یہ کہ مومن کا کام یہ بھی ہے کہ اگر وہ دوسرے مومن کے اندر کوئی غلطی دیکھ رہا ہے تو اس کو بتائے۔ دوسرے یہ کہ اس کو دوسروں کے سامنے ذلیل اور رسوا نہ کرے۔ اس کا عیب دوسروں کو نہ بتائے۔

''طنز'' ایک فن بن گیا ہے

آج ہمارے معاشرے میں طعنہ دینے کا رواج پڑ گیا ہے اب تو ''طنز'' باقاعدہ ایک فن بن گیا ہے اور اس کو ایک ہنر سمجھا جاتا ہے کہ کس خوبصورتی کے ساتھ بات لپیٹ کر کہہ دی گئی اس سے بحث نہیں کہ اس کے ذریعہ دوسرے کا دل ٹوٹا یا دل آزاری ہوئی۔

انبیاء علیہم السلام طنز اور طعنہ نہیں دیتے تھے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور یہ سب اللہ کے دین کی دعوت لے کر آئے کسی نبی کی زندگی میں کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملے گی کہ کسی نبی نے اپنے مخالف کو یا کسی کافر کو طعنہ دیا ہو یا طنز کیا ہو بلکہ جو بات وہ دوسروں سے کہتے تھے وہ محبت اور خیر خواہی سے کہتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ دوسرے کی اصلاح ہو۔ آج کل تو طعنہ دینے اور طنز نگاری کا ایک سلسلہ چلا ہوا ہے۔

جب آدمی کو ادبیت اور مضمون نگاری کا شوق ہوتا ہے یا تقریر میں آدمی کو دلچسپی پیدا کرنے کا شوق ہوتا ہے تو پھر اس مضمون نگاری میں اور اس تقریر میں طنز اور طعن و تشنیع بھی اس کا ایک لازمی حصہ بن جاتا ہے۔

میرا ایک واقعہ

چنانچہ آج سے تقریباً تیں تینتیس سال پہلے کی بات ہے میں اس وقت دارالعلوم کراچی سے نیا نیا فارغ ہوا تھا اس وقت ایوب خان صاحب مرحوم کے دور میں جو عائلی قوانین نافذ ہوئے تھے ان کے خلاف میں نے ایک کتاب لکھی جن لوگوں نے ان قوانین کی حمایت کی تھی ان کا ذکر کرتے ہوئے اور ان کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے اس کتاب میں جگہ جگہ طنز کا انداز اختیار کیا تھا اس وقت چونکہ مضمون نگاری کا شوق تھا اس شوق میں بہت سے طنزیہ جملے اور طنزیہ فقرے لکھے اور اس پر بڑی خوشی ہوتی تھی کہ یہ بڑا اچھا جملہ چست کر دیا جب وہ کتاب مکمل ہوگئی تو میں نے وہ کتاب حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی۔ تقریباً دوسو صفحات کی کتاب تھی۔

یہ کتاب کس مقصد سے لکھی ہے؟

جب والد صاحبؒ پوری کتاب سن چکے تو فرمایا یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کتاب کس مقصد کے لئے لکھی ہے؟ اگر اس مقصد سے لکھی ہے کہ جو لوگ پہلے سے تمہارے ہم خیال ہیں وہ

تمہاری اس کتاب کی تعریف کریں کہ واہ واہ کیسا دندان شکن جواب دیا ہے اور یہ تعریف کریں کہ مضمون نگاری کے اعتبار سے اور انشاء اور بلاغت کے اعتبار سے بہت اعلیٰ درجے کی کتاب لکھی ہے اگر اس کتاب کے لکھنے کا یہ منشاء ہے تو تمہاری یہ کتاب بہترین ہے۔

لیکن اس صورت میں یہ دیکھ لیں کہ اس کتاب کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا قیمت ہو گی؟ اور اگر کتاب لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جو آدمی غلطی پر ہے اس کتاب کے پڑھنے سے اس کی اصلاح ہو جائے؟ تو یاد رکھو! تمہاری اس کتاب کے پڑھنے سے ایسے آدمی کی اصلاح نہیں ہو گی بلکہ اس کتاب کو پڑھنے سے اس کے دل میں اور ضد پیدا ہو گی دیکھو! حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے انہوں نے دین کی دعوت دی اور کفر اور شرک کا مقابلہ کیا لیکن ان میں سے ایک نبی بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے طنز کا راستہ اختیار کیا ہو لہٰذا یہ دیکھ لو کہ یہ کتاب اللہ کے واسطے لکھی ہے یا مخلوق کے واسطے لکھی ہے اگر اللہ کے واسطے لکھی ہے تو پھر اس کتاب سے اس طنز کو نکالنا ہو گا اور اس کا طرز تحریر بدلنا ہو گا۔

یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ نہیں ہے

مجھے یاد ہے کہ جب والد صاحبؒ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سر پر پہاڑ توڑ دیا کیونکہ دوسو ڈھائی سو صفحات کی کتاب لکھنے کے بعد اس کو از سر نو ادھیڑنا بڑا بھاری معلوم ہوتا ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ مضمون نگاری کا بھی شوق تھا اور اس کتاب میں بڑے مزیدار فقرے بھی تھے ان فقروں کو نکالتے بھی دل کٹتا تھا لیکن یہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا فیض تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق عطا فرمائی اور میں نے پھر پوری کتاب کو ادھیڑا اور از سر نو اس کو لکھا۔ پھر الحمدللہ وہ کتاب ''ہمارے عائلی قوانین'' کے نام سے چھپی۔ لیکن وہ دن ہے اور آج کا دن ہے الحمدللہ یہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ ایک داعی حق کے لئے طنز کا طریقہ اور طعنہ دینے کا طریقہ اختیار کرنا درست نہیں یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جب حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیج رہے تھے کہ جاؤ اس کو جا کر ہدایت کرو اور اس کو دعوت دو تو اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ ہدایت دی جا رہی تھی کہ

فقولا له قولاً ليناً لعله يتذكر او يخشى (سورۂ طٰہٰ: آیت ۴۴)

یعنی فرعون کے پاس تم دونوں نرمی سے بات کرنا‘ شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔ حضرت والد صاحب یہ بات بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہو سکتے اور تمہارا مخاطب فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہو سکتا۔ وہ فرعون جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا کفر ہی پر مرے گا لیکن اس کے باوجود یہ کہا جا رہا ہے کہ اس سے جا کر نرمی سے بات کرنا تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرمی سے بات کرنے کو کہا جا رہا ہے تو ہما شما کس قطار میں ہیں۔

حق بات کوئی لٹھ نہیں ہے

آج ایک طرف تو یہ فکر ہی کسی کو نہیں ہوتی کہ دین کی بات کسی کو سکھائی جائے یا کسی کو نہی عن المنکر“ کیا جائے اور اگر کسی کے دل میں یہ بات آ گئی کہ حق بات دوسروں کو بتانی ہے تو وہ اس کو اس طرح بتاتا ہے جیسے کہ وہ حق بات ایک لٹھ ہے جو اس نے جس طرح دل چاہا اٹھا کر مار دیا یا جیسے وہ ایک پتھر ہے جو کھینچ کر اس کو مار دیا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے انداز جواب

حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دعوت دینے کے وقت طعنہ نہیں دیتے حتیٰ کہ اگر کوئی سامنے والا شخص طعنہ بھی دے تو جواب میں یہ حضرات طعنہ نہیں دیتے۔

غالباً حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے کہ ان کی قوم نے ان سے کہا کہ:

انا لنرٰک فی سفاهة و انا لنظنک من الکٰذبین

نبی سے کہا جا رہا ہے کہ ہمارا یہ خیال ہے کہ تم انتہا درجے کے بیوقوف ہو احمق ہو اور ہم تمہیں کاذبین میں سے سمجھتے ہیں تم جھوٹے معلوم ہوتے ہو وہ انبیاء علیہم السلام جن پر حکمت اور صدق قربان ہیں ان کے بارے میں یہ الفاظ کہے جا رہے ہیں لیکن دوسری طرف

جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں۔

یقوم لیس بی سفاھة ولکنی رسول من رب العلمین

اے قوم! میں بیوقوف نہیں ہوں بلکہ میں اللہ رب العالمین کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔

ایک اور پیغمبر سے کہا جارہا ہے کہ:

انا لنرٰک فی ضلٰل مبین

ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں کہ تم گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ جواب میں پیغمبر فرماتے ہیں

یقوم لیس بی ضللة ولکنی رسول من رب العلمین

اے قوم! میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ میں اللہ رب العالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ پیغمبر نے طعنہ کا جواب طعنہ سے نہیں دیا۔

ترکی بہ ترکی جواب مت دو

لہٰذا طعنہ کا جواب طعنہ سے نہ دیا جائے اگرچہ شرعاً ایک آدمی کو یہ حق حاصل ہے کہ جیسی دوسرے شخص نے تمہیں گالی دی ہے تم بھی ویسی ہی گالی اس کو دیدو لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین انتقام کا یہ حق استعمال نہیں کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی یہ حق کبھی استعمال نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ معاف کر دینے اور درگزر کر دینے کا شیوہ رہا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے وارثین کا بھی یہی شیوہ رہا ہے۔

انتقام کے بجائے معاف کردو

ارے بھائی! اگر کسی نے تمہیں گالی دیدی تو تمہارا کیا بگڑا؟ تمہاری کونسی آخرت خراب ہوئی؟ بلکہ تمہارے تو درجات میں اضافہ ہوا اگر تم انتقام نہیں لوگے بلکہ درگزر کردو گے اور معاف کردو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں معاف کر دیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کی غلطی کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دن معاف فرمائیں گے جس دن وہ معافی کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا یعنی قیامت کے دن لہٰذا انتقام لینے کی فکر چھوڑ دو، معاف کردو اور درگزر کردو۔

معاف کرنا باعث اجر وثواب ہے

آج کل ہمارے گھروں میں' خاندانوں میں' ملنے جلنے والوں میں' دن رات یہ مسائل پیش آتے رہتے ہیں کہ فلاں نے میرے ساتھ یہ کر دیا' فلاں نے یہ کر دیا' اب اس سے بدلہ لینے کی سوچ رہے ہیں دوسروں سے شکایت کرتے پھر رہے ہیں۔ اس کو طعنہ دے رہے ہیں اس کی دوسروں سے برائی اور غیبت کر رہے ہیں حالانکہ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ لیکن اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر دو تو تم بڑی فضیلت اور ثواب کے مستحق بن جاؤ گے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولمن صبر و غفران ذٰلک لمن عزم الامور (سورۃ الشوریٰ)

جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بیشک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذیٰ بینک و بینہ' عداوۃ کانہ ولی حمیم۔ (سورۃ حم السجدہ)

دوسرے کی برائی کا بدلہ اچھائی سے دو' اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جن کے ساتھ عداوت ہے وہ سب تمہارے گرویدہ ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرما دیا:

ومایلقّٰھآ الا الذین صبروا ومایلقّٰھآ الا ذوحظ عظیم (سورۃ حم السجدہ: آیت ۳۵)

یعنی یہ عمل ان ہی کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور یہ دولت بڑے نصیب والے کو حاصل ہوتی ہے۔

طعنہ سے بچیں

بہرحال' پہلی چیز جو اس حدیث میں بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ مومن کا کام طعنہ دینا نہیں ہے لہٰذا یہ طنز اور طعنہ جس سے دوسرے کی دل آزاری ہو' ایک مومن کے لئے اس سے مکمل پرہیز کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر طعنہ دینے کے نتیجے میں کسی کی دل آزاری ہو گئی اور کسی کا دل ٹوٹا تو آپ کے اس عمل سے ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوا جو اس وقت تک معاف نہیں ہو سکتا جب تک وہ صاحب حق معاف نہ کرے۔ محض توبہ کر لینے سے معاف

نہیں ہوگا۔ العیاذ باللہ۔ لہٰذا صبح سے شام تک کی زندگی میں ہم اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ جب لوگوں کے ساتھ ہمارا واسطہ پیش آتا ہے اور ان سے شکایتیں ہوتی ہیں تو اس میں کہیں ہم سے طعنہ اور دل آزاری کا ارتکاب تو نہیں ہوتا ہے۔ اس کا خیال کرتے ہوئے انسان زندگی گزارے، جو بات بھی دوسرے سے کہنی ہے وہ نرمی سے اور شفقت سے کہہ دو اگر شکایت بھی کسی سے ہوئی ہے تو اس کو تنہائی میں بلا کر کہہ دو کہ تم سے یہ شکایت ہے تاکہ اس کا دل نہ ٹوٹے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اس حدیث میں دوسرا لفظ یہ ارشاد فرمایا "ولا باللعان" مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا یعنی لعنت کے الفاظ زبان سے نکالنا یہ مومن کا کام نہیں ہے۔ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے غلام پر غصہ آگیا ظاہر ہے کہ کسی سنگین غلطی پر ہی غصہ آیا ہوگا بلاوجہ تو وہ غصہ کرنے والے نہیں تھے۔ اس غصے میں کوئی لعنت کا کلمہ زبان سے نکل گیا۔ پیچھے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے آپ ﷺ نے وہ لعنت کا کلمہ ان کی زبان سے سن لیا۔ آپ ﷺ نے وہ کلمہ سن کر ارشاد فرمایا:

لعانین و صدیقین کلا و رب الکعبة

"صدیق" بھی ہو اور لعنت بھی کرتے ہو، رب کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔

یعنی یہ دو چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ جو 'صدیق' ہو وہ لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سنا کہ صدیق کا یہ کام نہیں کہ وہ لعنت کرے لیکن چونکہ یہ غلطی ان سے ہو گئی تھی اس لئے فوراً کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ اس غلام کو بھی آزاد کر دیا۔

روایت میں آتا ہے کہ بعض دوسرے غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ لہٰذا طعنہ اور لعنت دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔

بد دعا کے الفاظ

پھر لعنت کے اندر ساری بد دعائیں داخل ہیں جو ہمارے معاشرے میں رائج ہیں۔

خاص طور پر خواتین کی زبان پر جاری رہتی ہیں مثلاً کسی کو کمبخت کہہ دیا' کسی کو یہ کہہ دیا کہ اس نے جھاڑو پیٹا ہے' یہ سب لعنت کے اندر داخل ہیں اور بلاوجہ زبان پر لعنت کے الفاظ جاری کرنا اپنے نامہ اعمال میں گناہوں کا اضافہ کرنا ہے۔ لہٰذا اگر کسی دوسرے پر غصہ بھی آئے تو غصے میں بھی لعنت کے الفاظ زبان سے نہ نکالے۔

یہ لعنت جائز ہے

البتہ کسی انسان کو شخصی طور پر لعنت کرنا تو حرام ہے لیکن کسی عمل کرنے والے پر لعنت کرنا مثلاً یہ کہنا کہ جو شخص یہ عمل کرے اس پر لعنت ہے یا جو لوگ ایسا عمل کرنے والے ہیں ان پر لعنت ہے یہ صورت جائز ہے جیسا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سے لعنت کرنا منقول ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لعن اللہ آکل الربا و مؤکلہ

یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت سود کھانے والے پر بھی ہے اور سود کھلانے والے پر بھی ہے۔ اسی طرح ایک جگہ پر آپ ﷺ نے فرمایا۔

لعن اللہ المصورین

تصویر بنانے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اسی طرح اور بہت سے برے عمل کرنے والوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے لیکن کسی آدمی کا نام لے کر شخصی طور پر لعنت کرنا حرام ہے اس لئے کہ یہ مومن کا کام نہیں۔

فحش گوئی کرنا

اس حدیث شریف میں تیسری بات یہ بیان فرمائی کہ "ولا الفاحش" مومن فحش گو نہیں ہوتا یعنی وہ ایسی بات زبان سے نہیں نکالتا جو فحاشی کے ذیل میں آتی ہو۔ لہٰذا جہاں غصہ کرنے کا اور بولنے کا موقع ہو وہاں بھی فحاشی سے کام نہ لیا جائے اور بے حیائی کے کلمات زبان سے نہ نکالے جائیں۔ یہ مومن کا شیوہ نہیں ہے۔

بدگوئی کرنا

چوتھا جملہ یہ ارشاد فرمایا "ولا البذی" مومن بذی نہیں ہوتا۔ "بذی" کے معنی ہیں

1. ''بدگو'' ''بداخلاق'' مومن کسی سے بات کرتے ہوئے بدگوئی سے کام لینے والا اور برے الفاظ استعمال کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی زبان کو برے کلمات سے روکتا ہے۔

نرمی زینت بخشتی ہے

دوسری روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

ان الرفق لایکون فی شیء الا زانه ولاینزع من شیء الا شانه. (مسلم)

نرمی جس چیز میں بھی ہوگی وہ نرمی اس کو زینت بخشے گی اور جس چیز سے نرمی کو ختم کر دیا جائے گا وہ اس کو عیب دار بنا دے گا۔ لہٰذا اس طریقے سے جواب دے کر تم کیوں اپنی زبان خراب کرتی ہو صرف ''وعلیکم'' کہنے سے زبان خرابی سے بچ جاتی ہے۔

لہٰذا جب آدمی کلام کرے، چاہے غصے کے وقت بھی کلام کرے اس وقت بھی بدگوئی کے الفاظ زبان پر نہ لائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف جو پچھلی کتب سماویہ یعنی تورات اور انجیل میں بطور علامت مذکور تھے اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا۔

ولافاحشاً ولا متفحشا ولا سخاباً بالا سواق ولکن یعفوا ویصفح

یعنی نہ وہ فاحش ہوں گے نہ متفحش ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے لیکن وہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے۔ اور یہ کلمات تو آج بھی ''بائبل'' میں موجود ہیں کہ ''بازاروں میں اس کی آواز سنائی نہیں دے گی'' اور وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہیں توڑے گا'' اور ٹمٹماتی ہوئی بتی کو نہیں بجھائے گا'' یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں۔

حضور ﷺ کی اخلاق میں بھی اتباع کریں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع صرف ظاہری اعمال کی حد تک محدود نہیں ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دایاں پاؤں پہلے داخل کر دیا اور نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے نکال دیا۔ بیشک یہ بھی بڑے اجر وثواب کی سنتیں ہیں ان پر ضرور عمل کرنا چاہئے لیکن اتباع سنت ان اعمال کے ساتھ محدود نہیں اتباع سنت کا ایک لازمی حصہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اخلاق اور آپ ؐ کے طریقہ کار کو اپنایا جائے خاص طور پر اس وقت جب کوئی شخص دوسروں کے ساتھ معاملہ کرے تو وہ فاحش اور بذی نہ ہو اور بدکلامی نہ کرے اور طعنہ نہ دے۔

لعنت کا وبال

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ایک اور وعید یہ بیان فرمائی ہے کہ جب ایک انسان دوسرے پر لعنت کرتا ہے تو پہلے وہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے اور پھر وہ لعنت اس شخص کی طرف آتی ہے جس پر وہ لعنت کی گئی ہے اگر وہ لعنت کا مستحق ہوتا ہے تو اس کو وہ لعنت لگ جاتی ہے اور اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت واپس اس شخص پر جا کر لگ جاتی ہے جس نے لعنت کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص لعنت کو غلط استعمال کرے تو اس لعنت کرنے والے کا کام تمام کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری زبانوں کی ان تمام گناہوں سے حفاظت فرمائے جن کا ذکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں فرمایا ہے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(وعظ طنز اور طعنہ سے بچیے از اصلاحی خطبات ج ۱۱)

غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون
وجھہ ولاتعدعیناک عنھم (سورۃ الکہف:۲۸)

اس آیت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح وشام اپنے پروردگار کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز کر کے دنیاوی زندگی کی رونق کی طرف بڑھنے لگیں۔ یعنی آپ کہیں نہ سوچیں کہ یہ تو غریب' فقیر اور معمولی قسم کے لوگ ہیں اور معمولی حیثیت کے آدمی ہیں ان کی طرف دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور آپ مالداروں کی طرف دیکھنا شروع کر دیں۔

اللہ کے محبوب کون؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو رابطہ اور تعلق ہے کون مسلمان اس سے ناواقف ہوگا اللہ تعالیٰ کو ساری کائنات میں سب سے زیادہ محبوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ سے زیادہ محبوب اس کائنات میں کوئی ہو نہیں سکتا ایسے محبوب ہیں کہ سارا قرآن کریم آپ کی وصف وثنا میں آپ کی تعریف میں آپ کے اوصاف کے بیان میں بھرا ہوا ہے۔ فرمایا کہ

انا ارسلناک شاھداً و مبشراً و نذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراًo (سورۃ الاحزاب:۴۵'۴۶)

جنتی کون لوگ ہیں

جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنے پر آتے ہیں تو الفاظ کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کیا میں

تمہیں نہ بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ پھر فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کمزور ہے اور لوگ بھی اس کو کمزور سمجھتے ہیں یا تو جسمانی اعتبار سے کمزور ہو یا مالی اعتبار سے کمزور ہو یا حیثیت اور رتبے کے اعتبار سے کمزور ہو یعنی دنیا والے اس کو کم حیثیت اور کم رتبہ والا سمجھتے ہیں لیکن وہ کمزور شخص اللہ کے یہاں اتنا محبوب ہے کہ اگر وہ اللہ کے اوپر کوئی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں یعنی اگر وہ شخص یہ قسم کھالے کہ فلاں کام اس طرح ہوگا تو اللہ تعالیٰ وہ کام اسی طرح فرما دیتے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی محبت اور قدر کی بنا پر ایسا ہی کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتے ہیں

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتوں میں جھگڑا ہو گیا اور جھگڑے میں ایک عورت نے دوسری عورت کا دانت توڑ دیا اور اسلامی قانون یہ ہے کہ دانت کے بدلے دانت جب یہ سزا سنائی گئی تو وہ عورت جس کا قصاص جس میں دانت توڑنے کا فیصلہ ہوا تھا اس کے سرپرست نے کھڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہہ دیا والذی بعثک بالحق لاتکسر ثنیتہا یا رسول اللہ! میں قسم کھاتا ہوں کہ اس کا دانت نہیں ٹوٹے گا اس کا مقصد معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اعتراض کرنا نہیں تھا اور نہ عناد تھا بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس نے کہا کہ حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ ان شاء اللہ اس کا دانت نہیں ٹوٹے گا چونکہ اس کا جذبہ معاندانہ نہیں تھا اور نہ آپ کے فیصلے پر اعتراض مقصود تھا اس لئے کہ آپ نے اس کی بات کا برا نہیں مانا۔

جہاں اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ دانت کے بدلے دانت' آنکھ کے بدلے آنکھ' وہاں اسلام نے یہ بھی رکھا ہے کہ اگر ورثاء معاف کر دیں' یا صاحب حق معاف کر دے تو پھر قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ اور پھر بدلہ لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ جس عورت کا دانت ٹوٹا تھا اس کے دل میں بات آ گئی اور اس نے کہا کہ میں معاف کرتی ہوں اور اس کا دانت نہیں تڑوانا چاہتی۔ چنانچہ اس کو معاف کرنے سے قصاص ختم ہو گیا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ اللہ کے یہاں بڑے محبوب

ہوتے ہیں اور ظاہری حالت ان کی یہ ہوتی ہے کہ ان کے بال پراگندہ، دیکھنے میں کمزور اور اگر لوگوں کے دروازے پر جائیں تو لوگ دھکا دے کر نکال دیں لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی ایسی عزت ہوتی ہے کہ اللہ پر اگر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کردیں اور یہ بھی ایسا شخص ہے کہ اس نے قسم کھائی تھی کہ اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم پوری کردی اور وارثوں نے خود ہی معاف کردیا۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ ایسا شخص جو دیکھنے میں کمزور ہے اور لوگ اسے کمزور سمجھتے ہیں لیکن اپنے تقویٰ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ کو ایسا محبوب ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کردیتے ہیں ایسے لوگ جنت والے ہیں۔

جہنمی کون لوگ ہیں؟

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اہل جہنم کے بارے میں نہ بتلاؤں کہ اہل جہنم کون لوگ ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا کہ:

"کل عتل جواظ مستکبر"

ہر وہ شخص جو سخت مزاج ہو لفظ "عتل" کے معنی ہیں درشت مزاج اور کھردرا آدمی جو بات کرے تو لٹھ مارے اور بات کرتے وقت نرمی سے بات نہ کرے، سختی سے بات کرے، غصہ سے بات کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے۔ ایسے شخص کو "عتل" کہا جاتا ہے۔ دوسرا لفظ فرمایا "جواظ" اس کے معنی ہیں "ناک چڑھا" جس کی پیشانی پر ہر وقت بل پڑے رہتے ہوں اور معمولی قسم کے آدمی سے بات کرنے کو تیار نہیں اور کمزور کم حیثیت اور کم رتبہ آدمی سے بات کرنے میں اپنی توہین سمجھتا ہو اور ہر وقت اکڑتا ہو شیخی باز ہو تیسرا لفظ فرمایا "مستکبر" جو تکبر کرنے والا ہو اور اپنے کو بڑا سمجھنے والا ہو اور دوسروں کو چھوٹا سمجھنے والا ہو۔ ان صفات والوں کے بارے میں فرمایا کہ جہنم والے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ عتل، جواظ اور مستکبر ہیں اور اپنے کو بڑا سمجھنے والے ہیں۔

یہ بڑی فضیلت والے ہیں

اس حدیث سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ غریب اور مسکین لوگوں کو کم حیثیت اور کم

رتبہ سمجھ کر ان کی حقارت دل میں مت لاؤ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کی بڑی فضیلت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والے صحابہ کرام میں ہر طرح کے لوگ تھے بلکہ زیادہ تعداد ایسے حضرات کی تھی جو مالی اعتبار سے بڑی حیثیت نہیں رکھتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب مل کر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عثمان غنیؓ بیٹھے ہیں جو بڑے صاحب ثروت اور دولت مند تھے اور دوسری طرف حضرت بلال حبشیؓ سلمان فارسی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہیں جو کبھی دو دو تین تین وقت کے فاقے سے ہوتے تھے۔

یہ فاقہ مست لوگ

چنانچہ ایک دن کفار مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کے پاس آنے کو تیار ہیں اور آپ کی بات سننے کو تیار ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ کے پاس ہر وقت معمولی قسم کے فاقہ مست لوگ بیٹھے رہتے ہیں اور ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ اس سے ہماری شان میں فرق آتا ہے۔ اس لئے آپ ان کی مجلس الگ کر دیں اور ہمارے لئے علیحدہ مجلس منعقد کریں۔ اس وقت ہم آپ کے پاس آ کر آپ کی باتیں سننے کے لئے تیار ہیں۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی کہ ان کے لئے علیحدہ وقت مقرر کر دیا جاتا تاکہ اس وقت میں آ کر آپ کی باتیں سن لیتے اور ہو سکتا ہے دین کی باتیں سن کر ان کی اصلاح ہو جائے۔ ہم جیسا کوئی ہوتا تو ان کی بات مان بھی لیتا لیکن بات اصول کی تھی۔ اس لئے فوراً قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ:

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ

''اور ان لوگوں کو مت دور کیجئے جو اپنے پروردگار کو صبح وشام اس کی رضا کا قصد کرتے ہوئے پکارتے ہیں''۔ (الانعام:۵۲)

چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا کہ حق کی طلب لے کر آنا چاہتے ہو تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ہوگا اور اگر نہیں بیٹھنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے۔ اور اللہ کا رسول تم سے بے نیاز ہے۔ لیکن تمہارے لئے الگ مجلس منعقد نہیں کی جائیں گی۔ (صحیح مسلم)

انبیاء علیہم السلام کے متبعین

دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا کہ اس وقت کے کفار نے بھی ان سے یہی کہا کہ

مانراک اتبعک الاالذین ھم اراذلنا بادی الرأی (سورۃ ہود: ۲۷)

(ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی اتباع انہی لوگوں نے کی ہے جو ہم میں بالکل رذیل قسم کے لوگ ہیں۔ وہ بھی محض سرسری رائے سے) مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کے پیچھے کس طرح آ سکتے ہیں اس لئے کہ ہم تو بڑے عقل منداور بڑی شان والے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ جن کو تم رذیل کہہ رہے ہو کمزور غریب اور فقیر سمجھ رہے ہو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں یہ لوگ بڑے رتبے والے ہیں لہٰذا ان کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو۔ یہاں اصول کا معاملہ ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ تمہاری امارت اور تمہاری سرداری اور دولت مندی کے بل بوتے پر تمہیں فوقیت دے دی جائے اور یہ وہ اصول ہے جس پر اللہ اور اللہ کے رسول نے کبھی مصالحت نہیں کی۔ وہ ہمارے بندے دیکھنے میں چاہے کتنے کمزور ہوں اور کتنے برے لگتے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بہت اونچا مقام ہے۔

حضرت زاہر رضی اللہ عنہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی کبھی گاؤں سے ایک صاحب آیا کرتے تھے اور ان کا نام زاہر تھا اور بالکل سیاہ فام آدمی اور دیہاتی تھے اور روپے پیسے کے اعتبار سے کم حیثیت تھے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ زاہر بازار میں کھڑے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ بازار میں ایک دیہاتی، سیاہ فام، کم حیثیت، کم رتبہ والا شخص کھڑا ہو تو اس کی طرف کون دھیان کرے گا۔ اور لباس بھی پھٹا پرانا اس کی طرف کوئی التفات بھی نہ کرے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب اس بازار سے گزرے تو سارے بازار والوں کو چھوڑ کر حضرت زاہر کے پاس پیچھے سے

تشریف لے گئے اور پیچھے سے کولی بھر کر اس کی آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے کہ ایک دوست دوسرے دوست کی مذاق میں پیچھے سے آنکھیں بند کر لیتا ہے جب آپ نے آنکھیں بند کر لیں تو حضرت زاہر اپنے آپ کو چھڑانے لگے کہ معلوم نہیں کس نے آ کر پکڑ لیا اور پھر آپ نے اس طرح آواز لگائی جس طرح سامان بیچنے والا آواز لگاتا ہے کہ

من یشتری العبد؟ غلام کون خریدے گا؟

اب تک تو حضرت زاہرؓ کو معلوم نہیں تھا کہ مجھے کس نے پکڑ لیا ہے۔ اس لئے چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن جب یہ الفاظ سنے تو فوراً پہچان گئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اب اپنے آپ کو چھڑانے کے بجائے اپنی کمر کو زیادہ سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے متصل کرنے لگے اور بیساختہ ان کی زبان پر یہ جملہ آیا کہ:

یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے غلام بنا کر بیچیں گے تو میری قیمت بہت کم لگے گی۔ اس لئے کہ میری قیمت لگانے والا کوئی بڑی قیمت نہیں لگائے گا اس لئے کہ میری حیثیت تو معمولی ہے۔ سبحان اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا:۔

"لکن عنداللہ لست بکاسد"

اے زاہرؓ لوگ تمہاری قیمت کچھ لگائیں یا نہ لگائیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری قیمت کم نہیں بلکہ بہت زیادہ ہے۔ اب دیکھئے کہ سارے بازار میں بڑے بڑے تاجر بیٹھے تجارت کر رہے ہوں گے اور وہ روپے پیسے والے ہوں گے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے بازار والوں کو چھوڑ کر ان کا دل رکھنے اور بشارت سنانے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح بے تکلف دوست کے ساتھ انسان پیش آتا ہے۔ (مسند احمد)

اور ساری عمر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے رہے کہ **اللھم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین** (ترمذی)

اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھئے، مسکینی کی حالت میں مجھے موت دیجئے، اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر فرمایئے۔

نوکر آپ کی نظر میں

آج قدریں بدل گئیں تصورات بدل گئے اب دنیا کے اندر جو باوقعت ہے اونچے مقام اور منصب والا ہے روپے پیسے والا ہے تو اس کی عزت بھی ہے اس کا اکرام بھی ہے اس کی طرف توجہ بھی ہے اور جو شخص دنیاوی اعتبار سے کمزور ہے اس کی عزت دل میں نہیں۔ اس کی طرف توجہ نہیں۔ اس کے ساتھ حقارت کا معاملہ کیا جاتا ہے یاد رکھئے اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں بعض اوقات ہم زبان سے تو کہہ دیتے ہیں کہ:

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (الحجرات:۱۳)

جو شخص جتنا زیادہ متقی ہے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور معزز ہے۔ لیکن عملاً ہمارا ان کے ساتھ برتاؤ کیسا ہے۔ تمہارے گھر میں جو نوکر کام کر رہے ہیں۔ یا تمہارے پاس جو فقیر لوگ آتے ہیں ان کے ساتھ کس طرح بات کرتے ہو؟ (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) ان کے ساتھ حقارت آمیز معاملہ کرنا بڑی خطرناک بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے آمین۔

جہنم متکبرین سے بھر جائے گی

بہر حال! جہنم جبار اور متکبر لوگوں سے بھری ہوگی جو لوگوں پر اپنی بڑائی جتاتے ہیں اور تکبر کا معاملہ کرتے ہیں اور لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ بڑائی جتاتے اور شیخیاں بگھارتے ہیں ایسے لوگوں سے جہنم بھری ہوگی۔

جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوگی

اور جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوگی جو بظاہر دیکھنے میں کمزور معلوم ہوں جو متواضع اور مسکین طبع ہوں جو دوسروں کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آئیں تواضع کے ساتھ پیش آئیں اپنے آپ کو کمزور معلوم ہوں جو متواضع اور مسکین طبع ہوں جو دوسروں کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آئیں تواضع کے ساتھ پیش آئیں اپنے آپ کو کمتر سمجھیں ایسے لوگوں سے جنت بھری ہوگی۔

تکبر اللہ کو ناپسند ہے

جہنم اللہ تعالیٰ نے متکبرین سے بھر دی ہے اس واسطے کہ متکبر وہ شخص ہے جو دوسروں

پر اپنی بڑائی جتائے اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور دوسروں کو چھوٹا سمجھے۔ اپنے آپ کو عظیم سمجھے دوسروں کو حقیر سمجھے اور اللہ تعالیٰ کو یہ تکبر اور بڑائی ایک لمحے کے لئے بھی پسند نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

الکبریاء ردائی فمن نازعنی فیہ قذفتہ فی النار (ابوداؤد)

بڑائی تو درحقیقت میری چادر ہے' میری صفت ہے' اللہ اکبر' اللہ بڑا ہے جو شخص مجھ سے اس چادر میں جھگڑا کرے گا میں اس کو آگ میں ڈال دوں گا حقیقت میں یہ تکبر جہنم کی طرف لے جانے والا عمل ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس گناہ سے بچائے۔ آمین۔ اور یہ اتنا شدید گناہ ہے کہ یہ ام الامراض ہے۔ گناہوں کی جڑ ہے اس ایک تکبر سے نہ جانے کتنے گناہ نکلتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب انسان کے دل میں تکبر آ گیا اور اپنی بڑائی کا خیال آ گیا تو اس کے بعد وہ انسان کو طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

متکبر کی مثال

عربی زبان کی ایک بڑی عجیب اور حکیمانہ مثل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ متکبر کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو اور وہ بلند ہونے کی وجہ سے دوسروں کو چھوٹا سمجھتا ہے اور دوسرے اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں تو متکبر جب کبھی وہ دوسرے پر نگاہ ڈالے گا تو اس کے دل میں دوسروں کی حقارت آئے گی اور کسی بھی مومن کے اوپر مومن تو کجا کافر کے اوپر بھی حقارت کی نگاہ ڈالنا گناہ کبیرہ ہے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین اب جو شخص متکبر ہوگا وہ دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا اور جتنے انسانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا اتنے ہی گناہ کبیرہ اس کے نامہ اعمال میں بڑھتے چلے جائیں گے۔

پھر متکبر جب دوسروں سے بات کرے گا تو ایسے کرخت انداز میں بات کرے گا جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے اور کسی مسلمان کا دل توڑنا بھی گناہ ہے۔

کافر کو بھی حقارت سے مت دیکھو

اور یہ جو میں نے کہا کہ کسی کافر کو بھی حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو یہ بھی گناہ ہے اس لئے

کہ کیا پتہ کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کافر کو ایمان کی توفیق دے دیں اور وہ تم سے آگے بڑھ جائے لہٰذا کافر کی حقارت نہیں ہونی چاہئے۔ البتہ کفر کی حقارت ہونی چاہئے۔ فسق اور گناہ کی حقارت تو دل میں ہو لیکن گناہ گار کی ذات سے حقارت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن یہ فرق کہ کس وقت دل میں گناہ اور کفر کی حقارت ہے اور کس وقت اس آدمی کی حقارت دل میں ہے جو اس کفر اور گناہ میں مبتلا ہے آدمی کو بسا اوقات اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ چیز بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع

ہم اور آپ تو کس شمار میں ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ:

''میں اپنے آپ کو ہر مسلمان سے فی الحال اور کافر سے فی المآل والاحتمال کمتر سمجھتا ہوں۔ یعنی اپنے آپ کو ہر مسلمان سے اس وقت اور کسی کافر کو اس احتمال پر کہ شاید یہ کسی وقت مسلمان ہو جائے اور مجھ سے آگے بڑھ جائے اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہوں''۔

''تکبر'' اور ''ایمان'' جمع نہیں ہو سکتے

تکبر ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا جب انسان کے دل میں تکبر آ جاتا ہے (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔) تو بعض اوقات ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ آخر یہ تکبر ہی تو تھا جو شیطان اور ابلیس کو لے ڈوبا' اس سے کہا گیا کہ سجدہ کر' بس دماغ میں یہ تکبر آ گیا کہ میں تو آگ سے بنا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے بنا ہوا ہے۔ دل میں اس کی حقارت آ گئی اور اپنی بڑائی آ گئی۔ ساری عمر کے لئے راندہ درگاہ اور متروک اور مردود ہو گیا۔ یہ تکبر اتنی خطرناک چیز ہے۔

''تکبر'' ایک خفیہ مرض ہے

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم اور آپ پر کہیں زیادہ مہربان ہیں وہ اس حدیث کے ذریعہ یہ سبق دے رہے ہیں کہ دیکھو' تکبر قریب پھٹکنے نہ پائے۔ یہ ایسی بیماری ہے کہ بسا اوقات بیمار کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ میں اس بیماری میں مبتلا ہوں حقیقت میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں لیکن حقیقت میں اس کے اندر تکبر ہوتا ہے اس کا پتہ چلانا بھی

آسان نہیں اسی لئے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ کسی اللہ والے سے کسی شیخ کامل سے تعلق قائم کرو۔

پیری مریدی کا مقصد

یہ پیری مریدی کا جو رواج ہے کہ کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تو برکت ہو گی اور وہ کچھ وظیفے بتا دیں گے تو وظیفہ پڑھ لیں گے وغیرہ خوب یاد رکھئے۔ کہ یہ اس کا اصل مقصد نہیں ہے کسی شیخ کے پاس جانے یا کسی مصلح کے پاس جانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہ جو دل کی بیماریاں ہیں جن میں سرفہرست یہ تکبر کی بیماری ہے ان کا علاج کرائیں جیسے بیمار کو پتہ نہیں ہوتا کہ میں کس بیماری میں مبتلا ہوں اور پھر اس کا علاج تجویز کرتا ہے اسی طرح شیخ روحانی بیماریوں کا علاج کرتا ہے اسی تشخیص کے لئے شیخ سے رجوع کیا جاتا ہے ہاتھ میں ہاتھ دیدینا معالج سے رابطہ قائم کرنے کی ایک صورت ہے۔

تکبر کا راستہ جہنم کی طرف

اللہ تعالیٰ اس بیماری سے ہمیں بچائے۔ غرض یہ بیماری انسان کے قلب کے اندر اس طرح داخل ہوتی ہے کہ بسا اوقات اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا وہ تو سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں ٹھیک ٹھیک آدمی ہوں۔ لیکن حقیقت میں وہ تکبر کی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اور پھر اس کا سیدھا راستہ جہنم کی طرف جا رہا ہے اور ایمان حقیقی تکبر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے اس کے علاج کی فکر کی ضرورت ہے اور اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تنبیہ فرمائی ہے۔

جنت میں ضعفاء اور مساکین کی کثرت

اس حدیث کے دوسرے حصے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

جنت ضعفاء اور مساکین سے بھری ہوئی ہے یعنی جن کو تم دنیا کے اندر بے حقیقت سمجھتے ہو، غریب، غرباء، فقیر فقراء، معمولی حیثیت والے۔ معمولی کپڑے پہننے والے ایسے لوگ جن کی طرف لوگ التفات بھی نہیں کر سکتے ایسے لوگ اکثر و بیشتر اللہ جل جلالہ سے قریب ہوتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت اور محبت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر نازل ہوتی ہیں اور جنت کے اندر اکثر لوگ ایسے ہوں گے۔

انبیاء کے متبعین اکثر غرباء ہوتے ہیں

قرآن کریم کے اندر انبیاء علیہم السلام کے واقعات دیکھ لیجئے کہ دنیا میں جتنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ان سب کی اتباع کرنے والے اور پیچھے چلنے والے یہ غریب غرباء اور کمزور مسکین قسم کے لوگ تھے اور یہی وجہ کہ تمام مشرکین یہ اعتراض کرتے تھے ہم ان کے ساتھ کیسے بیٹھیں؟ ان میں تو کوئی ماہی گیر ہے کوئی مچھیرا ہے کوئی بڑھئی ہے۔ کوئی دوسرا معمولی پیشے والا ہے۔ یہ سب آپ کے پاس آکر بیٹھتے ہیں اور ہم تو بڑے سردار ہیں ہم ان کے ساتھ کیسے بیٹھیں؟ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں کے اوپر فضل فرمایا اور ان کو وہ مقام بخشا کہ دوسرے اس مقام کو ترستے رہے تو لہٰذا ظاہری اعتبار سے جو لوگ کمزور نظر آتے ہیں ان کو کبھی یہ نہ سمجھو کہ معاذ اللہ یہ حقیر ہیں۔ ان کی تحقیر کبھی دل میں نہ لاؤ اور ان کے ساتھ معاملہ اور برتاؤ ایسا نہ کرو۔

ضعفاء اور مساکین کون ہیں؟

اس حدیث میں دوسری بات جو خاص طور پر عرض کرنے کی ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لفظ استعمال فرمائے ایک "ضعفاء" اور دوسرے "مساکین" ضعفاء کے معنی یہ ہیں کہ جسمانی اعتبار سے کمزور، مالی اعتبار سے کمزور، رتبے کے اعتبار سے کمزور، منصب کے اعتبار سے کمزور اور لفظ "مساکین" جمع ہے "مسکین" کی اور "مسکین" کے دو معنی آتے ہیں ایک تو مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسے نہ ہوں اور جو مفلس ہو دوسرے مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسے ہوں یا نہ ہوں لیکن اس کے مزاج میں مسکینی ہو۔ اس کی طبیعت میں مسکینی ہو چاہے اس کے پاس پیسے ہوں اور وہ مالدار بھی ہو لیکن طبیعت میں تکبر پاس سے نہیں گزرا وہ مسکینوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ مسکینوں کو اپنے قریب رکھتا ہے اس کی طبیعت میں عاجزی ہے تکبر کی بات کبھی نہیں کرتا۔ ایسا شخص مسکین کے زمرے میں داخل ہے۔

مسکین اور مالداری جمع ہو سکتے ہیں

لہٰذا یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ صاحب! اگر کسی کے پاس مال ہے اور وہ خوش حال ہے تو وہ ضرور جہنم میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو

مال دیا ہے دولت عطا فرمائی ہے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے لیکن اگر طبیعت میں مسکینی اور عاجزی ہے تکبر نہیں ہے اور دوسروں کے ساتھ برتاؤ اچھا ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرتا ہے تو وہ بھی ان شاء اللہ مسکین کے زمرے میں داخل ہے۔

فقر اور مسکینی الگ الگ چیزیں ہیں

اور ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ:

اللھم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً و احشرنی فی زمرۃ المساکین (ترمذی)

اور ایک دوسری حدیث میں یہ دعا فرمائی گئی۔

اللھم انی اعوذبک من الفقر (ابوداؤد)

اے اللہ! میں فقر سے مفلسی سے اور دوسروں کی احتیاج سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں آپ نے فقر سے تو پناہ مانگی اور مسکینی کی دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسکینی کوئی اور چیز ہے۔ یہ فقر و فاقہ مراد نہیں ہے بلکہ مسکینی سے مراد طبیعت کی مسکینی مزاج کی مسکینی تواضع خاکساری اور مسکینوں کے ساتھ اچھا معاملہ وغیرہ ہے۔ اگر یہ خاکساری دلوں میں پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس بشارت میں داخل ہو سکتے ہیں جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

جنت اور جہنم کے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

پھر حدیث کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان اس طرح فیصلہ فرمادیا کہ جنت سے تو یہ کہہ دیا کہ تم تو میری رحمت کا نشان ہو لہٰذا جس پر مجھے رحمت کرنی ہوگی تمہارے ذریعے رحمت کروں گا اور جہنم سے فرمادیا کہ تم میرے عذاب کا نشان ہو جس کو عذاب دینا ہوگا تمہارے ذریعے دوں گا اور دونوں کو بھر کے رہوں گا۔ جنت کو بھی انسانوں سے بھروں گا اور جہنم کو بھی بھروں گا۔ اس واسطے کہ دنیا میں دونوں قسم کے انسان پائے جائیں گے وہ بھی جو جنت کے حقدار ہیں جنت کے اعمال کرنے والے ہیں اور وہ بھی جو جہنم کے اعمال کرنے والے ہیں۔ بس! اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما دے جن کو اللہ تعالیٰ جنت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ آمین ثم آمین۔

ظاہری صحت وقوت، حسن و جمال پر مت اتراؤ

اگلی حدیث ہے کہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک ایسا شخص لایا جائے گا جو جسمانی اعتبار سے بڑا موٹا تازہ ہوگا اور بڑے مرتبے والا ہوگا لیکن اللہ کے نزدیک اس کا وزن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔ (بخاری) یہ ساری دنیاوی عظمت اور یہ جسمانی صحت اور جسمانی حسن یہ سب دھرا رہ جائے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس شخص نے باوجود صحت و طاقت کے اللہ جل جلالہ کو راضی کرنے والے کام نہیں کئے، اس لئے اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی اس کی حیثیت نہیں۔

اس حدیث کا مقصود بھی یہی ہے کہ اپنے ظاہری حسن و جمال پر اپنی صحت پر اپنی قوت پر اپنے مرتبے پر اپنے مال و دولت پر کبھی نہ اتراؤ، ہوسکتا ہے کہ یہ مال و دولت یہ مرتبہ یہ صحت وقوت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر سے بھی زیادہ بے حقیقت ہو۔ اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ اعمال کیسے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے راستے پر چل رہے ہو یا نہیں۔

مسجد نبوی میں جھاڑو دینے والی خاتون

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ ایک واقعہ بیان فرما رہے ہیں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک خاتون تھیں جو کبھی کبھی مسجد نبوی میں آکر جھاڑو دیا کرتی تھیں اور وہ خاتون سیاہ فام تھیں لیکن وہ خاتون چند روز تک آپ کو نظر نہیں آئیں اور مسجد نبوی کی جھاڑو اور صفائی کے لئے نہ آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کے بارے میں صحابہ کرام سے پوچھا کہ کافی دن سے وہ خاتون نظر نہیں آرہی ہیں اور مسجد کی جھاڑو لگانے نہیں آرہی ہیں۔ آپ اس سے اندازہ لگایئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایک فرد کے ساتھ کس درجہ کا تعلق تھا۔ وہ خاتون آتیں جھاڑو لگا کر چلی جاتیں لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظہ اور یادداشت میں وہ محفوظ تھیں اس لئے صحابہ کرام سے آپ نے پوچھا کہ کیوں نہیں آئیں۔ کیا بات ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا! یارسول اللہ ان کا تو انتقال

ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے انتقال کے بارے میں آپ نے مجھے بتایا تک نہیں تو صحابہ کرام نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن انداز ایسا اختیار فرمایا جس سے یہ بتانا مقصود ہو کہ حضور وہ تو ایک معمولی قسم کی خاتون تھیں اگر انتقال ہو گیا تو اتنی بڑی اہم بات نہیں تھی کہ آپ جیسی ہستی کو اس کے بارے میں بتایا جاتا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اس کی قبر کہاں ہے؟ کس جگہ ان کو دفن کیا ہے؟ آپ صحابہ کرام کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور جا کر ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری شریف)

قبر پر نماز جنازہ کا حکم

عام طور سے نماز جنازہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی کی نماز جنازہ پڑھ لی گئی ہو تو اس کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں اور اگر کسی کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تب بھی شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک میت کے پھول نے پھٹنے کا احتمال نہ ہو اس وقت تک تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اگر اندیشہ ہو کہ اتنے دن گزرنے کی وجہ سے لاش پھول پھٹ گئی ہو گی تو اس کے بعد قبر پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

قبریں اندھیروں سے بھری ہوتی ہیں

لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کی خصوصیت کے طور پر اس کے امتیاز کے طور پر اور صحابہ کرام کو جتانے کے لئے آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ یہ قبریں ظلمتوں اور اندھیروں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ میری نماز کی برکت سے ان قبروں میں نور پیدا فرما دیتے ہیں۔

کسی کو حقیر مت سمجھو

یہ عمل آپ نے اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ کسی بھی شخص کو چاہے وہ مرد ہو یا عورت وہ اگر دنیاوی اعتبار سے معمولی رتبے کا ہے اس کو یہ نہ سمجھو کہ یہ حقیقت میں بھی معمولی رتبے کا ہے اس کو اہمیت دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ پتہ نہیں کہ وہ اللہ جل شانہ کے نزدیک کیا مقام رکھتا ہو' اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا مرتبہ ہو۔

1. ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست　　شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

لہٰذا کسی بھی انسان کو معمولی ہیئت میں دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ یہ ایک بے حقیقت انسان ہے، کیا پتہ کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کتنا مقبول ہے۔

یہ پراگندہ بال والے

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے ایسے لوگ جو پراگندہ بال والے ہیں ان کے بالوں میں کنگھی نہیں کی گئی ہے اور غبار آلودہ جسم اور چہرہ والے محنت اور مزدوری کر کے کماتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے جسم پر اور چہرہ پر گرد کی تہہ جمی ہوئی ہے اور یہ لوگ اگر کسی کے دروازے پر جائیں تو لوگ ان کو دھکا دے کر ان کو نکال دیں۔ یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے تو بے حقیقت ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کی قدر و قیمت ہوتی ہے کہ اگر اللہ جل جلالہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پوری کر دیں یعنی اگر یہ لوگ قسم کھا کر کہہ دیں کہ فلاں کام ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ وہی کام کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہہ دیں کہ یہ کام نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ وہ کام روک دیتے ہیں۔

غرباء کے ساتھ ہمارا سلوک

ان تمام حدیثوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ظاہری اعتبار سے کسی انسان کو دیکھ کر اس کو معمولی اور بے حقیقت نہ سمجھو۔ زبان سے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اور اللہ کے نزدیک امیر غریب برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں غریب کی بڑی قیمت ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جب ہم ان کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں اور جب ان کے ساتھ سلوک کرتے ہیں کیا اس وقت واقعی یہ باتیں ہمارے ذہن میں رہتی ہیں؟ اپنے نوکروں کے ساتھ، اپنے خادموں کے ساتھ، اپنے ماتحتوں کے ساتھ، اور دنیا میں جو غریب غرباء نظر آتے ہیں ان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ حقیقت ہمارے ذہن میں رہتی ہے یا نہیں؟ ہوتا یہ ہے کہ زبان سے تو میں تقریر کرلوں گا اور آپ تقریر سن لیں گے لیکن جب کرنے کا معاملہ آتا ہے تو اس وقت سب بھول جائیں گے۔

جنت اور دوزخ میں جانے والے

حضرت اسامۃ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے چہیتے صحابی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں گویا کہ یہ منہ بولے پوتے ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا یہ شاید معراج کا واقعہ ہوگا کیونکہ معراج کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت اور دوزخ دونوں کی سیر کرائی گئی یا کسی اور موقع پر عالم رویت یا عالم کشف میں ایسا ہوا ہوگا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے میں نے دیکھا کہ اکثر لوگ جو مجھے جنت میں نظر آئے وہ مسکین قسم کے لوگ تھے اور میں نے دیکھا کہ دنیا میں جن کو خوش بخت شمار کیا جاتا تھا کہ بڑے خوش حال ہیں بڑے صاحب منصب ہیں اور دولت مند ہیں جن کو لوگ دنیا میں بڑی قسمت والے سمجھتے ہیں وہ سب جنت کے دروازے پر رکے کھڑے ہیں جیسا کہ ان کو کسی نے روکے رکھا ہے کہ داخل نہیں ہوسکتے۔ اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ وہ اس لئے رکے کھڑے تھے کہ وہ جنت میں داخل ہونے کے لائق تو تھے لیکن حساب و کتاب اتنا لمبا چوڑا تھا کہ جب تک اس حساب کتاب کو صاف نہ کریں اس وقت تک جنت میں داخلے کی اجازت نہیں اس لئے وہ دروازے پر کھڑے ہیں اور ان میں جو جہنم والے تھے ان کے بارے میں حکم ہوگیا تھا کہ ان کو جہنم میں لے جایا جائے اور جہنم کے دروازے پر میں نے کھڑے ہو کر دیکھا تو اکثر اس میں داخل ہونے والی عورتیں ہیں عورتوں کی تعداد جہنم کے اندر زیادہ نظر آئی۔ (صحیح بخاری)

مساکین جنت میں ہوں گے

اس حدیث میں دو حصے بیان فرمائے ایک یہ کہ جنت میں اکثر و بیشتر داخل ہونے والے لوگ مساکین نظر آئے اس کی تفصیل پیچھے بھی آچکی ہے اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ ضروری نہیں مساکین سے مفلس اور فقیر مراد ہوں بلکہ وہ لوگ جو طبیعت کے اعتبار سے مسکین ہیں وہ بھی انشاء اللہ اللہ کی رحمت سے مسکین کے اندر داخل ہیں۔

عورتیں دوزخ میں زیادہ کیوں ہوں گی

دوسرا حصہ یہ ہے کہ جہنم میں جو اکثر آبادی نظر آئی وہ عورتوں کی نظر آئی۔ ایک دوسری حدیث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کر کے فرمایا:

انی اریتکن اکثر اھل النار (مسند احمد)

مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم کے اکثر باشندے تم ہو، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جہنم میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوگی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت بحیثیت عورت ہونے کے جہنم کی زیادہ مستحق ہے بلکہ دوسری حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ بیان فرمائی وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جہنم کی آبادی میں اکثر حصہ عورتوں کا ہے۔ تو خواتین نے عرض کیا کہ: بم یا رسول اللہ؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ جہنم میں خواتین کی تعداد زیادہ ہوگی؟ آپ نے اس کی دو وجہیں بنیادی طور پر بیان فرمائیں وہ یہ کہ ''تکثرن العین وتکفرن العشیر'' دو خرابیاں خواتین کے اندر ایسی ہیں جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہیں جو عورت ان سے بچ جائے گی وہ انشاء اللہ جہنم سے بھی بچ جائے گی۔ پہلی وجہ بیان فرمائی کہ ''تکثرن اللعن'' کہ لعن طعن بہت کرتی ہو یعنی ایک دوسری کو لعنت دینے کا رواج تمہارے اندر بہت زیادہ ہے۔ معمولی معمولی بات پر کسی کو بد دعا دے دی کسی کو کوسنا دے دیا کسی کو برا بھلا کہہ دیا اور طعنہ دینا بھی بہت ہے۔ طعنہ اس بات کو کہتے ہیں کہ ایسا جملہ بول دیا جس سے دوسرے کے جسم میں آگ لگ گئی اس کا دل ٹوٹ گیا اس کے نتیجے میں دوسرے کو پریشان کر دیا اور یہ مشاہدہ ہے کہ اس میں خواتین بہت مبتلا ہوتی ہیں۔

شوہر کی ناشکری

دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ ''تکفرن العشیر'' یعنی تم شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہو یعنی اگر کوئی بیچارہ شریف سیدھا شوہر وہ جان مال اور محنت خرچ کر کے تمہیں راضی کرنے کی فکر کر رہا ہے لیکن تمہاری زبان پر شکر کا کلمہ مشکل ہی سے آتا ہے بلکہ ناشکری کے کلمات زبان

سے نکالتی ہو یہ دو سبب ہیں جن کی وجہ تم جہنم میں زیادہ جاؤ گی اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔

ناشکری کفر ہے

ناشکری یوں تو ہر حالت میں بری ہے اور اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے اور اس کی ناپسندیدگی کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ عربی زبان اور شریعت کی اصطلاح میں ''ناشکری'' کا نام ''کفر'' ہے اس لئے ''کفر'' جس سے ''کافر'' بنا ہے اس کے اصلی معنی ہیں ''ناشکری'' اور کافر کو کافر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنی نعمتوں سے نوازا اس کو پیدا کیا اس کی پرورش کی اس پر نعمتوں کی بارش فرمائی اور وہ ناشکری کر کے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرا دیتا ہے۔ یا ایسی محسن ذات کے وجود کا انکار کرتا ہے اس لئے یہ اتنی خطرناک چیز ہے۔

شوہر کے آگے سجدہ

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں دنیا میں اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کے آگے سجدہ کرے، لیکن سجدہ چونکہ کسی اور کے لئے حلال نہیں اس لئے یہ حکم نہیں دیتا۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ یہ عورت کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شوہر کی اطاعت کرے اور اس کی ناشکری نہ کرے اور جب وہ اس کی ناشکری کرے گی تو وہ درحقیقت اللہ کی ناشکری ہوگی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو شوہر کی ناشکری اتنی ناپسند ہے کہ خواتین کو بتلا دیا کہ اس کی وجہ سے تم جہنم میں جاؤں گی یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ (ابوداؤد)

جہنم سے بچنے کے دو گر

اللہ تعالیٰ نے شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق رکھے ہیں اور بیوی کے ذمے شوہر کے حقوق رکھے ہیں خاص طور سے ہماری بہنوں کے لئے بڑی یاد رکھنے کی بات ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ اہتمام کر کے خواتین کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے

یہ فرمایا کہ تمہارے زیادہ جہنم میں جانے کا سبب یہ دو باتیں ہیں ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون اللہ تعالیٰ کے دین کا رمز شناس ہوگا اور اپنی امت کے افراد کا رمز شناس ہوگا؟ آپ سے زیادہ کوئی مرض کو پہچاننے والا نہیں ہوسکتا۔ اور مرض کی تشخیص کرنے والا اور علاج بتانے والا نہیں ہوسکتا۔ تو عورتوں کو جہنم سے بچانے کے لئے آپ نے دو گر بتا دیئے ایک یہ کہ لعن طعن نہ کرو، اور دوسرے شوہر کی ناشکری نہ کرو۔

اس عورت پر فرشتے لعنت کرتے ہیں

حدیث شریف میں یہاں تک فرمایا کہ اگر شوہر عورت کو بستر پر بلائے اور وہ نہ جائے یا فرمایا کہ اگر عورت ایک رات اس طرح گزارے کہ اس کا شوہر اس سے خفا ہو اور اس کے حقوق اس عورت نے ادا نہ کئے ہوں ساری رات فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں اتنی خطرناک وعید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔

زبان پر قابو رکھیں

اس وقت یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ جو فرمایا جا رہا ہے کہ عورتوں کی تعداد جہنم میں مردوں کے نسبت زیادہ ہوگی، آج کل یہ عورتوں کے حقوق کا بڑا چرچہ ہے اور یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ عورت کو نہ بہت نچلا مقام دیا گیا ہے، یہاں تک کہ جہنم میں بھی عورتیں زیادہ بھر دی گئیں لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ وہ عورتیں جہنم میں اس لئے نہیں بھر ئی گئیں کہ وہ عورتیں ہیں بلکہ اس لئے بھر دی گئیں کہ ان کے اندر بداعمالیوں کی کثرت ہوتی ہے۔ خاص طور پر زبان ان کو جہنم میں لے جانے والی ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو جہنم میں اوندھا گرانے والی چیز اس کی زبان ہے اور عام طور پر جب یہ زبان قابو میں نہیں ہوتی تو اس سے بے شمار گناہ سرزد ہو جاتے ہیں تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ مرد کی زبان پھر بھی کچھ قابو میں ہوتی ہے۔ اور خواتین زبان کو قابو میں رکھنے کا عام طور پر اہتمام نہیں کرتیں۔ اس کے نتیجے میں یہ فساد پیدا ہوتا ہے۔ خدا کے لئے اپنی زبانوں کو احتیاط سے استعمال کرنے کی کوشش کریں کہ زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکالیں جس سے

دوسرے کا دل ٹوٹے، اور خاص طور پر شوہر، جس کا دل رکھنا اللہ تعالیٰ نے بیوی کے فرائض میں شامل فرمایا ہے، لہٰذا یہ جو کہا گیا ہے کہ جہنم میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہوگی اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ زبردستی جہنم میں عورتوں کی تعداد بڑھا دی گئی ہے بلکہ وہ تو درحقیقت ان اعمال کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو ان اعمال سے بچائیں۔ اور اگر یہ خود اہتمام سے بچنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ ضرور بچ جائیں گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ جنت کی خواتین کی سردار بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاتون کو بنایا ہے۔ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اللہ تعالیٰ نے خواتین کو جنت کا مستحق بھی قرار دیا۔ لیکن سارا مدار ان اعمال پر ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت

دوسری ایک بات اور سمجھ لیں جو اسی حدیث سے نکلتی ہے وہ یہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے زیادہ جہنم میں جانے کا سبب یہ نہیں بیان فرمایا کہ وہ عبادت کم کرتی ہیں یہ نہیں فرمایا کہ نفلیں کم پڑھتی ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ تلاوت کم کرتی ہیں وظیفے کم کرتی ہیں۔ بلکہ سبب کے اندر جو دو باتیں بتائیں لعنت اور شوہر کی ناشکری ان دونوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے اس سے نفلی عبادات کے مقابلے میں حقوق العباد کی اہمیت معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ اور اپنی رحمت سے ان تمام حقوق کو بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ آمین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

(وعظ غریبوں کی تحقیر نہ کیجئے از اصلاحی خطبات ج ۴)

یتیموں اور بیواؤں کی مدد

یتیموں اور بیواؤں کی مدد بھی بہت فضیلت کا عمل ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ

لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کے حالات درست کرنا بڑی بھلائی ہے۔ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ ھٰکَذَا، وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَۃِ وَالْوُسْطٰی وَفَرَّجَ بَیْنَھُمَا

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی میں تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اشارہ فرمایا۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث میں کسی یتیم کی سرپرستی کی اتنی عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کی عظمت کا تصور بھی مشکل ہے یعنی ایسا شخص جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپؐ سے نہایت قریب ہوگا۔ اس انتہائی قرب کو ظاہر کرنے کے لئے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اس قسم کا قرب ہوگا جیسا شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی ایک دوسرے سے قریب ہوتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ یتیم کی سرپرستی کرنے والا خواہ اس کا کوئی رشتہ دار ہو، مثلاً ماں، دادا، بھائی، وغیرہ یا رشتہ دار نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں وہ اس اجر وثواب کا حق دار ہوگا۔ (ریاض الصالحین ص ۱۱۸ بحوالہ مسلم)

اور بیوہ کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَۃِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاھِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، وَاَحْسِبُہٗ

قَالَ: وَكَالْقَائِمِ الَّذِيْ لَايَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ الَّذِيْ لَايُفْطِرُ

جو شخص کسی بیوہ یا کسی مسکین کے لئے کوشش کرے وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور (راوی کہتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ اس شخص کی طرح ہے جو مسلسل بغیر کسی وقفے کے نماز میں کھڑا ہو اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو کبھی روزہ نہ چھوڑتا ہو۔'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے حسن سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے بدسلوکی کی جاتی ہو۔''

(الترغیب للمنذری ص ۱۲۷ ج ۴ بحوالہ ابن ماجہ)

قرآن وحدیث یتیموں اور بیواؤں کی مدد کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن ان چند ارشادات ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو کتنا محبوب ہے۔ لہٰذا جب کبھی کسی یتیم یا بیوہ کے ساتھ کسی بھلائی کا موقع ملے۔ اس کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے اور جس قسم کی بھلائی یا مدد کی توفیق ہو جائے، اسے غنیمت سمجھنا چاہئے۔ ان شاء اللہ ان فضائل میں سے حصہ ضرور ملے گا۔ بشرطیکہ نیت دکھاوے کی نہ ہو، نہ احسان جتانا پیش نظر ہو۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کام کیا جائے۔ جس کا ایک اثر یہ بھی ہونا چاہئے کہ اگر اس کی طرف سے کوئی شکریہ یا صلہ موصول نہ ہو تب بھی اس کام کو بے کار نہ سمجھے، اور یہ سوچے کہ اجر اس سے نہیں، اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوگا۔

(آسان نیکیاں)

بیمار کی عیادت کے آداب

بیمار کی عیادت کے اسلامی احکام وآداب کا مجموعہ جس کے
مطالعہ سے اسلامی معتدل تعلیمات ظاہر ہو کر عمل کا جذبہ
بیدار کرتی ہیں۔ مختصر وقت میں بے شمار ثواب حاصل کرنے کا
آسان نسخہ بیمار پرسی

بیمار کی عیادت کے آداب

عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہما قال: امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبع: عیادۃ المریض و اتباع الجنائز و تشمیت العاطس، و نصر الضعیف، و عون المظلوم، وافشاء السلام، و ابرار المقسم۔ (صحیح بخاری)

سات باتیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا، نمبر ایک: مریض کی عیادت کرنا، دوسرے جنازوں کے پیچھے چلنا تیسرے چھینکنے والے کے "الحمد للہ" کہنے کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا چوتھے کمزور آدمی کی مدد کرنا، پانچویں مظلوم کی امداد کرنا، چھٹے سلام کو رواج دینا، ساتویں قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں تعاون کرنا۔

یہ ساتوں چیزیں جن کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حکم فرمایا ہے بڑی اہمیت رکھتی ہیں اس لئے ایک مسلمان کی زندگی کے آداب میں سے ہے کہ وہ ان باتوں کا اہتمام کرے۔ اس لئے ان ساتوں چیزوں کو تفصیل کے ساتھ عرض کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام باتوں پر سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بیمار پرسی ایک عبادت

سب سے پہلی چیز جس کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا وہ ہے مریض کی عیادت کرنا اور بیمار کی بیمار پرسی کرنا۔ مریض کی عیادت کرنا یہ مسلمان کے حقوق میں سے بھی ہے اور یہ ایسا عمل ہے جس کو ہم سب کرتے ہیں۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا شخص ہوگا جس نے زندگی میں کبھی بیمار پرسی نہ کی ہو۔ لیکن ایک بیمار پرسی تو صرف رسم پوری کرنے کے

لئے کی جاتی ہے کہ اگر ہم اس بیمار کی عیادت کرنے کیلئے نہ گئے تو لوگوں کو شکایت ہوگی ایسی صورت میں انسان دل پر جبر کر کے عیادت کرنے کے لئے جاتا ہے۔ اس لئے کہ دل میں اخلاص نہیں ہے' ایک عیادت تو یہ ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس عیادت کا ذکر فرما رہے ہیں وہ عیادت ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔ اخلاص کے ساتھ اور اجر و ثواب کے حاصل کرنے کی نیت سے انسان عیادت کرے احادیث میں عیادت کے جو فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ اسی عیادت پر مرتب ہوتے ہیں۔

سنت کی نیت سے بیمار پرسی کریں

مثلاً آپ ایک شخص کی عیادت کرنے جارہے ہیں اور دل میں یہ خیال ہے کہ جب ہم بیمار پڑیں گے تو یہ بھی ہماری عیادت کے لئے آئے گا لیکن اگر یہ ہماری عیادت کے لئے نہیں آئے گا تو پھر آئندہ ہم بھی اس کی عیادت کے لئے نہیں جائیں گے۔ ہمیں اس کی عیادت کی کیا ضرورت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عیادت "بدلے" کے لئے ہو رہی ہے۔ رسم پوری کرنے کے لئے ہو رہی ہے ایسی عیادت پر کوئی ثواب نہیں ملے گا لیکن جب عیادت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو اس صورت میں آدمی یہ نہیں دیکھتا کہ میں جب بیمار ہوا تھا اس وقت یہ میری عیادت کے لئے آیا تھا یا نہیں؟ بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر یہ نہیں بھی آیا تھا تب بھی میں اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس جاؤں گا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ عیادت خالصتاً اللہ کیلئے کی جارہی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پوری کرنے کیلئے کی جارہی ہے۔

شیطانی حربہ

یہ شیطان ہمارا بڑا دشمن ہے اس نے ہماری اچھی خاصی عبادتوں کا ملیا میٹ کر رکھا ہے اگر ان عبادتوں کو ہم صحیح نیت اور صحیح ارادے سے کریں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بڑا اجر و ثواب ملے اور آخرت کا بڑا ذخیرہ جمع ہو جائے لیکن شیطان یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے لئے آخرت میں اجر و ثواب کا بڑا ذخیرہ تیار ہو جائے' اس لئے وہ ہماری بہت سی

عبادتوں میں ہماری نیتوں کو خراب کرتا رہتا ہے۔ مثلاً عزیزوں اور رشتہ داروں یا دوست احباب سے میل ملاقات کرنا' ان کیساتھ حسن سلوک کرنا' ان کو ہدیہ اور تحفہ دینا' یہ سب بڑے اجر وثواب کے کام ہیں اور سب دین کا حصہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں اور ان کاموں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے اجر وثواب کے وعدے ہیں۔ لیکن شیطان نیت کو خراب کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ شخص یہ سوچتا ہے کہ جو شخص میرے ساتھ جیسا سلوک کرے گا میں بھی اسکے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں گا۔ مثلاً فلاں شخص کے گھر سے میرے گھر کبھی کوئی ہدیہ نہیں آیا میں اس کے گھر کیوں ہدیہ بھیجوں؟ جب میرے ہاں شادی ہوئی تھی تو اس نے کچھ نہیں دیا تھا میں اس کے ہاں شادی میں کیوں ہدیہ دوں؟ اور فلاں شخص نے چونکہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر تحفہ دیا تھا لہٰذا میں بھی اس کی شادی میں ضرور تحفہ دوں گا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مسلمان بھائی کو ہدیہ اور تحفہ دینے کا عمل جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی فضیلت بیان فرمائی تھی شیطان نے اس کے اجر وثواب کو خاک میں ملا دیا اور اب آپس میں ہدیہ اور تحفہ کا جو لین دین ہو رہا ہے وہ بطور رسم کے ہو رہا ہے اور بطور "نیوتہ" ہو رہا ہے۔ یہ صلہ رحمی نہیں ہے۔

صلہ رحمی کی حقیقت

صلہ رحمی وہ ہے جو اس بات کو دیکھے بغیر کی جائے کہ دوسرے نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر قربان جایئے آپ نے فرمایا کہ

لیس الواصل بالمکافی لکن الواصل من اذا قطعت رحمه وصلها (صحیح بخاری)

یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو مکافات کرے اور بدلہ دے اور ہر وقت اس ناپ تول میں لگا رہے کہ اس نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا اور میں اس کیساتھ کیسا سلوک کروں۔ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا درحقیقت وہ شخص ہے کہ دوسرے شخص کے قطع رحمی کرنے کے باوجود یہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کر رہا ہے یا مثلاً دوسرا شخص تو اس کے لئے کبھی کوئی تحفہ نہیں لایا لیکن یہ اس کے لئے تحفہ لے کر جا رہا ہے اور اس نیت سے لے جا رہا ہے کہ ہدیہ دینے کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل

کرتا ہے۔ لہٰذا اب دوسرا شخص ہدیہ دے یا نہ دے میں تو ہدیہ دوں گا۔ اس لئے کہ میں "بدلہ" کا قائل نہیں ہوں۔ میں اس کو درست نہیں سمجھتا۔ حقیقت میں ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا ہے لہٰذا ہر معاملے میں ترازو لے کر مت بیٹھ جایا کرو کہ اس نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا جیسا اس نے کیا تھا میں بھی ویسا ہی کروں گا یہ غلط ہے بلکہ صلہ رحمی کو عبادت سمجھ کر انجام دینا چاہئے۔ جب آپ نماز پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ میرا دوست نماز نہیں پڑھتا اس لئے میں بھی نہیں پڑھتا۔ یا میرا دوست جیسی نماز پڑھتا ہے میں بھی ویسی ہی پڑھوں، نماز کے وقت یہ خیال نہیں آتا اس لئے کہ اس کی نماز کے ساتھ تمہاری نماز تمہارے ساتھ اس کا عمل اس کیساتھ تمہارا عمل تمہارے ساتھ۔ بالکل اسی طرح صلہ رحمی بھی ایک عبادت ہے اگر وہ صلہ رحمی کی عبادت انجام نہیں دے رہا تو تم تو اس عبادت کو انجام دو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرو۔ اسی طرح اگر وہ تمہاری عیادت کے لئے نہیں آ رہا ہے تو تم تو اس کی عیادت کے لئے جاؤ اس لئے کہ عیادت کرنا بھی ایک عبادت ہے۔

بیمار پرسی کی فضیلت

یہ عبادت بھی ایسی عظیم الشان ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان المسلم اذا عادا خاه المسلم لم يزل في خرفة الجنة حتى يرجع" (صحیح مسلم)

یعنی جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے جتنی دیر وہ عیادت کرتا ہے وہ مسلسل جنت کے باغ میں رہتا ہے جب تک وہ واپس نہ آ جائے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مامن مسلم يعود مسلما غدوة الاصلي عليه سبعون الف ملک حتى يمسي و ان عاده عشية الاصلي عليه سبعون الف ملک حتى يصبح و كان له خريف في الجنة". (ترمذی)

یعنی جب کوئی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح سے لے کر شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر

شام کو عیادت کرتا ہے تو شام سے لے کر صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت میں اس کیلئے ایک باغ متعین فرما دیتے ہیں۔

ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں حاصل کریں

یہ کوئی معمولی اجر و ثواب ہے' فرض کریں کہ گھر کے قریب ایک پڑوسی بیمار ہے تم اس کی عیادت کے لئے چلے گئے اور پانچ منٹ کے اندر اتنے عظیم الشان اجر کے مستحق بن گئے' کیا پھر بھی یہ دیکھو گے کہ وہ میری عیادت کے لئے آیا تھا یا نہیں؟ اگر اس نے یہ ثواب حاصل نہیں کیا اگر اس نے ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں نہیں لیں اگر اس نے جنت کا باغ حاصل نہیں کیا تو کیا تم یہ کہو گے کہ میں بھی جنت کا باغ حاصل نہیں کرنا چاہتا اور مجھے بھی ستر ہزار فرشتوں کی دعاؤں کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اسے ضرورت نہیں۔ دیکھئے اس اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ نے کتنا آسان بنا دیا ہے۔ لوٹ کا معاملہ ہے اس لئے عیادت کے لئے جاؤ چاہے دوسرا شخص تمہاری عیادت کے لئے آئے یا نہ آئے۔

اگر بیمار سے ناراضگی ہو تو

بلکہ اگر وہ بیمار ایسا شخص ہے جس کی طرف سے تمہارے دل میں کراہیت ہے' اس کی طرف سے دل کھلا ہوا نہیں ہے طبیعت کو اس سے مناسبت نہیں ہے پھر بھی عیادت کے لئے جاؤ گے تو انشاء اللہ دوہرا ثواب ملے گا ایک عیادت کرنے کا ثواب اور دوسرے ایک ایسا مسلمان جس کی طرف سے دل میں انقباض تھا۔ اس انقباض کے ہوتے ہوئے تم نے اس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا۔ اس پر علیحدہ ثواب ملے گا لہٰذا مریض کی عیادت معمولی چیز نہیں ہے۔ خدا کے لئے رسم بنا کر اس کے ثواب کو ضائع مت کرو صرف اس نیت سے عیادت کرو کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے آپ کی سنت ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں۔

مختصر عیادت کریں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کے بھی کچھ آداب بیان فرمائے ہیں' زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کی تفصیل آپ نے بیان نہ فرمائی ہو ایسے ایسے آداب آپ بتا

کر تشریف لے گئے جن کو آج ہم نے بھلا دیا اور ان آداب کو زندگی سے خارج کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ زندگی عذاب بنی ہوئی ہے اگر ہم ان آداب اور تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیں تو زندگی جنت بن جائے چنانچہ عیادت کے آداب بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ

"من عادمنکم فلیخفف"

جب تم کسی کی عیادت کرنے جاؤ تو ہلکی پھلکی عیادت کرو یعنی ایسا نہ ہو کہ ہمدردی کی خاطر عیادت کرنے جاؤ اور جا کر اس مریض کو تکلیف پہنچا دو بلکہ وقت دیکھ لو کہ یہ وقت عیادت کے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ یہ وقت اس کے آرام کرنے کا تو نہیں ہے؟ یا اس وقت وہ گھر والوں کے پاس تو نہیں ہوگا؟ اس وقت میں اس کو پردہ وغیرہ کا انتظام کرانے میں تکلیف تو نہیں ہوگی لہٰذا مناسب وقت دیکھ کر عیادت کے لئے جاؤ۔

یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے

اور جب عیادت کے لئے جاؤ تو مریض کے پاس تھوڑا بیٹھو اتنا زیادہ مت بیٹھو جس سے اس کو گرانی ہونے لگے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون انسانی فطرت سے واقف ہو سکتا ہے دیکھئے بیمار کی طبعی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ ذرا بے تکلف رہے، ہر کام بلا تکلف انجام دے لیکن جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو اس کی وجہ سے طبیعت میں تکلف آجاتا ہے مثلاً وہ پاؤں پھیلا کر لیٹنا چاہتا ہے مہمان کے احترام کی وجہ سے نہیں لیٹ سکتا یا اپنے گھر والوں سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے مگر اس کی وجہ سے نہیں کر سکتا اب ہوا یہ کہ تم تو عیادت کی نیت سے ثواب کمانے کے لئے گئے لیکن تمہاری وجہ سے وہ بیمار مشقت میں پڑ گیا اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیادت میں ایسا طریقہ اختیار مت کرو جس کی وجہ سے اس مریض پر گرانی ہو بلکہ ہلکی پھلکی عیادت کرو مریض کے پاس جاؤ مسنون طریقے سے اس کا مختصر حال پوچھو اور جلدی سے رخصت ہو جاؤ تاکہ اس پر گرانی نہ ہو یہ نہ ہو کہ اس کے پاس جا کر جم کر بیٹھ گئے اور ہلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اب وہ بیچارہ نہ تو بے تکلفی سے کوئی کام انجام دے سکتا ہے نہ گھر والوں کو اپنے پاس بلا سکتا ہے مگر آپ اس کی ہمدردی میں

گھنٹوں اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے ایسی عیادت سے ثواب ہونے کے بجائے الٹا گناہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو بہت اونچے درجے کے صوفیاء میں سے ہیں محدث بھی ہیں فقیہ بھی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے کمالات عطا فرمائے تھے ایک مرتبہ بیمار ہو گئے اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا اس لئے آپ سے محبت کرنے والے لوگ بھی بہت تھے۔ اس لئے بیماری کے دوران عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ لوگ آ رہے ہیں اور خیریت پوچھ کر واپس جا رہے ہیں لیکن ایک صاحب ایسے آئے جو وہیں جم کر بیٹھ گئے اور واپس جانے کا نام ہی نہیں لیتے تھے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش یہ تھی کہ یہ صاحب واپس جائیں تو میں اپنے ضروری کام بلا تکلف انجام دوں اور گھر والوں کو اپنے پاس بلاؤں مگر وہ صاحب تو ادھر ادھر کی باتیں کرنے میں لگے رہے جب بہت دیر گزر گئی اور وہ شخص جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تو آخر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی یہ بیماری تو اپنی جگہ تھی مگر عیادت کرنے والوں نے الگ پریشان کر رکھا ہے۔ نہ مناسب وقت دیکھتے ہیں اور نہ آرام کا خیال کرتے ہیں اور عیادت کے لئے آ جاتے ہیں اس شخص نے جواب میں کہا کہ حضرت: یقیناً ان عیادت کرنے والوں کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں دروازے کو بند کر دوں تاکہ آئندہ کوئی عیادت کرنے کے لئے نہ آئے۔ وہ اللہ کا بندہ پھر بھی نہیں سمجھا کہ میری وجہ سے حضرت والا کو تکلیف ہو رہی ہے آخر کار حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ ہاں! دروازہ بند تو کر دو مگر باہر جا کر بند کر دو۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو ان کی خدمت کر رہے ہیں۔

عیادت کے لئے مناسب وقت کا انتخاب کرو

لہٰذا اپنا شوق پورا کرنے کا نام عیادت نہیں اور نہ عیادت کا یہ مقصد ہے کہ اس کے

14 ذریعہ برکت حاصل ہو یہ نہیں کہ بڑی محبت سے عیادت کے لئے گئے اور جا کر شیخ کو تکلیف پہنچا دی۔ محبت کے لئے عقل درکار ہے یہ نہیں کہ اظہار تو محبت کا کر رہے ہیں اور حقیقت میں تکلیف پہنچائی جا رہی ہے ایسی محبت محبت نہیں ہے بلکہ وہ دشمنی ہے وہ نادان دوست کی محبت ہے لہٰذا عیادت میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جس شخص کی عیادت کے لئے گئے ہو اس کو تکلیف نہ ہو یا مثلاً آپ رات کو بارہ بجے عیادت کے لئے پہنچ گئے جو اس کے سونے کا وقت ہے یا دوپہر کو آرام اور قیلولے کے وقت عیادت کے لئے پہنچ گئے اور اس کو پریشان کر دیا اس لئے عقل سے کام لو سوچ سمجھ کر جاؤ کہ تمہارے جانے سے اس کو تکلیف نہ پہنچے تب تو عیادت سنت ہے ورنہ پھر وہ رسم ہے۔ بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کا پہلا ادب یہ بیان فرمایا کہ ہلکی پھلکی عیادت کرو۔

بے تکلف دوست زیادہ دیر بیٹھ سکتا ہے

البتہ بعض لوگ ایسے بے تکلف ہوتے ہیں کہ ان کے زیادہ دیر بیٹھنے سے بیمار کو تکلیف کے بجائے تسلی ہوتی ہے اور راحت حاصل ہوتی ہے تو ایسی صورت میں زیادہ دیر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بے تکلف اور محبت کرنے والے استاذ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو حضرت والد صاحب ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے مسنون طریقے سے عیادت کی جا کر سلام کیا' خیریت معلوم کی اور دعا کی اور دو چار منٹ کے بعد واپس جانے کی اجازت طلب کی' تو میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں یہ جو تم نے اصول پڑھا ہے کہ **من عاد منکم فلیخفف** (یعنی جو شخص عیادت کرے وہ ہلکی پھلکی عیادت کرے) کیا یہ میرے لئے ہی پڑھا تھا؟ یہ قاعدہ میرے اوپر آزما رہے ہو؟ ارے یہ اصول اس وقت نہیں ہے جب بیٹھنے والے کے بیٹھنے سے مریض کو آرام اور راحت ملے' تسلی ہو' اس لئے جلد واپس جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آرام سے بیٹھ جاؤ چنانچہ حضرت والد صاحب بیٹھ گئے' بہرحال ہر جگہ کے

لئے ایک ہی نسخہ نہیں ہوتا بلکہ جیسا موقع ہو جیسے حالات ہوں ویسے ہی عمل کرنا چاہئے لہذا اگر آرام اور راحت پہنچانے کے لئے زیادہ بیٹھے گا تو انشاء اللہ زیادہ ثواب حاصل ہوگا اس لئے کہ اصل مقصود تو اس کو راحت پہنچانا ہے اور تکلیف سے بچانا ہے۔

مریض کے حق میں دعا کرو

عیادت کرنے کا دوسرا ادب یہ ہے کہ جب آدمی کسی کی عیادت کے لئے جائے تو پہلے مختصراً اس کا حال دریافت کرے کہ کیسی طبیعت ہے؟ جب وہ مریض اپنی تکلیف بیان کرے تو پھر اس کے حق میں دعا کرے کیا دعا کرے؟ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھا گئے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ سے دعا دیا کرتے تھے۔

"لاباس طهور ان شاء الله" (صحیح بخاری)

یعنی اس تکلیف سے آپ کا کوئی نقصان نہیں، آپ کے لئے یہ تکلیف انشاء اللہ آپ کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گی اس دعا میں ایک طرف تو مریض کو تسلی دیدی کہ تکلیف تو آپ کو ضرور ہے لیکن یہ تکلیف گناہوں سے پاکی اور آخرت کے ثواب کا ذریعہ بنے گی۔ دوسری طرف یہ دعا بھی ہے کہ اے اللہ اس تکلیف کو اس کے حق میں اجر و ثواب کا سبب بنا دیجئے اور گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنا دیجئے۔

"بیماری" گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے

یہ حدیث تو آپ نے سنی ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کو جو کوئی تکلیف پہنچتی ہے حتی کہ اگر اس کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے عوض کوئی نہ کوئی گناہ معاف فرماتے ہیں اور اس کا درجہ بلند فرماتے ہیں ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"الحمى من فيح جهنم" (صحیح بخاری)

یعنی "یہ بخار جہنم کی گرمی کا ایک حصہ ہے" علماء کرام نے اس حدیث کی مختلف تشریحات کی ہیں بعض علماء نے اس کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اس کی بعض احادیث سے تائید بھی ہوتی

ہے وہ یہ کہ بخار کی گرمی انسان کے لئے جہنم کی گرمی کا بدلہ ہوگئی ہے یعنی گناہوں کی وجہ سے آخرت میں جہنم کی جو گرمی برداشت کرنی پڑتی اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ گرمی دیدی تاکہ جہنم کے اندر ان گناہوں کی گرمی برداشت نہ کرنی پڑے بلکہ اس بخار کی وجہ سے وہ گناہ دنیا ہی کے اندر دھل جائے اور معاف ہو جائے۔ اسکی تائید اس دعا سے ہوتی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے وقت کیا کرتے تھے کہ ''لاباس طھور انشاء اللہ'' یعنی کوئی غم نہ کرو یہ بخار تمہارے گناہوں سے پاکی کا ذریعہ اور سبب بن جائے گا۔

حصول شفا کا ایک عمل

عیادت کرنے کا تیسرا ادب یہ ہے کہ اگر موقع مناسب ہو اور اس عمل کے ذریعہ مریض کو تکلیف نہ ہو تو یہ عمل کرلے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے۔

''اللھم رب الناس مذھب الباس اشف انت الشافی لاشافی الاانت شفاء لایغادر سقما'' (ترمذی)

یعنی اے اللہ، جو تمام انسانوں کے رب ہیں۔ تکلیف کو دور کرنے والے ہیں، اس بیمار کو شفاء عطا فرما، آپ شفا دینے والے ہیں۔ آپ کے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں۔ اور ایسی شفاء عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے یہ دعا جس کو یاد نہ ہو اس کو چاہئے کہ اس کو یاد کرلیں اور پھر یہ عادت بنالیں کہ جس بیمار کے پاس جائیں موقع دیکھ کر یہ دعا ضرور پڑھ لیں۔

ہر بیماری سے شفا

ایک اور دعا بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جو اس سے بھی زیادہ آسان اور مختصر ہے اس کو یاد کرنا بھی آسان ہے اور اس کا فائدہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا عظیم بیان فرمایا ہے وہ دعا یہ ہے۔

''اسئل اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک'' (ابوداؤد)

یعنی ''میں عظمت والے اللہ اور عظیم عرش کے مالک سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو شفا عطا فرمادے حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بندہ دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کے وقت سات مرتبہ یہ دعا کرے تو اگر اس بیمار کی

موت کا وقت نہیں آیا ہوگا تو پھر اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو صحت عطا فرما دیں گے ہاں اگر کسی کی موت ہی کا وقت آ چکا ہو تو اس کو کوئی نہیں ٹلا سکتا۔

عیادت کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو

اور ان دعاؤں کے پڑھنے میں تین طرح سے ثواب حاصل ہوتا ہے ایک ثواب تو اس بات کا ملے گا کہ آپ نے مریض کی عیادت کے دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا اور وہ الفاظ کہے جو عیادت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے دوسرے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ ہمدردی کرنے کا ثواب حاصل ہوگا تیسرے اس کے حق میں دعا کرنے کا ثواب حاصل ہوگا اس لئے کہ دوسرے مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا باعث اجر وثواب ہے گویا کہ اس چھوٹے سے عمل کے اندر تین ثواب جمع ہیں لہٰذا مریض کی عیادت تو ہم سب کرتے ہی ہیں لیکن عیادت کے وقت ذرا زاویہ نگاہ بدل لو اور اتباع سنت کی نیت کرلو اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرلو اور عیادت کے جو آداب ہیں اس پر عمل کرلو یعنی مختصر وقت کے لئے عیادت کرو اور عیادت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعائیں پڑھ لو تو پھر انشاء اللہ عیادت کا یہ معمولی سا عمل عظیم عبادت بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

دین کس چیز کا نام ہے؟

ہمارے حضرات ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے کام کی بات بیان فرماتے تھے دل پر نقش کرنے کے قابل ہے فرماتے تھے کہ ”دین صرف زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے“ صرف ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائے گی یہی سب کام جو اب تک تم انجام دے رہے تھے وہ سب عبادت بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام بن جائیں گے بشرطیکہ دو کام کرلو ایک نیت درست کرلو دوسرے اس کا طریقہ سنت کے مطابق انجام دے دو بس اتنا کرنے سے وہی کام دین بن جائیں گے اور بزرگوں کے پاس جانے سے یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ انسان کا زاویہ نگاہ بدل دیتے ہیں سوچ کا انداز بدل

دیتے ہیں اوراس کے نتیجے میں انسان کے اعمال اور افعال کا رخ صحیح ہو جاتا ہے پہلے وہ دنیا کا کام تھا اور اب وہ دین کا کام بن جاتا ہے اور عبادت بن جاتا ہے۔

عیادت کے وقت ہدیہ لے جانا

مریض کی عیادت کے موقع پر ایک اور رسم ہمارے یہاں جاری ہے وہ یہ کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عیادت کے لئے جائیں تو کوئی ہدیہ تحفہ ضرور لے کر جانا چاہئے مثلاً پھل فروٹ، بالسکٹ وغیرہ اور اس کو اتنا ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ بعض لوگ جب تک کوئی ہدیہ لے کر جانے کی استطاعت نہیں ہوتی عیادت کے لئے ہی نہیں جاتے اور دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر خالی ہاتھ چلے گئے تو وہ مریض یا مریض کے گھر والے کیا سوچیں گے کہ خالی ہاتھ عیادت کے لئے آ گئے یہ ایسی رسم ہے جس کی وجہ سے شیطان نے ہمیں عیادت کے عظیم ثواب سے محروم کر دیا ہے حالانکہ عیادت کے وقت کوئی ہدیہ، تحفہ لے کر جانا نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب۔ پھر کیوں ہم نے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ خدا کے لئے اس رسم کو چھوڑ دو اور اس کی وجہ سے عیادت کے فضائل اور اس پر ملنے والے اجر و ثواب سے محروم مت ہو جاؤ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ہر کام سنت کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(وعظ بیمار کی عیادت کے آداب از اصلاحی خطبات ج ۶)

بیمار پرسی

بیمار شخص کی عیادت (بیمار پرسی) بھی بڑے اجر وثواب کا عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کے ذمے دوسرے مسلمان کے جو حقوق بیان فرمائے ہیں ان میں بیمار پرسی بھی داخل ہے بعض فقہاء نے اسے واجب تک کہا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کرنے جاتا ہے تو وہ مسلسل جنت کے باغ میں رہتا ہے''۔ (صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلہ و ترمذی کتاب الجنائز)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''جو کوئی مسلمان صبح کے وقت کسی دوسرے مسلمان کی عیادت کو جاتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کیلئے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ شام کے وقت کسی کی عیادت کو جاتا ہے تو اگلی صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کو جنت کا ایک باغ عطا کیا جاتا ہے''۔ (ترمذی۔ کتاب الجنائز حدیث ۹۶۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معمول تھا کہ اپنے ملنے جلنے والوں میں سے کسی کی بیماری کی اطلاع ملتی تو اس کی بیمار پرسی کیلئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

عیادت کے آداب میں سے یہ ہے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اس کا حال پوچھا جائے۔ بشرطیکہ ہاتھ رکھنے یا حال پوچھنے سے اس کو تکلیف نہ ہو اگر تکلیف کا اندیشہ ہو تو نہ ہاتھ رکھنا چاہئے نہ حال پوچھنا چاہئے۔ ایسے میں تیمارداروں سے خیریت دریافت کر لینا کافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیمار کی عیادت کے وقت سات مرتبہ یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ

وہ اللہ جو خود عظیم ہے اور عظیم عرش کا مالک ہے میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا عطا فرمائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی موت کا وقت ہی نہ آچکا ہو اس کو اس

کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتے ہیں۔ (ابوداؤد کتاب الجنائز و ترمذی کتاب الطلب)

آنحضرت ﷺ مریض کی عیادت کے وقت بہ کثرت یہ دعا بھی پڑھا کرتے۔

اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَاشِفَاءَ

الا شفائک شفاءً لا یغادر سقمًا

اے تمام لوگوں کے پروردگار' تکلیف کو دور فرما دیجئے اور شفاء عطا فرمایئے' آپ شفا دینے والے ہیں آپ کے سوا کوئی شفا نہیں دے سکتا۔ ایسی شفاء دیجئے جو بیماری کا کوئی حصہ نہ چھوڑے۔

نیز بیمار کو دیکھ کر یہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔

لَابَاسَ' طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

تمہارا نقصان نہ ہو (یہ بیماری) ان شاء اللہ تمہارے لئے پاکی کا موجب ہوگی۔

لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام میں جتنی فضیلت بیمار پرستی کی بیان کی گئی ہے۔ اس سے زیادہ تاکید اس بات کی گئی ہے کہ اپنے کسی عمل سے مریض کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے۔ جس عیادت سے بیمار یا تیمارداروں کو زحمت اٹھانی پڑے' اس سے ثواب کے بجائے گناہ کا شدید خطرہ ہے۔

چنانچہ اگر مریض کے لئے کسی شخص سے ملاقات مضر ہو' تو ایسے میں ملاقات پر اصرار کرنا بالکل ناجائز ہے۔ ایسے میں باہر ہی باہر سے حال معلوم کر کے آجانے اور دعا کرنے سے عیادت کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ مریض کو جتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اگر مریض کا دل خوش کرنا مقصود ہو تو تیمارداروں سے کہہ دیا جائے کہ وہ کسی مناسب وقت پر مریض کو اطلاع کر دیں کہ فلاں شخص آپ کی عیادت کیلئے آیا تھا اور آپ کیلئے دعا کرتا ہے۔

اسی طرح حدیث میں اس بات کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ جو شخص کسی مریض کی عیادت کیلئے جائے وہ اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے۔ بلکہ مختصر عیادت کر کے چلا آئے' کیونکہ زیادہ دیر بیٹھنے سے اکثر مریض کو تکلیف ہوتی ہے۔ ہاں جس بے تکلف شخص کو خود مریض اپنی تسلی یا دل بستگی کیلئے بٹھانا چاہے۔ اس کے بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

عیادت کے لئے مناسب وقت کا انتخاب بھی نہایت ضروری ہے۔ ایسے وقت میں عیادت کو جانا درست نہیں ہے جب مریض کے آرام یا دیگر معمولات میں خلل آئے' لہٰذا تیمارداروں سے پہلے پوچھ لینا چاہئے کہ عیادت کا مناسب وقت کیا ہوگا؟ (آسان نیکیاں)

ایمان کامل کی چار علامتیں

اللہ کیلئے دینے، نہ دینے، محبت اور بغض رکھنے پر تکمیل ایمان کی بشارت اور مذکورہ چاروں امور کی عام فہم تشریح منافقانہ خصائل خیانت، جھوٹ، عہد شکنی اور بدزبانی سے بچنے کی ترغیب اپریل فول کی تاریخ اور اسکے غیر شرعی ہونے کا شرعی جائزہ۔ پاکی اور صفائی سے متعلق اسلامی نکتہ نظر

ایمان کامل کی چار علامتیں

من اعطی للہ و منع للہ واحب للہ وابغض للہ فقد استکمل ایمانہ (ترمذی)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی کو کچھ دے تو اللہ کے لئے دے اور کسی کو دینے سے منع کرے تو اللہ کے لئے منع کرے۔ اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے اور اگر کسی سے بغض اور عناد رکھے تو اللہ کے لئے رکھے تو اس شخص کا ایمان کامل ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایمان کے کامل ہونے کی گواہی دی۔

پہلی علامت

(ایمان کامل کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ دے تو اللہ کے لئے دے' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی موقع پر کچھ خرچ کر رہا ہے تو اس خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ انسان اپنی ذات پر بھی خرچ کرتا ہے اپنے اہل و عیال پر بھی خرچ کرتا ہے اور صدقہ خیرات بھی کرتا ہے تو ان تمام مواقع پر خرچ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔ صدقہ خیرات میں تو یہ بات واضح ہے کہ اس کو دیتے وقت یہ نیت ہونی چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے صدقہ دے رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کا ثواب مجھ کو عطا فرمادیں اس صدقہ دینے میں احسان جتانا مقصود نہ ہو' نام و نمود مقصود نہ ہو' دکھاوا مقصود نہ ہو' تو یہ دینا اللہ کے لئے ہوا۔

دوسری علامت

دوسری علامت یہ بیان فرمائی کہ اگر روکے اور منع کرے تو اللہ کے لئے روکے۔ مثلاً کسی جگہ پر پیسہ خرچ کرنے سے بچایا تو وہ بچانا بھی اللہ کے لئے ہو۔ چونکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فضول خرچی نہ کرو۔ اس فضول خرچی سے بچنے کے لئے میں اپنا پیسہ بچا رہا ہوں۔ تو یہ بچانا اور روکنا اللہ کے لئے ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص آپ

سے ایسے کام کے لئے پیسوں کا مطالبہ کر رہا ہے جو کام شرعاً ممنوع ہے۔ اب آپ نے اس کام کے لئے اس کو پیسے نہیں دیئے تو یہ نہ دینا اللہ کے لئے ہوا۔

تیسری علامت

تیسری علامت یہ بیان فرمائی کہ اگر محبت کرے تو اللہ کے لئے محبت کرے۔ دیکھئے۔ ایک محبت تو بغیر کسی شائبہ کے خالصۃً اللہ کے لئے ہوتی ہی ہے۔ جیسے کسی اللہ والے سے محبت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے محبت اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ اس سے پیسے کمائیں گے بلکہ اس سے محبت اس نیت سے ہوتی ہے کہ اس سے محبت اور تعلق رکھیں گے تو ہمارے دین کا فائدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔ یہ محبت اللہ کے لئے ہے اور بڑی برکت کی اور بڑے فائدے کی چیز ہے۔

دنیا کی خاطر اللہ والوں سے تعلق

بعض اوقات شیطان اور انسان کا نفس اس محبت میں بھی صحیح راستے سے گمراہ کر دیتا ہے۔ مثلاً اولیاء اللہ سے اس تعلق کے وقت شیطان یہ نیت دل میں ڈال دیتا ہے کہ اگر ہم ان کے مقرب بنیں گے تو دنیا والوں کی نگاہ میں ہماری قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ العیاذ باللہ۔ یا مثلاً لوگ یہ کہیں گے یہ صاحب تو فلاں بزرگ کے خاص آدمی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو محبت خالص اللہ کے لئے ہونی چاہئے تھی وہ اللہ کے لئے نہیں ہوتی بلکہ وہ محبت دنیا داری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یا بعض لوگ کسی اللہ والے کے ساتھ اس لئے رابطہ جوڑ لیتے ہیں کہ ان کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ صاحب منصب اور صاحب اقتدار بھی آتے ہیں اور بڑے بڑے مالدار لوگ بھی آتے ہیں۔ جب ہم ان بزرگ کے پاس جائیں گے تو ان لوگوں سے بھی تعلقات قائم ہوں گے اور پھر اس تعلق کے ذریعہ ان سے اپنی ضروریات اور اپنے مقاصد پورے کریں گے۔ العیاذ باللہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو محبت اللہ کے لئے ہونی تھی وہ دنیا حاصل کرنے کے لئے ہوگئی۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی اللہ والے کے پاس یا کسی استاد کے پاس یا کسی شیخ کے پاس دین حاصل کرنے کے لئے جا رہا ہے تو یہ محبت خالص اللہ کے لئے ہے اور حب فی اللہ میں داخل ہے اور اس محبت پر اللہ تعالیٰ نے بڑے

ثمرات اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

دنیاوی محبتوں کو اللہ کے لئے بنادو

لیکن اس محبت کے علاوہ جو دنیاوی محبتیں کہلاتی ہیں مثلاً ماں سے محبت ہے یا باپ سے محبت ہے یا بھائی بہن سے محبت ہے یا بیوی بچوں سے محبت ہے۔ رشتہ داروں سے محبت ہے۔ دوستوں سے محبت ہے۔ اگر انسان ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لے تو یہ محبتیں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص والدین سے محبت اس نیت سے کرے کہ اللہ اور اللہ کے رسول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ والدین سے محبت کرو۔ یہاں تک فرما دیا کہ اگر کوئی شخص والدین پر محبت سے ایک نظر ڈال لے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ اب بظاہر دیکھنے میں وہ شخص طبعی تقاضے کے نتیجے میں والدین سے محبت کر رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ محبت اللہ کے لئے ہے۔

بیوی سے محبت اللہ کے لئے ہو

بیوی سے محبت ہے۔ اب بظاہر تو یہ محبت نفسانی تقاضے سے ہے۔ لیکن اس محبت میں اگر آدمی یہ نیت کر لے کہ اللہ اور اللہ کے رسول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محبت کا حکم دیا ہے اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں بیوی سے محبت کر رہا ہوں تو یہی محبت اب اللہ کے لئے ہو گئی۔ اب اگر ایک شخص اللہ کے لئے بیوی سے محبت کر رہا ہے اور دوسرا شخص اپنی نفسانی خواہشات کے لئے بیوی سے محبت کر رہا ہے تو بظاہر دیکھنے میں دونوں محبتیں ایک جیسی نظر آئیں گی کوئی فرق معلوم نہیں ہوگا لیکن دونوں محبتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ احادیث میں یہ بات ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے بڑی محبت فرماتے تھے اور ان کی دلداری کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرماتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کے ساتھ ایسے ایسے معاملات نظر آتے ہیں جو بعض اوقات ہم جیسے لوگوں کو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کو گیارہ عورتوں کی کہانی سنائی کہ گیارہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوئیں اور انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہر عورت اپنے اپنے شوہر کا حال بیان کرے گی۔ پھر ایک عورت نے یہ کہا دوسری عورت نے یہ کہا تیسری نے یہ کہا چوتھی نے یہ کہا وغیرہ۔ اب جس ذات گرامی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہو رہی ہے اور جس ذات گرامی کا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہے وہ ذات گرامی اپنی بیوی کو گیارہ عورتوں کا قصہ سنا رہے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر تشریف لے جا رہے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں، راستے میں ایک کھلا میدان آیا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ دوڑ لگاؤ گی؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس میدان میں دوڑ لگائی۔ وہاں بے پردگی کا کوئی احتمال نہیں تھا۔ اس لئے کہ جنگل تھا اور کوئی دوسرا شخص ساتھ نہیں تھا۔

ہمارے کام نفسانی خواہش کے تابع

اب بظاہر یہ کام ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ سے یا اللہ کی عبادت سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اسی طرح ہم میں سے کوئی شخص بیوی کی دلداری اور اس کی دلجوئی کے لئے اس قسم کا کوئی تفریح کا کام کرتا ہے تو وہ بھی بظاہر ایسا ہی لگتا ہے جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دلجوئی کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ لیکن ہمارے اس کام میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم اس کام کو اپنی نفسانی خواہش اور نفسانی تقاضے کی بنیاد پر کرتے ہیں اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام بلند سے نیچے اتر کر اس کام کو اس لئے کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بیوی کی دلداری کرو۔

''عارف'' کون ہوتا ہے؟

صوفیاء کرام نے فرمایا کہ ''عارف'' یعنی جو اللہ کی معرفت اور شریعت و طریقت کی معرفت رکھتا ہو۔ وہ ''عارف'' مجموعہ اضداد ہوتا ہے۔ یعنی اس کی ذات میں اور اس کے عمل میں ایسی چیزیں جمع ہوتی ہیں جو بظاہر دیکھنے میں متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک طرف اس

کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے بھی جڑا ہوا ہے۔ تعلق مع اللہ بھی حاصل ہے اور ملکہ یادداشت بھی حاصل ہے۔ یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر وفکر اور اس کی یاد دل میں بسی ہوئی ہے اور دوسری طرف لوگوں کے ساتھ اور گھر والوں کے ساتھ ہنس رہا ہے، بول بھی رہا ہے، کھا بھی رہا ہے، پی بھی رہا ہے۔ اس لئے ایسا شخص مجموعہ اضداد ہوتا ہے۔

حب فی اللہ کے لئے مشق کی ضرورت

اب یہ کہ دنیاوی محبتیں بھی اللہ کے لئے ہو جائیں یہ درجہ حاصل کرنے کے لئے انسان کو کچھ مشق کرنی پڑتی ہے اور بزرگان دین اور صوفیاء کرام کے پاس جب کوئی شخص اپنی اصلاح کرانے کے لئے جاتا ہے تو یہ حضرات مشق کراتے ہیں کہ یہ ساری محبتیں اسی طرح رہیں لیکن ان محبتوں کا زاویہ بدل جائے اور ان کا طریقہ اس طرح بدل جائے کہ یہ محبتیں حقیقت میں اللہ کے لئے ہو جائیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان محبتوں کو بدلنے کی سالہا سال تک مشق کی ہے تب جا کر اس میں کامیابی ہوئی اور اس طرح مشق کی ہے کہ مثلاً گھر میں داخل ہوئے، کھانے کا وقت ہے بھوک لگی ہوئی ہے اب کھانا کھانے کے لئے بیٹھے اور کھانا سامنے آیا۔ اب دل چاہ رہا ہے کہ جلدی سے کھانا شروع کر دیں لیکن ایک لمحے کے لئے رک گئے اور دل میں یہ خیال لائے کہ نفس کے تقاضے سے کھانا نہیں کھائیں گے۔ پھر یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے نفس کا مجھ پر حق رکھا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ آپ کے سامنے جب کھانا آتا تو آپ شکر ادا کرتے ہوئے اور اس کھانے کی طرف اپنی احتیاج ظاہر کرتے ہوئے کھانا کھا لیا کرتے تھے۔ مجھے آپ کی اس سنت کی اتباع کرنی چاہئے۔ لہٰذا آپ کی اتباع میں کھانا کھاتا ہوں۔ پھر کھانا شروع کیا۔ اس طرح زاویہ نگاہ بدل دیا۔

بچوں کے ساتھ اللہ کے لئے محبت

اسی طرح گھر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ بچہ کھیل رہا ہے اور وہ بچہ کھیلتا ہوا اچھا لگا اور دل چاہا کہ اس کو گود میں اٹھا کر اس کو پیار کروں۔ اس کے ساتھ کھیلوں۔ لیکن ایک لمحے

کے لئے رک گئے اور یہ سوچا کہ اپنے نفس کے تقاضے سے بچے سے پیار نہیں کریں گے پھر دوسرے لمحے دل میں خیال لائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ بچوں سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز مسجد نبوی میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اتنے میں حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما گرتے پڑتے مسجد نبوی میں پہنچ گئے۔ جب آپؐ نے ان کو آتا دیکھا تو فوراً منبر سے اترے اور ان کو گود میں اٹھالیا۔ ایک مرتبہ آپ نوافل پڑھ رہے تھے۔ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا جو بچی تھیں وہ آ کر آپ کے کندھے پر کسی طرح سوار ہوگئیں۔ جب آپ رکوع میں جانے لگے تو آپ نے ان کو آہستہ سے اٹھا کر نیچے اتار دیا۔ جب آپ سجدے میں گئے تو پھر وہ آپ کے اوپر سوار ہوگئیں۔ بہر حال بچوں کے ساتھ پیار کرنا محبت کرنا ان کے ساتھ کھیلنا' یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس سنت کی اتباع میں میں بھی بچے سے پیار کرتا ہوں اور ان کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ یہ تصور کر کے بچے کو اٹھا لیا اور سنت کا استحضار کر لیا۔ شروع شروع میں آدمی تکلف سے یہ کام کرتا ہے لیکن بار بار کرنے کے نتیجے میں تکلف باقی نہیں رہتا بلکہ وہ کام طبیعت بن جاتا ہے اور پھر اس کے بعد ساری محبتیں اللہ کے لئے ہو جاتی ہیں۔ چاہے بیوی سے محبت ہو یا بچوں سے محبت ہو یا چاہے والدین سے محبت ہو۔

یہ نسخہ تو بہت آسان ہے۔ اس سے زیادہ آسان نسخہ اور کیا ہوگا کہ سب کام جو تم کرتے ہو اسی طرح کرتے رہو صرف زاویہ نگاہ بدل لو اور نیتوں کے اندر تبدیلی لے آؤ۔ لیکن اس آسان نسخہ پر عمل اس وقت ہوگا جس انسان اسکے لئے تھوڑی سی محنت اور مشقت کرے اور ہر ہر قدم پر اس مشق کو کرنے کی کوشش کرے پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ ساری محبتیں اللہ کے لئے ہو جائیں گی۔

حب فی اللہ کی علامت

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کے لئے محبت ہونے کی علامت کیا ہے؟ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی وقت اللہ کی محبت کا یہ تقاضہ ہو کہ میں ان محبتوں کو خیر باد کہہ دوں اور چھوڑ دوں تو

اس وقت انسان کی طبیعت پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ ہو۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ محبت اللہ کے لئے ہے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آ گئی۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ آپ نے حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے اپنے امتحان کا ایک عجیب موقع عطا فرمایا وہ یہ کہ جب میں گھر گیا اور اہلیہ سے بات ہوئی تو اہلیہ نے تلخ لہجے میں کوئی بات کہہ دی۔ اس وقت میرے منہ سے یہ نکلا کہ "بی بی مجھے اس لہجے کی برداشت نہیں اور اگر تم کہو تو میں یہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اپنی چارپائی اٹھا کر خانقاہ میں ڈال لوں اور ساری عمر وہیں گزار دوں، لیکن مجھے اس لہجے کی برداشت نہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنی اہلیہ سے یہ بات کہہ تو دی لیکن بعد میں میں نے سوچا اور اپنا جائزہ لیا کہ بڑی بات کہہ دی کہ چارپائی اٹھا کر خانقاہ میں ڈال دوں اور ساری عمر اس طرح گزار دوں۔ کیا تم اس کام کے کرنے پر قادر بھی ہو؟ اگر اہلیہ کہہ دے کہ چلو ایسا کر لو تو کیا ایسا کر لو گے؟ اور ساری عمر خانقاہ میں گزار دو گے یا ویسے ہی جھوٹا دعویٰ کر دیا؟ لیکن جائزہ لینے کے بعد یہ محسوس ہوا کہ الحمدللہ میں اس کام پر قادر ہوں۔ چونکہ ساری محبتیں اللہ کے لئے ہوگئی ہیں اس لئے اب اگر کسی وقت اللہ کی محبت کی خاطر دوسری محبت کو چھوڑنا پڑے تو اس وقت کوئی ناقابلِ برداشت بوجھ نہیں ہوگا کیونکہ وہ محبت تبدیل ہو کر اللہ کے لئے محبت بن گئی ہے۔

لیکن یہ مقام اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے محنت اور مشق کرنی پڑتی ہے اور یہ محنت اور مشق ایسی چیز نہیں ہے جو ناممکن ہو بلکہ ہر انسان کر سکتا ہے۔ پھر اس محنت اور مشق کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ مقام عطا فرما دیتے ہیں وہ کر کے دیکھنے کی بات ہے۔ یہ سب "احب للہ" اللہ کے لئے محبت میں داخل ہے۔

چوتھی علامت

چوتھی علامت ہے "والبغض للہ" بغض اور غصہ بھی اللہ کے لئے ہو۔ یعنی جس کسی پر

غصہ ہے یا جس کسی سے بغض ہے وہ اس کی ذات سے نہیں ہے بلکہ اس کے کسی برے عمل سے ہے یا اس کی کسی ایسی بات سے ہے جو مالک حقیقی کی ناراضگی کا سبب ہے تو یہ غصہ اور ناراضگی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

ذات سے نفرت نہ کریں

اس لئے بزرگوں نے ایک بات فرمائی ہے جو ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ نفرت اور بغض کافر سے نہیں بلکہ اس کے کفر سے ہے۔ فاسق سے بغض نہیں بلکہ اس کے فسق سے بغض ہے۔ نفرت اور بغض گناہ گار سے نہیں بلکہ گناہ سے ہے۔ جو آدمی فسق و فجور اور گناہ کے اندر مبتلا ہے اس کی ذات غصہ کا محل نہیں بلکہ اس کا فعل غصہ کا محل ہے۔ اس لئے کہ ذات تو قابل رحم ہے وہ بیچارہ بیمار ہے کفر کی بیماری میں مبتلا ہے فسق کی بیماری میں مبتلا ہے اور نفرت بیمار سے نہیں ہوتی بلکہ بیماری سے ہوتی ہے اس لئے کہ اگر بیمار سے نفرت کرو گے تو پھر اس کی کون دیکھ بھال کرے گا؟ لہٰذا فسق و فجور سے اور کفر سے نفرت ہوگی اس کی ذات سے نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کی ذات فسق و فجور سے باز آ جائے تو وہ ذات گلے لگانے کے لائق ہے اس لئے کہ ذات کے اعتبار سے اس سے کوئی پرخاش اور کوئی ضد نہیں۔

اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھئے: وہ ذات جس نے آپ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا یعنی حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا اور جو اس کے سبب بنے یعنی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جب یہ دونوں اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا تو اب وہ آپ کے اسلامی بہن اور بھائی بن گئے۔ آج حضرت وحشی کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کہتے ہیں۔ ہندہ جنہوں نے کلیجہ چبایا تھا آج ان کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کہا جاتا ہے۔ بات اصل یہ تھی کہ ان کی ذات سے کوئی نفرت نہیں تھی بلکہ ان کے فعل اور ان کے اعتقاد سے نفرت تھی پھر جب سچی توبہ کے ساتھ وہ برا فعل اور برا اعتقاد ختم ہو گیا تو اب ان سے نفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

1: خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ایک واقعہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ ان کے زمانے میں ایک بڑے عالم اور فقیہ اور مفتی مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب بھی موجود تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بحیثیت ''صوفی'' کے مشہور تھے اور یہ بڑے عالم ''مفتی اور فقیہ'' کی حیثیت سے مشہور تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ''سماع'' کو جائز کہتے تھے۔ بہت سے صوفیاء کے یہاں سماع کا رواج تھا۔ سماع کا مطلب ہے کہ موسیقی کے آلات کے بغیر حمد و نعت وغیرہ کے مضامین کے اشعار ترنم سے یا بغیر ترنم کے محض خوش آواز سے کسی کا پڑھنا اور دوسروں کا اسے خوش عقیدگی اور محبت سے سننا۔ بعض صوفیاء اس کی اجازت دیتے تھے اور بہت سے فقہاء اور مفتی حضرات اس سماع کو بھی جائز نہیں کہتے تھے بلکہ ''بدعت'' قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے زمانے کے مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب نے بھی ''سماع'' کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ''سماع'' سنتے تھے۔

جب مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور اطلاع کروائی کہ جا کر حکیم ضیاء الدین صاحب سے عرض کیا جائے کہ نظام الدین مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اندر سے حکیم ضیاء الدین صاحب نے جواب دیا کہ ان کو باہر روک دیں میں کسی بدعتی کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جواب بھجوایا کہ ان سے عرض کردو کہ بدعتی بدعت سے توبہ کرنے کیلئے حاضر ہوا ہے۔ اسی وقت مولانا حکیم ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پگڑی بھیجی کہ اسے بچھا کر خواجہ صاحب اس کے اوپر قدم رکھتے ہوئے آئیں اور جوتے سے قدم رکھیں ننگے پاؤں نہ آئیں۔ خواجہ صاحب نے پگڑی کو اٹھا کر سر پر رکھا اور کہا کہ یہ میرے لئے دستار فضیلت ہے اس شان سے اندر تشریف لے گئے۔ آ کر مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اور حکیم ضیاء الدینؒ کی طرف متوجہ رہے۔ پھر خواجہ صاحب کی موجودگی میں حکیم ضیاء الدین کی وفات کا وقت آ گیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمد للہ حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا کہ ترقی مدارج کے ساتھ ان کا انتقال ہوا۔

غصہ بھی اللہ کے لئے ہو

بہر حال جو بغض اور غصہ اللہ کیلئے ہوتا ہے وہ کبھی ذاتی دشمنیاں پیدا نہیں کرتا اور وہ عداوتیں پیدا نہیں کرتا وہ فتنے پیدا نہیں کرتا کیونکہ جس آدمی سے بغض کیا جارہا ہے اور جس پر غصہ کیا جارہا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ اس کو میری ذات سے دشمنی نہیں ہے بلکہ میرے خاص فعل سے اور خاص حرکت سے ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس کی بات کا برا نہیں مانتا۔ اس لئے کہ جانتا ہے کہ یہ کچھ کہہ رہا ہے اللہ کے لئے کہہ رہا ہے۔ اس کو فرماتے ہیں:

من احب لله و ابغض لله

یعنی جس سے تعلق اور محبت ہے تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے اور جس سے بغض اور نفرت ہے تو وہ بھی اللہ کے لئے ہے۔ تو یہ غصہ کا بہترین محل ہے بشرطیکہ یہ غصہ شرعی حد کے اندر ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ نعمت ہم کو عطا فرمادے کہ محبت ہو تو اللہ کے لئے ہو غصہ اور بغض ہو تو وہ اللہ کیلئے ہو۔

لیکن یہ غصہ ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے منہ میں لگام پڑی ہوئی ہو کہ جہاں اللہ کے لئے غصہ کرنا ہے وہاں تو ہو اور جہاں غصہ نہیں کرنا ہے وہاں لگام ڈال کر اس کو روک دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھئے: ایک یہودی نے آپ کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہہ دیا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہاں برداشت کر سکتے تھے فوراً اس کو پکڑ کر اوپر اٹھایا اور پھر زمین پر پٹخ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہوگئے۔ یہودی نے جب یہ دیکھا کہ اب میرا قابو تو ان کے اوپر نہیں چل رہا ہے تو اس نے لیٹے لیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا۔ جیسے کہاوت ہے کہ ”کھسیانی بلی کھمبا نوچے“ لیکن جیسے ہی اس یہودی نے تھوکا آپ فوراً اس کو چھوڑ کر الگ ہوگئے۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ حضرت! اس نے اور زیادہ گستاخی کا کام کیا کہ آپ کے منہ پر تھوک دیا ایسے میں آپ اس کو چھوڑ کر الگ کیوں ہوگئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ پہلے اس پر جو میں نے حملہ کیا تھا اور اس کو مارنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضور اقدس

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کیا تھا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جس کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کو گرا دیا۔ پھر جب اس نے میرے منہ پر تھوک دیا تو اب مجھے اور زیادہ غصہ آیا لیکن اب اگر میں اس غصہ پر عمل کرتے ہوئے اس سے بدلہ لیتا تو یہ بدلہ لینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا اور اس وجہ سے ہوتا کہ چونکہ اس نے میرے منہ پر تھوکا ہے لہٰذا میں اس کو اور زیادہ ماروں۔ تو اس صورت میں یہ غصہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا۔ اس وجہ سے میں اس کو چھوڑ کر الگ ہو گیا۔

یہ درحقیقت اس حدیث من احب للہ و ابغض للہ پر عمل فرما کر دکھا دیا۔ گویا کہ غصہ کے منہ میں لگام دے رکھی ہے کہ جہاں تک اس غصہ کا شرعی اور جائز موقع ہے بس وہاں تک تو غصہ کرنا ہے اور جہاں اس غصہ کا جائز موقع ختم ہو جائے تو اس کے بعد آدمی اس غصے سے اس طرح دور ہو جائے کہ جیسے اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ انہیں حضرات کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کان وقافا عند حدود اللہ یعنی یہ اللہ کی حدود کے آگے ٹھہر جانے والے لوگ تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کا پرنالہ مسجد نبوی کی طرف لگا ہوا ہے، بارش وغیرہ کا پانی مسجد نبوی کے اندر گرتا تھا گویا کہ مسجد کی فضا میں وہ پرنالہ لگا ہوا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور کسی شخص کے ذاتی گھر کا پرنالہ مسجد کے اندر آ رہا ہو تو یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا حکم دے دیا اور وہ توڑ دیا گیا۔ اب دیکھئے کہ آپ نے اس پرنالے کو توڑنے کا جو حکم دے دیا اور وہ توڑ دیا گیا۔ یہ غصے کی وجہ سے توڑ دیا لیکن غصہ اس بات پر آیا کہ یہ کام مسجد کے احکام اور آداب کے خلاف ہے۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ میرے گھر کا پرنالہ توڑ دیا گیا ہے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے فرمایا کہ آپ نے یہ پرنالہ کیوں توڑ دیا؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ

جگہ تو مسجد کی ہے، کسی کی ذاتی جگہ نہیں ہے۔ مسجد کی جگہ میں کسی کا پرنالہ آنا شریعت کے حکم کے خلاف تھا اس لئے میں نے توڑ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو پتہ بھی ہے کہ یہ پرنالہ یہاں پر کس طرح لگا تھا؟ یہ پرنالہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لگا تھا اور آپ کی اجازت سے میں نے لگایا تھا۔ آپ اس کو توڑنے والے کون ہوتے ہیں؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اجازت دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خدا کے لئے میرے ساتھ آؤ۔ چنانچہ اس پرنالے کی جگہ کے پاس گئے اور وہاں جا کر خود رکوع کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اب میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ دوبارہ لگاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں دوسروں سے لگوالوں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کی یہ مجال کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے پرنالے کو توڑ دے۔ مجھ سے یہ اتنا بڑا جرم سرزد ہوا، اس کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ میں رکوع میں کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری کمر پر کھڑے ہو کر یہ پرنالہ لگاؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی کمر پر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ اس کی جگہ پر واپس لگا دیا۔ وہ پرنالہ آج بھی مسجد نبوی میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے جن لوگوں نے مسجد نبوی کی تعمیر کی ہے، انہوں نے اب بھی اس جگہ پر پرنالہ لگا دیا ہے۔ اگرچہ اب اس پرنالے کا بظاہر کوئی مصرف نہیں ہے لیکن یادگار کے طور پر لگا دیا ہے۔ یہ درحقیقت اس حدیث پر عمل ہے من احب للہ وابغض للہ پہلے جو غصہ اور بغض ہوا تھا وہ اللہ کے لئے ہوا تھا اور اب جو محبت ہے وہ بھی اللہ کے لئے ہے۔ جو شخص یہ کام کر لے اس نے اپنا ایمان کامل بنا لیا۔ یہ ایمان کے کامل ہونے کی علامت ہے۔

مصنوعی غصہ کر کے ڈانٹ لیں

بہرحال، اس بغض فی اللہ کی وجہ سے بعض اوقات غصے کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور سے ان لوگوں پر غصہ کا اظہار کرنا پڑتا ہے جو زیر تربیت ہوتے ہیں۔ جیسے استاد ہے اس کو اپنے شاگردوں پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ باپ کو اپنی اولاد پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ شیخ کو اپنے

مریدوں پر غصہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ غصہ اس حد تک ہونا چاہئے جتنا اس کی اصلاح کے لئے ضروری ہو۔ اس سے آگے نہ بڑھے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب انسان کی طبیعت میں اشتعال ہو، اس وقت غصہ نہ کرے۔ مثلاً استاد کو شاگرد پر غصہ آ گیا اور اشتعال پیدا ہو گیا۔ اس اشتعال اور غصہ کے وقت ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ نہ کرے بلکہ جب طبیعت میں اشتعال اور غصہ ختم ہو جائے اس وقت مصنوعی غصہ کر کے ڈانٹ ڈپٹ کر لے تا کہ یہ ڈانٹ ڈپٹ حد سے متجاوز نہ ہو۔ یہ کام ذرا مشکل ہے کیونکہ انسان غصہ کے وقت بے قابو ہو جاتا ہے۔ لیکن جب تک اس کی مشق نہیں کریگا اس وقت تک اس غصہ کے مفاسد اور برائیوں سے نجات نہیں ملے گی۔

چھوٹوں پر زیادتی کا نتیجہ

اور پھر جو زیر تربیت افراد ہوتے ہیں جیسے اولاد، شاگرد، مرید، ان پر اگر غصہ کے وقت حد سے تجاوز ہو جائے تو بعض صورتوں میں یہ بات بڑی خطرناک ہو جاتی ہے کیونکہ جس پر غصہ کیا جا رہا ہے وہ اگر آپ سے بڑا ہے یا برابر کا ہے تو آپ کے غصہ کرنے کے نتیجے میں اس کو جو ناگواری ہوگی اس کا اظہار بھی کر دے گا اور وہ بتا دیگا کہ تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی، یا کم از کم بدلہ لے لے گا لیکن جو تمہارا ماتحت اور چھوٹا ہے وہ تم سے بدلہ لینے پر تو قادر نہیں ہے بلکہ اپنی ناگواری کے اظہار پر بھی قادر نہیں۔ چنانچہ کوئی بیٹا اپنے باپ سے یا شاگرد اپنے استاد سے یا مرید اپنے شیخ سے یہ نہیں کہے گا کہ آپ نے فلاں وقت جو بات کہی تھی وہ مجھے ناگوار ہوئی۔ اس لئے آپ کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ آپ نے اس کی کتنی دل شکنی کی ہے، اور جب پتہ نہیں چلے گا تو معافی مانگنا بھی آسان نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ بہت نازک معاملہ ہے اور خاص طور سے جو چھوٹے بچوں کو پڑھانے والے اساتذہ ہوتے ہیں، ان کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ تو بہت ہی نازک ہے۔ اس لئے کہ وہ نابالغ بچے ہیں اور نابالغ کا معاملہ یہ ہے کہ اگر وہ معاف بھی کر دے تو معافی نہیں ہوتی کیونکہ نابالغ کی معافی معتبر نہیں۔

خلاصہ

بہرحال، آج کی مجلس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے غصہ پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ غصہ بے شمار برائیوں کی جڑ ہے اور اس کے ذریعہ بے شمار باطنی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ابتداء میں تو یہ کوشش کرے کہ غصہ کا اظہار بالکل نہ ہو، بعد میں جب یہ غصہ قابو میں آجائے تو اس وقت یہ دیکھے کہ کہاں غصہ کا موقع ہے اور کہاں غصہ کا موقع نہیں۔ جہاں غصہ کا جائز محل ہو بس وہاں جائز حد تک غصہ کرے اس سے زیادہ نہ کرے۔

غصہ کا غلط استعمال

جیسا کہ ابھی میں نے بتایا کہ بغض فی اللہ یعنی اللہ کے لئے غصہ کرنا چاہئے۔ لیکن بعض لوگ اس کا انتہائی غلط استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا یہ غصہ اللہ کے لئے ہے لیکن حقیقت میں وہ غصہ نفسانیت اور تکبر اور دوسرے کی حقارت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً جب اللہ تعالیٰ نے ذرا سی دین چلنے کی توفیق دے دی اور دین پر ابھی چلنا شروع کیا تو اب ساری دنیا کے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگے۔ میرا باپ بھی حقیر ہے، میری ماں بھی حقیر ہے، میرا بھائی بھی حقیر ہے، میری بہن بھی حقیر ہے، میرے سارے گھر والے حقیر ہیں۔ ان سب کو حقیر سمجھنا شروع کر دیا اور یہ سمجھنے لگا کہ یہ سب تو جہنمی ہیں، میں جنتی ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے ان جہنمیوں کی اصلاح کے لئے پیدا کیا ہے۔ اب ان کی اصلاح کے لئے ان پر غصہ کرنا اور ان کے لئے نازیبا الفاظ کا استعمال کرنا اور ان کی تحقیر کرنی اور ان کے حقوق تلف کرنا شروع کر دیا۔ اور پھر شیطان یہ سبق پڑھاتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں یہ بغض فی اللہ کے ماتحت کر رہا ہوں حالانکہ حقیقت میں یہ سب نفسانیت کے تحت کرتا ہے۔

چنانچہ جو لوگ دین پر نئے چلنے والے ہوتے ہیں۔ شیطان ان کو اس طرح بہکاتا ہے کہ ان کو بغض فی اللہ کا سبق پڑھا کر ان سے دوسرے مسلمانوں کی تحقیر اور تذلیل کراتا ہے، اور اس کے نتیجے میں لڑائیاں، جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں۔ بات بات پر لوگوں پر غصہ کرتے ہیں۔ بات بات پر لوگوں کو ٹوک دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں فساد پھیل رہا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ایک جملہ

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے تو وہ کبھی بے اثر نہیں رہتی اور کبھی فتنہ وفساد پیدا نہیں کرتی۔ گویا کہ تین شرطیں بیان فرمادیں۔ نمبر ایک بات حق ہو، نمبر دو نیت حق ہو، نمبر تین طریقہ حق ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی برائی کے اندر مبتلا ہے اب اس پر ترس کھا کر نرمی اور شفقت سے اس کو سمجھائے تاکہ وہ اس برائی سے کسی طرح نکل جائے۔ یہ نیت ہو، اس میں اپنی بڑائی مقصود نہ ہو اور دوسروں کو ذلیل کرنا مقصود نہ ہو اور طریقہ بھی حق ہو یعنی نرمی اور محبت سے بات کہے۔ اگر یہ تین شرطیں پائی جائیں تو فتنہ پیدا نہیں ہوتا۔ اور جہاں کہیں یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں فتنہ کھڑا ہو گیا تو غالب گمان یہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے کوئی ایک بات موجود نہیں تھی یا تو بات حق نہ تھی یا نیت حق نہیں تھی یا طریقہ حق نہیں تھا۔

تم خدائی فوجدار نہیں ہو

یہ بات یاد رکھیں کہ تم خدائی فوجدار بن کر دنیا میں نہیں آئے۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ حق بات حق نیت اور حق طریقے سے دوسروں کو پہنچاؤ اور مناسب طریقے سے مسلسل پہنچاتے رہو۔ اس کام سے کبھی مت اکتاؤ۔ لیکن ایسا کوئی کام مت کرو جس سے فتنہ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(وعظ ایمان کامل کی چار علامتیں از اصلاحی خطبات جلد ۹)

نفاق کی علامتیں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے:

" عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ ربع من کن فیه کان منافقا خالصا ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها، إذا اؤتمن خان، واذا حدث کذب، واذا عاهد غدر، واذا خاصم فجر".

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے، اور جس شخص میں ان چار خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت پائی جاتی ہو تو جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے گا اس وقت تک اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود رہے گی۔ (وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ) جب اسکو کسی امانت کا امین بنایا جائے تو وہ خیانت کرے، اور جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے، اور جب کوئی معاہدہ کرے تو اسکی خلاف ورزی کرے، اور جب کسی سے جھگڑا ہو تو بدزبانی پر اتر آئے۔

اس حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار بری خصلتیں بیان فرما کر انہیں منافق کی نشانی قرار دیا ہے، یعنی کسی مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ان خصلتوں کو اختیار کرے، بلکہ جو شخص ان میں مبتلا ہوگا، وہ قانونی اور لفظی اعتبار سے خواہ مسلمان کہلاتا ہو، لیکن عملی اعتبار سے وہ منافق ہے۔

پہلی علامت

ان میں سے پہلی خصلت امانت میں خیانت ہے، اس خیانت کی ایک صورت تو وہ ہے جسے سب جانتے ہیں، یعنی یہ کہ کوئی شخص اپنا کوئی مال ومتاع یا سامان کسی کے پاس امانت

کے طور پر رکھوائے اور وہ اس امانت کو بحفاظت واپس کرنے کے بجائے اس میں خرد برد شروع کردے، یہ تو خیانت کی واضح ترین اور بدترین صورت ہے جسے سبھی گناہ سمجھتے ہیں، لیکن اسلامی تعلیمات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خیانت صرف اسی حد تک محدود نہیں ہوتی، بلکہ خیانت کی بعض صورتیں اور بھی ہیں مثلاً کسی شرعی عذر کے بغیر کسی شخص کا راز فاش کردینا بھی خیانت ہے، ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "المجالس بالامانة" (مجلسیں امانت ہوتی ہیں) مطلب یہ ہے کہ کسی مجلس میں جو بات کہی جاتی ہے وہ آپ کے پاس امانت ہے، اور شرکاء مجلس کی مرضی کے بغیر وہ بات دوسروں تک پہنچانا اس امانت میں خیانت ہے جو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔

اسی طرح جب کوئی شخص کسی جگہ ملازمت کرتا ہے تو اسکی ڈیوٹی کے اوقات اس کے پاس امانت ہیں۔ اب اگر وہ ان ڈیوٹی کے اوقات کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں صرف کرنے کے بجائے اپنے ذاتی کاموں میں صرف کرے تو شرعی اعتبار سے یہ شخص بھی امانت میں خیانت کررہا ہے، اور اس خیانت کو عادت بنالینا کسی مسلمان کا نہیں، بلکہ منافق کا کام ہے۔

دوسری علامت

حدیث میں نفاق کی دوسری خصلت "جھوٹ" بیان کی گئی ہے، جس کی مذمت سے قرآن وحدیث لبریز ہیں، اور "ایمان" اور "جھوٹ" میں اس قدر زبردست تضاد ہے کہ موطأ امام مالک میں حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟" آپ نے فرمایا "ہاں" (مسلمان میں یہ کمزوری ہوسکتی ہے) پھر پوچھا کہ "کیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے؟" آپ نے فرمایا "ہاں" (مسلمان میں اس کمزوری کا وجود بھی ممکن ہے) آخر میں پوچھا کہ کیا مسلمان جھوٹا ہوسکتا ہے؟" آپ نے فرمایا "نہیں!" (یعنی ایمان کے ساتھ بے باکانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہوسکتی)۔

پھر بعض اوقات تو انسان کے جھوٹ کا اثر اسکی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے اور بعض اوقات اس کے جھوٹ سے پورے خاندان، برادری، یا ملک وملت کو نقصان پہنچتا ہے، پہلی

صورت میں تو یہ محض ایک گناہ کبیرہ ہے، لیکن دوسری صورت میں بعض اوقات صرف ایک مرتبہ کا جھوٹ کئی کئی سنگین گناہوں کا مجموعہ بن جاتا ہے، جھوٹ تو وہ چیز ہے جسے اسلام نے مذاق میں بھی گوارا نہیں کیا، چہ جائیکہ سنجیدگی کے ساتھ اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا جائے، اور اس کے ذریعے دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منافق کی نشانی قرار دیا ہے۔

تیسری علامت

نفاق کی تیسری علامت حدیث میں "عہد شکنی" بیان کی گئی ہے مسلمان کا امتیازی وصف یہ ہے کہ جب وہ ایک مرتبہ کوئی عہد معاہدہ کرلے تو جب تک وہ معاہدہ باقی ہے، اس وقت تک ہر قیمت پر اسکی پابندی کرتا ہے، اور اس معاملے میں بڑے سے بڑے نقصان کی بھی پروا نہیں کرتا، تاریخ اسلام ایسے واقعات سے لبریز ہے جن میں مسلمانوں نے صرف اپنا عہد نبھانے کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو صرف عہد شکنی کے خطرے کے پیش نظر ایک مرتبہ اپنا ایک مفتوحہ علاقہ رومیوں کو واپس کر دیا تھا۔

چوتھی علامت

نفاق کی چوتھی نشانی حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ جب کبھی اختلاف اور جھگڑے کی نوبت آجائے تو ایسا شخص بدزبانی اور گالم گلوچ پر اتر آتا ہے، زندگی میں بہت سے لوگوں سے اختلاف پیش آتا ہے، کبھی نوبت جھگڑے تک بھی پہنچتی ہے، لیکن ایک سچے مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اختلافات اور جھگڑوں کے موقع پر بھی شرافت واخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، اختلاف خواہ نظریاتی ہو، یا سیاسی، یا خاندانی یا تجارتی، کسی بھی حال میں بدزبانی اور دشنام طرازی مسلمان کا شیوہ نہیں، بلکہ اس حدیث کی رو سے عملی نفاق کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفاق کی ان خصوصیات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(از نشری تقریریں)

اپریل فُول

مغرب کی بے سوچے سمجھے تقلید کے شوق نے ہمارے معاشرے میں جن رسموں کو رواج دیا، انہی میں سے ایک رسم "اپریل فُول" منانے کی رسم بھی ہے، اس رسم کے تحت یکم اپریل تاریخ میں جھوٹ بول کر کسی کو دھوکہ دینا، اور دھوکہ دیکر اسے بے وقوف بنانا نہ صرف جائز سمجھا جاتا ہے، بلکہ اسے ایک کمال قرار دیا جاتا ہے، جو شخص جتنی صفائی اور چابکدستی سے دوسرے کو جتنا بڑا دھوکہ دے، اتنا ہی اسے قابل تعریف اور یکم اپریل کی تاریخ سے صحیح فائدہ اٹھانے والا سمجھا جاتا ہے۔

یہ مذاق جسے درحقیقت "بدمذاقی" کہنا چاہئے، نہ جانے کتنے افراد کو بلاوجہ جانی اور مالی نقصان پہنچا چکا ہے، بلکہ اس کے نتیجے میں بعض اوقات لوگوں کی جانیں چلی گئی ہیں، کہ انہیں کسی ایسے صدمے کی جھوٹی خبر سنادی گئی جسے سننے کی وہ تاب نہ لاسکے، اور زندگی ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

یہ رسم جس کی بنیاد جھوٹ، دھوکے اور کسی بے گناہ کو بلاوجہ بیوقوف بنانے پر ہے، اخلاقی اعتبار سے تو جیسی کچھ ہے، ظاہر ہی ہے، لیکن اس کا تاریخی پہلو بھی ان لوگوں کے لئے انتہائی شرمناک ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقدس پر کسی بھی اعتبار سے ایمان رکھتے ہیں۔

اپریل فول کی تاریخ

اس رسم کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس بارے میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں، بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ فرانس میں سترھویں صدی سے پہلے سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس مہینے کو رومی لوگ اپنی دیوی وینس (Venus) کی طرف منسوب کر کے مقدس سمجھا کرتے تھے، وینس کا ترجمہ یونانی زبان میں Aphrodite کیا جاتا تھا، اور شاید اسی یونانی نام سے مشتق کر کے مہینے کا نام اپریل رکھ دیا گیا۔

(برٹانیکا پندرھواں اڈیشن ص:۲۹۲، ج:۸)

لہٰذا بعض مصنفین کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یکم اپریل سال کی پہلی تاریخ ہوتی تھی، اور اسکے ساتھ

ایک بت پرستانہ تقدس بھی وابستہ تھا، اس لئے اس دن کو لوگ جشن مسرت منایا کرتے تھے، اور اسی جشن مسرت کا ایک حصہ ہنسی مذاق بھی تھا جو رفتہ رفتہ ترقی کر کے اپریل فول کی شکل اختیار کر گیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جشن مسرت کے دن لوگ ایک دوسرے کو تحفے دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے تحفے کے نام پر کوئی مذاق کیا جو بالآخر دوسرے لوگوں میں بھی رواج پکڑ گیا۔

برٹانیکا میں اس رسم کی ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ۲۱/ مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہوتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے، لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بے وقوف بنانا شروع کر دیا۔ (برٹانیکا ص: ۴۹۶، ج: ۱)

یہ بات اب بھی مبہم ہی ہے کہ قدرت کے اس نام نہاد "مذاق" کے نتیجے میں یہ رسم چلانے سے "قدرت" کی پیروی مقصود تھی، یا اس سے انتقام لینا منظور تھا؟

ایک تیسری وجہ انیسویں صدی عیسوی کی معروف انسائیکلو پیڈیا "لاروس" نے بیان کی ہے، اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے، وہ وجہ یہ ہے کہ دراصل یہودیوں اور عیسائیوں کی بیان کردہ روایات کے مطابق یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ نام نہاد انجیلوں میں اس واقعے کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، لوقا کی انجیل کے الفاظ یہ ہیں:

"اور جو آدمی اسے (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو) گرفتار کئے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے اور مارتے تھے، اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر طمانچے مارتے تھے، اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (یعنی الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مار مار کر بہت سی اور باتیں اس کے خلاف کہیں" (لوقا ۲۲: ۶۳ تا ۶۵)

انجیلوں میں ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالت عالیہ میں پیش کیا گیا، پھر وہ انہیں پیلاطس کی عدالت میں لے گئے کہ ان کا فیصلہ وہاں ہوگا، پھر پیلاطس نے انہیں ہیروڈیس کی عدالت میں بھیج دیا، اور بالآخر ہیروڈیس نے دوبارہ فیصلے کے لئے ان کو پیلاطس ہی کی عدالت میں بھیجا۔

لاروس کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں بھیجنے کا مقصد بھی ان کے ساتھ مذاق کرنا، اور انہیں تکلیف پہنچانا تھا۔ اور چونکہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا، اس لئے اپریل فول کی رسم درحقیقت اسی شرمناک واقعے کی یادگار ہے۔

اپریل فول منانے کے نتیجے میں جس شخص کو بے وقوف بنایا جاتا ہے، اسے فرانسیسی زبان میں Poisson d'avril کہا جاتا ہے جسکا انگریزی ترجمہ April Fish ہے، یعنی اپریل کی مچھلی (برٹانیکا، ص:۴۹۶، ج:۱)۔ گویا جس شخص کو بے وقوف بنایا گیا ہے وہ پہلی مچھلی ہے جو اپریل کے آغاز میں شکار کی گئی۔ لیکن لاروس نے اپنے مذکورہ بالا موقف کی تائید میں کہا ہے کہ Poisson کا لفظ جسکا ترجمہ "مچھلی" کیا گیا ہے، درحقیقت اسی سے ملتے جلتے ایک اور فرانسیسی لفظ Posion کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی "تکلیف پہنچانے" اور "عذاب دینے" کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ رسم درحقیقت اس عذاب اور اذیت کی یاد دلانے کے لئے مقرر کی گئی ہے جو عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچائی گئی تھی۔

ایک اور فرانسیسی مصنف کا کہنا ہے کہ دراصل Poisson کا لفظ اپنی اصل شکل ہی پر ہے، لیکن یہ لفظ پانچ الفاظ کے ابتدائی حروف کو ملا کر ترتیب دیا گیا ہے، جن کے معنی فرانسیسی زبان میں بالترتیب عیسیٰ، مسیح، اللہ، بیٹا اور فدیہ ہوتے ہیں۔ گویا اس مصنف کے نزدیک بھی اپریل فول کی اصل یہی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے اور انہیں تکلیف پہنچانے کی یادگار ہے۔

(اس تفصیل کیلئے دیکھئے فرید وجدی کی عربی انسائیکلوپیڈیا، دائرۃ معارف القرآن ص:۳۱ و ۳۲، ج:۱)

اگر یہ بات درست ہے (لاروس وغیرہ نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ درست قرار دیا ہے اور اسکے شواہد پیش کئے ہیں) تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ رسم یہودیوں نے جاری کی ہو گی، اور اسکا منشا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تضحیک ہوگی، لیکن یہ بات حیرتناک ہے کہ جو رسم یہودیوں نے (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہنسی اڑانے کے لئے جاری کی، اسے عیسائیوں نے کسی طرح ٹھنڈے پیٹوں نہ صرف قبول کر لیا، بلکہ خود بھی اسے منانے اور رواج دینے میں شریک ہو گئے۔ اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عیسائی صاحبان اس رسم کی اصلیت سے واقف ہی نہ ہوں، اور انہوں نے بے سوچے سمجھے اس پر عمل شروع کر دیا ہو،

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عیسائیوں کا مزاج و مذاق اس معاملے میں عجیب و غریب ہے، جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے خیال میں سولی دی گئی بظاہر قاعدے سے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ ان کی نگاہ میں قابل نفرت ہوتی کہ اس کے ذریعے حضرت مسیح علیہ السلام کو ایسی اذیت دی گئی، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عیسائی حضرات نے اسے مقدس قرار دینا شروع کردیا، اور آج وہ عیسائی مذہب میں تقدس کی سب سے بڑی علامت سمجھی جاتی ہے۔

اسلامی تعلیمات اور اپریل فول

لیکن مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ خواہ اپریل فول کی رسم وینس نامی دیوی کی طرف منسوب ہو، یا اسے (معاذ اللہ) قدرت کے مذاق کا ردعمل کہا جائے، یا حضرت مسیح علیہ السلام کے مذاق اڑانے کی یادگار، ہر صورت میں اس رسم کا رشتہ کسی نہ کسی توہم پرستی یا کسی گستاخانہ نظریے یا واقعے سے جڑا ہوا ہے، اور مسلمانوں کے نقطہ نظر سے یہ رسم مندرجہ ذیل بدترین گناہوں کا مجموعہ ہے:

۱- جھوٹ بولنا۔ ۲- دھوکہ دینا۔ ۳- دوسرے کو اذیت پہنچانا۔

۴- ایک ایسے واقعے کی یاد منانا جس کی اصل یا تو بت پرستی ہے، یا توہم پرستی، یا پھر ایک پیغمبر کے ساتھ گستاخانہ مذاق۔

اب مسلمانوں کو خود فیصلہ کرلینا چاہئے کہ آیا یہ رسم اس لائق ہے کہ اسے مسلمان معاشروں میں اپنا کر اسے فروغ دیا جائے؟

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے ماحول میں اپریل فول منانے کا رواج بہت زیادہ نہیں ہے، لیکن اب بھی ہر سال کچھ نہ کچھ خبریں سننے میں آہی جاتی ہیں کہ بعض لوگوں نے اپریل فول منایا، جو لوگ بے سوچے سمجھے اس رسم میں شریک ہوتے ہیں، وہ اگر سنجیدگی سے اس رسم کی حقیقت، اصلیت اور اسکے نتائج پر غور کرینگے تو ان شاء اللہ اس سے پرہیز کی اہمیت تک ضرور پہنچ کر رہیں گے۔ (از ذکر و فکر)

پاکی اور صفائی

ایک سبق آموز واقعہ

تقریباً دو سال پہلے میں برطانیہ کے ایک سفر کے دوران برمنگھم سے ٹرین کے ذریعے ایڈنبرا جا رہا تھا، راستے میں مجھے غسل خانہ استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی، میں اپنی سیٹ سے اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلا تو دیکھا کہ وہاں ایک انگریز خاتون پہلے سے انتظار میں کھڑی ہیں جس سے اندازہ ہوا کہ غسل خانہ خالی نہیں ہے، چنانچہ میں ایک قریبی سیٹ پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا، جب کچھ دیر گذر گئی تو اچانک غسل خانے کے دروازے پر میری نگاہ پڑی، وہاں Vacant کی تختی صاف نظر آ رہی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ غسل خانہ خالی ہے، اور اسمیں کوئی نہیں ہے، اس کے باوجود وہ خاتون بدستور دروازے کے سامنے کھڑی ہوئی تھیں، اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ شاید ان کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے قریب جا کر ان سے کہا کہ غسل خانہ تو خالی ہے، اگر آپ اندر جانا چاہیں تو چلی جائیں، انہوں نے جواب دیا کہ دراصل غسل خانے کے اندر میں ہی تھی، لیکن جب میں پیشاب سے فارغ ہوئی تو ریل پلیٹ فارم پر رک گئی، اور میں کموڈ کو فلش نہیں کر سکی، (یعنی اس پر پانی نہیں بہا سکی) کیونکہ جب گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہو تو فلش کرنا مناسب نہیں، اب میں باہر آ کر اس انتظار میں ہوں کہ گاڑی چلے تو میں اندر جا کر کموڈ کو فلش کروں، پھر اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھوں گی۔

یہ بظاہر ایک چھوٹا سا معمولی واقعہ تھا، لیکن میرے ذہن پر ایک نقش چھوڑ گیا، یہ ایک انگریز خاتون تھیں، اور بظاہر غیر مسلم، لیکن انہوں نے جو طرز عمل اختیار کیا، وہ دراصل اسلام کی تعلیم تھی۔

یہ بھی ایذاء مسلم ہے

مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن میں ایک صاحب سے ایک مرتبہ یہ غلطی سرزد ہوئی کہ وہ غسل خانہ استعمال کرنے کے بعد اسے فلش کیے بغیر باہر آ گئے تو میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) نے اس پر انہیں سخت تنبیہ کی۔ اور فرمایا کہ ایسا کرنا اسلامی تعلیمات

کے مطابق سخت گناہ ہے، کیونکہ اس طرح گندگی پھیلانے سے آنے والے شخص کو تکلیف ہو گی، اور کسی بھی شخص کو تکلیف پہنچانا گناہ ہے۔

دوسری طرف جب گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہو تو اس وقت غسل خانے کا استعمال یا اسے فلش کرنا ریلوے کے قواعد کے تحت اس لئے منع ہے کہ اس کے نتیجے میں ریلوے اسٹیشن کی فضا خراب ہوتی ہے، اور پلیٹ فارم پر موجود لوگوں کو ریلوے لائن پر پڑی ہوئی گندگی سے ذہنی کوفت بھی ہوتی ہے، اور وہ گندگی بیماریاں پھیلنے کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے، اس خاتون نے بیک وقت دونوں باتوں کا خیال کیا، ٹرین کے کھڑے ہونے کی حالت میں پانی بہانا بھی گوارا نہ کیا، اور پانی بہائے بغیر سیٹ پر آکر بیٹھنا بھی پسند نہیں کیا، تاکہ کوئی شخص اس حالت میں جاکر تکلیف نہ اٹھائے۔

طہارت نصف ایمان

ہم مسلمان ہیں، اور ہماری ہر دینی تعلیم کا آغاز ہی طہارت سے ہوتا ہے، جسے آنحضرت ﷺ نے "ایمان کا آدھا حصہ" قرار دیا ہے، نیز آپ ﷺ نے انتہائی باریک بینی سے ہر اس کام سے منع فرمایا ہے جو ناحق کسی دوسرے کی تکلیف کا باعث ہو، لیکن یہ بات کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ ہمارے مشترک غسل خانے، خواہ وہ ریل میں ہوں یا جہاز میں، بازار میں ہوں یا مسجدوں میں، تعلیم گاہوں میں ہوں یا شفاخانوں میں، ہر جگہ عموماً گندگی کے ایسے مراکز بنے ہوئے ہیں کہ ان کے قریب سے گذرنا مشکل ہوتا ہے، اور جب تک کوئی چپتا ہی نہ پڑ جائے، کسی سلیم الطبع شخص کے لئے اس کا استعمال ایک شدید آزمائش سے کم نہیں۔ اس صورت حال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان معاملات میں ہم نے دین کی تعلیمات کو بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے، اور مشترک استعمال کے مقامات پر گندگی پھیلانے کے بعد ہمیں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہم اذیت رسانی کے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، جس کا ہمیں جواب دینا پڑیگا۔

ملکی قوانین اور ہماری حالت

ہمارے ملک میں بھی ریلوں کے ہر غسل خانے میں یہ ہدایت درج ہے کہ جب تک گاڑی کسی اسٹیشن پر کھڑی ہو، بیت الخلاء استعمال نہ کیا جائے، لیکن عملاً صورت حال یہ ہے کہ کوئی اسٹیشن مشکل ہی سے ایسا ہوگا جس کی ریلوے لائن پر اس ہدایت کی خلاف ورزی کے

16 مکروہ مناظر نظر نہ آتے ہوں، اسی طرح ہوائی جہازوں کے ہر غسل خانے میں یہ ہدایت درج ہوتی ہے کہ بیت الخلاء میں کوئی ٹھوس چیز نہ پھینکی جائے نیز یہ کہ منہ ہاتھ دھونے کے لئے جو بیسن لگا ہوتا ہے اسے استعمال کرنے کے بعد آنے والے مسافر کی سہولت کے لئے اسے کاغذ کے تولیہ سے صاف کر دیا جائے، لیکن ان ہدایات پر بھی کماحقہ عمل نہیں کیا جاتا، چنانچہ ہمارے ہوائی جہازوں کے غسل خانے بھی اب ہمارے مجموعی قومی مزاج کی نہایت بھدی تصویر پیش کرتے ہیں، حالانکہ اگر ان ہدایات پر عمل کر کے ہم دوسروں کے لئے راحت کا سامان کریں تو یہ محض ایک شائستگی کی بات ہی نہیں ہے بلکہ یقیناً اجر وثواب کا کام ہے۔

صفائی ستھرائی ہمارا شیوہ ہے

آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد اتنا مشہور ہے کہ بہت سے مسلمانوں کو معلوم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ایمان کے ستر سے بھی زیادہ شعبے ہیں، اور ان میں سے ادنیٰ ترین شعبہ یہ ہے کہ راستے سے گندگی یا تکلیف دہ چیز کو دور کر دیا جائے''۔ اس ارشاد نبوی ﷺ کی روشنی میں مؤمن کا کام تو یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص نے بھی کوئی گندگی پھیلا دی ہے اور اندیشہ ہے کہ لوگوں کو اس سے تکلیف پہنچے گی، تو وہ خود اسے دور کر دے، نہ یہ کہ خود گندگی پھیلاتا پھرے، اگر گندگی دور کرنا ایمان کا شعبہ ہے تو گندگی پھیلانا کس چیز کا شعبہ ہوگا؟ ظاہر ہے کہ بے ایمانی کا، یا کفر وفسق کا؟ لیکن ہم نے اپنے عمل سے کچھ ایسا تاثر دے رکھا ہے کہ صفائی ستھرائی درحقیقت ہمارا نہیں، بلکہ غیر مسلم مغربی اقوام کا شیوہ ہے۔

ایک لطیفہ

یہاں مجھے پھر اپنے والد ماجد کا سنایا ہوا ایک لطیفہ یاد آ گیا، وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہندوستان میں ایک انگریز مسلمان ہو گیا، اور اس نے پانچوں وقت نماز پڑھنے کیلئے مسجد میں آنا شروع کر دیا، جب کبھی اسے وضو خانے میں جانے کی ضرورت پیش آتی تو یہ دیکھ کر اس کا دل کڑھتا تھا کہ نالیوں میں گندگی پڑی رہتی ہے، کناروں پر کائی جمی رہتی ہے، نہ لوگ ان میں گندگی ڈالنے سے پرہیز کرتے ہیں نہ ان کی صفائی کا کوئی انتظام ہے، آخر ایک روز اس نے یہ طے کیا کہ اس مقدس عبادت گاہ کو صاف رکھنا چونکہ بڑے ثواب کا کام ہے، اس لئے وہ خود ہی یہ خدمت انجام

دے گا، چنانچہ وہ کہیں سے جھاڑو وغیرہ لاکر اپنے ہاتھ سے اسے صاف کرنے لگا، معقول مسلمانوں نے تو یقیناً اس کے اس عمل کی قدر کی ہوگی، لیکن محلے کے ایک صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ انگریز مسلمان تو ہوگیا لیکن اس کے دماغ سے انگریزیت کی خو بو نہیں گئی"۔

اسلام ظاہری و باطنی طہارت کا معلم

جن صاحب نے یہ افسوسناک تبصرہ کیا، انہوں نے تو کھل کر صریح لفظوں ہی میں یہ بات کہہ دی، لیکن اگر ہمارے مجموعی طرز عمل کا جائزہ لیا جائے تو محسوس یہ ہی ہوتا ہے کہ ہم نے صفائی ستھرائی کو "انگریزیت کی خو بو" قرار دے رکھا ہے۔ اور شاید گندگی کو اپنی خُو بُو، حالانکہ اسلام نے، جس کے ہم نام لیوا ہیں، صفائی ستھرائی سے بھی بہت آگے بڑھ کر طہارت کا وہ تصور پیش کیا ہے جو ظاہری صفائی سے کہیں بلند و برتر ہے، اور جسم کے ساتھ ساتھ روح کی پاکیزگی کے وہ طریقے سکھاتا ہے جن سے بیشتر غیر اسلامی اقوام محروم ہیں، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ جن مغربی اقوام کی ظاہری صفائی پسندی کا ذکر پیچھے آیا ہے، ان کا یہ ذوق صرف اس صفائی کی حد تک محدود ہے جو دوسرے کو نظر آئے، لیکن جہاں تک ذاتی اور اندرونی (Intrinsic) صفائی کا تعلق ہے، اس سے ان اقوام کی محرومی کا تھوڑا سا اندازہ ان طریقوں کو دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے جو وہ بیت الخلاء استعمال کرنے کے بعد اپنے جسم کی صفائی کیلئے اختیار کرتے ہیں، جب تک اس عمل کے بعد نہانا نہ ہو، جسم سے گندگی دور کرنے کے لئے پانی کے استعمال کا ان کے یہاں کوئی تصور نہیں، اس بات کا تو ان کے یہاں بڑا اہتمام ہے کہ غسل خانے کے فرش پر پاک پانی کی بھی کوئی چھینٹ پڑی نظر نہ آئے، لیکن جسم سے نجاست اور گندگی کو دور کرنے کے لئے صرف ٹائیلٹ پیپر کو کافی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ پانی کے استعمال کے بغیر گندگی کا کلی ازالہ مشکل ہے، چنانچہ اگر گندگی کے کچھ چھوٹے اجزاء جسم یا کپڑے پر اس طرح باقی رہ جائیں کہ وہ نظر نہ آئیں تو ان کے ازالے کی اتنی فکر نہیں ہے۔ پھر اگر اس عمل کے بعد غسل بھی کرنا ہو تو عموماً اس کا طریقہ یہ ہے کہ ٹب میں پانی جمع کرکے اسی حالت میں پانی کے اندر اس طرح داخل ہو جاتے ہیں کہ پانی کے اخراج کا کوئی راستہ نہیں

ہوتا، اور نجاست کے باقی ماندہ چھوٹے اجزاء بعض اوقات پورے پانی کو ناپاک کر سکتے ہیں۔

یہ تمام طریقے اس طرح اختیار کیئے گئے ہیں کہ سارا زور صرف اس ظاہری صفائی پر ہے جو دوسرے کو نظر آئے، ذاتی اور اندرونی صفائی جس کا نام "طہارت" ہے اسکا کوئی تصور نہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام نے ہمیں ظاہری صفائی ستھرائی (نظافت) کے ساتھ ساتھ "طہارت" (پاکی) کے بھی مفصل احکام دیئے ہیں، اس لئے اسلام میں صفائی کا تصور کہیں زیادہ جامع، ہمہ گیر اور بلند و برتر ہے، اسلام کو "طہارت" بھی مطلوب ہے اور نظافت بھی، طہارت کا مقصد یہ ہے کہ انسان بذات خود واقعی پاک صاف رہے، اور نظافت کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی گندگی سے دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث نہ بنے۔

عہدِ رسالت کا ایک حکم

آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد نبوی اتنی زیادہ کشادہ نہیں تھی، عام طور سے صحابہ کرامؓ محنت پیشہ تھے اور موٹے کپڑے پہنتے تھے، گرمی کے موسم میں جب پسینہ آتا تو کپڑے پسینے سے تر ہو جاتے، اور جمعہ کے اجتماع میں اس پسینے کی وجہ سے بو پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمائی کہ جمعہ کے روز سب حضرات غسل کر کے، حتی الامکان صاف کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر مسجد میں آیا کریں، اب ظاہر ہے کہ طہارت کا کم سے کم تقاضا تو اس طرح بھی پورا ہو سکتا تھا کہ لوگ وضو کر کے آ جایا کریں، اور ان کے کپڑے ظاہری نجاست سے پاک ہوں، لیکن آنحضرت ﷺ نے اس پر اکتفا کرنے کے بجائے مذکورہ بالا احکام نظافت کی اہمیت کی وجہ سے عطا فرمائے، تا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے تکلیف کا باعث نہ بنے، اس چھوٹی سی مثال ہی سے یہ بات واضح ہے کہ طہارت کے ساتھ ساتھ نظافت بھی اسلام میں مطلوب ہے، اور کوئی بھی ایسا اقدام جائز نہیں ہے جس کی وجہ سے ماحول میں گندگی پھیلتی ہو، یہ ہر شخص کی ایسی دینی ذمہ داری ہے جس کی ادائیگی کے لئے بنیادی ضرورت توجہ کی ہے، یہ توجہ پیدا ہو جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے ماحول سدھر جاتا ہے۔ (از ذکر و فکر)

پڑوسی

ہمسایوں کے حقوق اور ان کیساتھ حسن معاشرت کی
اسلامی تعلیم اور اس بارہ میں ہماری حالت۔
ہمسفر کے حقوق کی نشاندہی اور تھوڑی دیر کے ساتھی
کے ساتھ حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی ترغیب۔

پڑوسی

ایک مثالی شخصیت

ابوحمزہ سکریؒ حدیث کے ایک راوی گذرے ہیں، "سُکّر" عربی زبان میں چینی کو کہتے ہیں، اوران کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ انہیں "سُکّری" اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان کی باتیں ان کا لہجہ اوران کا انداز گفتگو بڑا دلکش اور شیریں تھا، جب وہ بات کرتے تو سننے والا ان کی باتوں میں محو ہو جاتا تھا، وہ بغداد شہر کے ایک محلے میں رہتے تھے، کچھ عرصے کے بعد انہوں نے اپنا مکان بیچ کر کسی دوسرے محلے میں منتقل ہونے کا ارادہ کیا، خریدار سے معاملہ بھی تقریباً طے ہو گیا۔ اتنے میں ان کے پڑوسیوں اور محلّہ داروں کو پتہ چلا کہ وہ اس محلے سے منتقل ہو کر کہیں اور بسنے کا ارادہ کررہے ہیں، چنانچہ محلّہ والوں کا ایک وفدان کے پاس آیا، اوران کی منت سماجت کی کہ وہ یہ محلّہ نہ چھوڑیں، جب ابوحمزہ سکریؒ نے اپنا عذر بیان کیا تو تمام محلّہ والوں نے متفقہ طور پرانہیں یہ پیشکش کی کہ آپ کے مکان کی جو قیمت لگی ہے، ہم وہ قیمت آپ کی خدمت میں وہ قیمت بطور ہدیہ پیش کرنے کو تیار ہیں، لیکن آپ ہمیں اپنے پڑوس سے محروم نہ کیجئے، جب انہوں نے محلّہ والوں کا یہ خلوص دیکھا تو منتقل ہونے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

ابوحمزہ سکریؒ کی مقبولیت کی ایک وجہ ان کی سحر انگیز شخصیت بھی ہوگی، لیکن بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے ایک مثال قائم کی تھی، قرآن کریم نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تاکید فرمائی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہت سے ارشادات میں پڑوسی کے حقوق کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، یہاں تک کہ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل امین علیہ السلام آئے، اور مجھے پڑوسی کے حقوق کی اتنی تاکید کرتے رہے کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید وہ پڑوسی کو ترکے میں وارث بھی قرار دیدیں گے۔

قرآن وسنت کی ان تعلیمات کے سائے میں جو معاشرہ پروان چڑھا، اس میں پڑوسی کی حیثیت ایک قریبی رشتہ دار سے کم نہ تھی، ایک ساتھ رہنے والے نہ صرف ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک تھے، بلکہ ایک دوسرے کے لئے ایثار وقربانی کرکے خوشی محسوس کرتے تھے۔

خیر خواہی کی ایک جھلک

۱۹۶۳ء میں جب میں سعودی عرب گیا تو وہاں کے ایک باشندے نے مجھے اپنا واقعہ خود سنایا کہ ایک مرتبہ میں کپڑا خریدنے کے لئے بازار گیا، ایک دوکان میں داخل ہو کر بہت سے کپڑے دیکھے، دوکاندار پوری خوش اخلاقی سے مجھے مختلف کپڑے دکھاتا رہا، بالآخر میں نے ایک کپڑا پسند کرلیا دوکاندار نے مجھے قیمت بتادی میں نے دوکاندار سے کہا کہ "مجھے یہ کپڑا اتنے گز کاٹ کردیدو"، اس پر دوکاندار ایک لمحے کے لئے رکا، اور اس نے مجھ سے کہا آپ کو یہ کپڑا پسند ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، کہنے لگا قیمت بھی آپ کی رائے میں مناسب ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، اس پر اس نے کہا کہ اب آپ میرے برابر والی دوکان پر چلے جایئے، اور وہاں سے یہ کپڑا اسی قیمت پر لے لیجئے، میں بڑا حیران ہوا اور میں نے اس سے کہا کہ میں اس دوکان پر کیوں جاؤں؟ میرا معاملہ تو آپ سے ہوا ہے، کہنے لگا آپ کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں، آپ کو جو کپڑا چاہئے، وہ وہاں موجود ہے، اور آپ کو اسی قیمت میں مل جائیگا، جا کر وہاں سے لے لیجئے میں نے کہا کہ پہلے مجھے وجہ بتایئے، کیا وہ آپ ہی کی دوکان ہے؟ اس نے کہا نہیں، اب میں بھی اڑ گیا، اور میں نے اصرار کیا کہ جب تک آپ مجھے وجہ نہیں بتائیں گے میں اس دوکان پر نہیں جاؤں گا، آخر کار اس نے زچ ہو کر کہا کہ آپ خواہ مخواہ بات لمبی کررہے ہیں بات صرف اتنی ہے کہ میرے پاس صبح سے اب تک بہت سے گاہک آچکے ہیں، اور میری اتنی بکری ہو چکی ہے کہ میرے لئے آج کے دن کے حساب سے کافی ہوسکتی ہے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا پڑوسی دوکاندار صبح سے خالی بیٹھا ہے، اس کے پاس کوئی گاہک نہیں آیا، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کی بھی کچھ بکری ہو جائے، آپ کے وہاں جانے سے اس کا بھلا ہو جائے گا، آپ کا اس میں کیا حرج ہے؟

یہ اس اسلامی معاشرے کی ایک بچی کھچی جھلک تھی جس میں مسرت اور کامیابی محض پیسوں کی گنتی کا نام نہیں تھا، بلکہ روح کے اس سکون اور قلب وضمیر کے اس اطمینان کا نام تھا جو اپنے کسی بھائی بہن کا دکھ دور کر کے یا اس کے چہرے پر مسکراہٹ لاکر حاصل ہوتا ہے، جب قرآن کریم نے انصار مدینہ کی تعریف کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ چاہے وہ خود مفلسی کا شکار ہوں، مگر دوسروں کے ساتھ ایثار کا معاملہ کر کے انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، تو درحقیقت ان کی اسی صفت کی مثال دیکر مسلمانوں کو انکی پیروی کی ترغیب دی تھی، یوں تو ایثار کا یہ معاملہ ہر شخص کے ساتھ قابل تعریف ہے، لیکن خاص طور پر پڑوسی اس کا زیادہ حقدار ہے اسی لئے قرآن وسنت نے اسکی زیادہ ترغیب دی ہے۔

ہماری معاشرتی حالت

جدید شہری زندگی نے جہاں ہماری بہت سی قدریں بدل ڈالی ہیں وہاں پڑوس کی اہمیت کا تصور بھی بُری طرح دھندلا دیا ہے، اول تو کوٹھی بنگلوں کے مکین پڑوس کا مفہوم ہی بھولتے جارہے ہیں، بعض دفعہ مدتوں پاس پاس رہنے کے باوجود وہ ایک دوسرے سے ناواقف رہتے ہیں، اور اگر کہیں پڑوس کی اہمیت کا تصور موجود ہے تو عام طور سے اسے انہی پڑوسیوں کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے، جو رتبے یا معاشی حالت کے اعتبار سے اپنے برابر یا قریب قریب ہوں، چنانچہ کوٹھی بنگلے میں رہنے والا کسی دوسری کوٹھی کے مکین ہی کو اپنا پڑوسی سمجھتا ہے، اور اگر اس کے پاس کچھ لوگ جھونپڑیوں یا معمولی مکانات میں رہ رہے ہوں تو انہیں عام طور سے نہ پڑوسی سمجھا جاتا ہے، نہ پڑوسی جیسے حقوق دیئے جاتے ہیں، ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کسی عالی شان بنگلے میں رہنے والا اپنے قریب کسی جھونپڑی والے کی خبر گیری، اسکی بیمار پرسی یا محض ملاقات کے لئے جاتا ہو، حالانکہ ایسے پڑوسی ایثار ومحبت کے زیادہ مستحق ہیں۔

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ علمی

اور دینی اعتبار سے تو بلند مقام کے حامل تھے ہی، اپنی خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی ممتاز تھے، لیکن ان کا روزانہ معمول یہ تھا کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے دارالعلوم جانے سے پہلے اپنے قریب معمولی مکانات میں بسنے والی بیواؤں اور بے سہارا خواتین کے پاس جاتے، ہر ایک سے پوچھتے کہ انہیں بازار سے کیا سودا سلف منگانا ہے؟ اور بہت سے خواتین کے بتائے ہوئے سودے کی ایک فہرست لے کر خود بازار جاتے، ہر خاتون کا سودا خریدتے، اور ہر ایک کو پہنچاتے، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کوئی خاتون کہتی مفتی صاحب! آپ یہ چیز غلط لے آئے، میں نے تو فلاں چیز منگائی تھی، یا اتنی تعداد میں منگائی تھی، مفتی صاحب خندہ پیشانی سے فرماتے معاف کرنا بی بی مجھ سے غلطی ہوگئی، میں ابھی بدل کر وہ چیز لے آتا ہوں، اور اس طرح وہ نہ جانے کتنے ٹوٹے دلوں کی دعائیں سمیٹ کر اور ان کی خدمت کے سرور سے دل آباد کر کے اپنے دن کی مصروفیات کا آغاز کرتے تھے۔

موجودہ بے سکونی کی وجہ

آج تقریباً ہر شخص اسباب راحت کی فراوانی کے باوجود ایک انجانی سی بے چینی اور دل کی ایک بے نام سی کسک میں مبتلا ہے، اور بقول جناب نظر امروہوی ؎

کوئی الجھن نہیں، لیکن کسی الجھن میں رہتا ہے
عجب دھڑکا سا ہر دم دل کی ہر دھڑکن میں رہتا ہے

اس انجانی بے چینی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے روپے پیسے کی گنتی ہی کو زندگی کا مقصد سمجھ لیا ہے، اور مال و دولت کی دوڑ سے آگے کچھ سوچنے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ ہم روح کے اس اطمینان اور دل کے اس سرور سے محروم ہوتے جارہے ہیں جو اپنے کسی بھائی بہن کی خدمت کر کے اور اس کے لئے کوئی قربانی دے کر حاصل ہوتا ہے، جو زندگی کو اپنے خالق و مالک کے تابع فرمان بنانے اور اس کے حکم کے آگے اپنی ناجائز خواہشات کو کچلنے کا نقد انعام ہوتا ہے، قلبی سکون کا یہ نقد انعام بسا اوقات کچے مکان اور دال روٹی کی معمولی

معیشت میں بھی حاصل ہو جاتا ہے، اور اگر اسکی شرائط پوری نہ ہوں تو عالی شان کوٹھیوں اور چمکدار کاروں میں بھی حاصل نہیں ہوتا، اس صورت میں کوٹھی بنگلوں کی چمک دمک دل میں چھپی ہوئی بے چینیوں کا علاج نہیں کر سکتی۔

کوئی شک نہیں کہ آج کی شہری زندگی بہت مصروف ہو گئی ہے، لیکن یہ مصروفیت زیادہ تر روپے پیسے کی گنتی بڑھانے ہی کے لئے ہے، لہٰذا اگر سکون قلب بھی کوئی حقیقی نعمت ہے جسے حاصل کرنے کی فکر کی جائے تو انہی مصروفیتوں میں تھوڑا سا وقت اس کام کے لئے بھی نکالنا پڑیگا جس میں اپنے آس پاس بسنے والوں کی زندگی میں جھانک کر دیکھا جا سکے، اور ان کے دکھ دور کرنے کی کوئی امکانی سبیل تلاش کی جا سکے۔ چوبیس گھنٹے کی مصروفیات میں سے نکالے ہوئے یہ چند لمحات جو اس کام میں خرچ ہونگے، انشاء اللہ وہ کام کر جائیں گے جو دن بھر کی بھاگ دوڑ سے حاصل ہونے والی روپے کی ریل پیل انجام نہیں دے سکتی۔ (از ذکر و فکر)

پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک

اللہ تعالیٰ نے پڑوسی کے بہت حقوق رکھے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَازَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اِنَّهٗ سَیُوَرِّثُهٗ

(بخاری ومسلم عن ابن عمرؓ و عائشہؓ)

جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں اتنی کثرت سے نصیحت کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید وہ اس کو وراثت میں بھی حقدار قرار دے دیں گے۔

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُحْسِنْ اِلٰی جَارِهٖ

جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ (صحیح مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ آپ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَهٗ

جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ (بخاری ومسلم)

پڑوسی کا سب سے بڑا حق تو یہ ہے

کہ اپنے ہر کام میں اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ اپنی ذات سے اس کو تکلیف نہ پہنچے اس کے علاوہ ضرورت کے موقع پر اس کی مدد کرنا، کبھی

کبھی اس کو کچھ ہدیہ بھیج دیتا۔ اس کے دکھ سکھ میں شریک رہنا۔ یہ سب باتیں موجب اجر و ثواب ہیں۔ اگر وہ ضرورت مند ہو تو اس کی مالی مدد کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ کیونکہ پڑوسی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ معاشی اور سماجی اعتبار سے ہم پلہ ہو۔ اگر کچھ غریب لوگ اپنے پڑوس میں آباد ہیں تو وہ بھی پڑوسی ہیں۔ اور ان کے حقوق اس لحاظ سے زیادہ ہیں کہ ان کی خبر گیری دوسروں سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر کوئی پڑوسی بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلانا صرف موجب ثواب ہی نہیں فرض ہے۔ اسی طرح پڑوسی اگر غیر مسلم بھی ہو تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں ایک مرتبہ ایک بکری ذبح ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ آپ بار بار گھر والوں کو تاکید کرتے رہے کہ اس یہودی پڑوسی کو بھی گوشت کا ہدیہ بھیجو۔ (ابوداؤد و ترمذی)

تھوڑی دیر کا ساتھی

زندگی میں انسان کو قدم قدم پر دوسروں سے واسطہ پیش آتا ہے، بعض تعلقات دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں، جیسے رشتہ دار، بعض دائمی نہ سہی لیکن لمبی مدت کے لئے ہوتے ہیں جیسے پڑوسی، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ صرف چند گھنٹوں یا اس سے بھی کم مدت کے لئے کسی کا ساتھ ہو جاتا ہے، جیسے ہم سفر جو کسی بس، ریل یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے کچھ دیر کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

تعلقات اور ان کے حقوق

قرآن کریم نے نہایت باریک بینی سے ان تینوں قسم کے تعلقات کے کچھ حقوق رکھے ہیں، اور ان حقوق کی نگہداشت کی تاکید فرمائی ہے، پہلی دو قسموں یعنی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کو لوگ پھر بھی کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بدسلوکی کے نتیجے میں انسان بدنام ہو جاتا ہے، اور چونکہ یہ تعلقات دیرپا قسم کے ہیں اس لئے یہ بدنامی بھی دیرپا ہو جاتی ہے، لیکن تیسری قسم یعنی وہ لوگ جو مختصر وقفے کے لئے ساتھ ہو گئے ہوں بہت کم انسان ان کے حقوق کا خیال رکھنے پر آمادہ ہوتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ عموماً اجنبی ہوتے ہیں، اور تھوڑی دیر کے بعد جب جدا ہوتے ہیں تو بعض اوقات تمام عمر ان سے کوئی واسطہ پیش نہیں آتا، اس لئے ان کے ساتھ اگر کوئی بداخلاقی یا بدسلوکی ہو جائے تو اس کی وجہ سے کسی دیرپا بدنامی کا اندیشہ نہیں ہوتا، لوگ عموماً یہ سوچتے ہیں کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس شخص پر میرے بارے میں کوئی غلط تاثر قائم ہو بھی گیا تو کیا ہوا؟ بعد میں تو کبھی اس سے ملنا نہیں ہے، اس لئے اس تاثر سے میری زندگی پر کوئی برا اثر نہیں پڑیگا۔ چنانچہ بسوں، ریلوں دوسری عوامی سواریوں، اور اب تو ہوائی جہازوں میں بھی جو دھکا پیل اور نفسی نفسی کا جو عالم نظر آتا ہے، کہ ہر شخص دوسرے کو کہنی مار کر آگے بڑھنے کی

فکر میں رہتا ہے، وہ درحقیقت اسی ذہنیت کا شاخسانہ ہے۔

تھوڑی دیر کے ساتھی کے ساتھ حسن سلوک

اسی لئے قرآن کریم نے جہاں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی، وہاں تھوڑی دیر کے ساتھیوں کے حقوق ادا کرنے کو بطور خاص ذکر فرمایا، تھوڑی دیر کے ساتھی کیلئے قرآن کریم نے الصاحب بالجنب کا لفظ استعمال کیا ہے، (سورۂ نساء آیت نمبر ۳۶) اس کا اردو ترجمہ "ہم پہلو" کے لفظ سے کیا جاسکتا ہے، اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو مختصر مدت کے لئے کسی کے ساتھ ہوگیا ہو، خواہ کسی سفر میں، یا کسی عمومی مجلس میں، بس یا ریل میں سفر کرتے ہوئے جو شخص ہمارے قریب بیٹھا ہے، وہ ہمارا "صاحب بالجنب" ہے، کسی دعوت جلسے یا اجتماع عام میں جو شخص ہمارے پہلو میں ہے، وہ ہمارا "صاحب بالجنب" ہے، اور قرآن کریم نے خاص طور پر اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اس لئے فرمائی ہے کہ انسان کی شرافت اور خوش اخلاقی کا اصل امتحان ایسے ہی مواقع پر ہوتا ہے، بڑے بڑے تعلیم یافتہ، بظاہر مہذب اور شائستہ لوگوں کو دیکھا کہ اپنے روزمرہ کے حالات میں وہ بظاہر بڑے خوش اخلاق اور شائستہ نظر آتے ہیں، لیکن جب کبھی سفر کی نوبت آئی تو ان کی ساری تہذیب اور خوش اخلاقی دھری کی دھری رہ گئی، اور انہوں نے اپنے ہم سفروں کے ساتھ پرلے درجے کی خودغرضی اور سنگدلی کا برتاؤ شروع کردیا۔

فرمان فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ کسی شخص کی نیکی کی حتمی گواہی اس وقت دو جب یا تو تمہارا اس سے روپے پیسے کا کوئی لین دین ہوچکا ہو جس میں تم نے اسے کھرا پایا ہو، یا اس کے ساتھ تم نے کوئی سفر کیا ہو، اور اس سفر میں تم نے اسے واقعی خوش اخلاق دیکھا ہو۔

خوش اخلاقی کی حقیقت

بات دراصل یہ ہے کہ خوش اخلاقی کا جو برتاؤ صرف بدنامی کے خوف سے کیا جائے، وہ خوش

اخلاقی ہی کہاں ہے؟ وہ تو ایک دکھاوا ہے، چنانچہ جب بدنامی کا خوف ٹلے گا، انسان کی بداخلاق اصلیت ظاہر ہو جائیگی، خوش اخلاقی تو ایک اندرونی صفت کا نام ہے جو نیک نامی اور بدنامی سے بے نیاز ہو کر کوئی اچھا عمل اس لئے کرتی ہے کہ وہ اچھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے، جب یہ صفت کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو اس کا رویہ ہر جگہ اس صفت کے مطابق ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس جگہ بھی جہاں اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو، وہ اپنی پاکیزہ فطرت کے تحت وہی طرز عمل اختیار کرتا ہے جو اسے کرنا چاہئے، اور یہ حقیقت اس کے سامنے رہتی ہے کہ کوئی اور دیکھے یا نہ دیکھے، وہ ضرور دیکھ رہا ہے جس کے دیکھنے پر جنت اور جہنم کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات

اسلام نے ”صاحب بالجنب“ یعنی تھوڑی دیر کے ساتھی کے حقوق کی جس باریک بینی سے دیکھ بھال کی ہے، اسکا اندازہ چند مثالوں سے لگائیے:

(۱) جمعہ کے دن جب مسجد میں لوگ خطبے اور نماز کے لئے جمع ہوں تو نووارد کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اجتماع کے آخری حصے میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش کو سختی سے منع فرمایا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

(۲) جمعہ کے دن نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی ترغیب دی گئی ہے، تا کہ اس بڑے اجتماع میں ہر شخص دوسرے کے لئے تکلیف کے بجائے فرحت اور راحت کا سبب بنے۔

(۳) فقہاء کرام نے کہا ہے کہ جو شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے کسی پاس والے کو تکلیف ہو سکتی ہو، یا گھن آ سکتی ہو، اس کے لئے جماعت کی نماز معاف ہے، اور اسے اپنے گھر ہی میں نماز پڑھتے پر ان شاء اللہ مسجد کی جماعت کا ثواب ملے گا۔

(۴) جب چند افراد ساتھ بیٹھ کر کوئی چیز کھا رہے ہوں تو حکم یہ ہے کہ دوسروں کا خیال رکھ کر کھاؤ، حدیث میں ہے کہ جب دوسرے لوگ ایک ایک کھجور لے کر کھا رہے ہوں تو تم

دو دو کھجوریں مت لو، اس میں یہ اصول بتا دیا گیا ہے کہ صرف اپنی اپنی فکر کرنا اور جو ہاتھ لگے لے اڑنا ایک مومن کا شیوہ نہیں، یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کچھ اور لوگ بھی تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہیں، تمہارا حصہ پوری طرح ناپ تول کر نہ سہی، لیکن دوسروں کے ساتھ کسی توازن ہی میں ہونا چاہئے، (آج کل بوفے قسم کی دعوتوں میں بعض مرتبہ جو چھینا جھپٹی نظر آتی ہے، اور جس طرح بعض لوگ یکبارگی ضرورت سے زیادہ چیزیں اپنے برتن میں انڈیل لیتے ہیں وہ ان احکام کی صریح خلاف ورزی ہے)

یہ چند مثالیں میں نے صرف یہ بتانے کے لئے دی ہیں کہ اسلامی تعلیمات میں "صاحب بالجنب" یا تھوڑی دیر کے ساتھی کی کتنی اہمیت ہے، اس اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے معاشرے کے چند جزوی مسائل پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

لائن توڑ کر آگے بڑھنا

جہاں بہت سے لوگوں کو باری باری کوئی کام انجام دینا ہوا، وہاں فطری طریقہ یہی ہے کہ آنے والوں کی ترتیب سے ایک قطار بنالی جائے، اور ہر شخص نمبروار اپنا کام انجام دیتا رہے، اس طرح سب کا فائدہ ہے، اور سب کا کام آسانی سے ہو جاتا ہے، ایسے موقع پر (کسی معقول عذر کے بغیر) لائن توڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنا یا اسکے لئے دھینگا مشتی کرنا دوسروں کی شدید حق تلفی ہے، جو بد اخلاقی اور ناشائستگی ہونے کے علاوہ گناہ بھی ہے۔

افسوس ہے کہ آج غیر مسلم قومیں اس بات کا لحاظ رکھتی ہیں، بلکہ ان کا مزاج ہی یہ بن چکا ہے کہ جہاں دو آدمی جمع ہونگے فوراً آگے پیچھے ہو کر قطار بنالیں گے، لیکن ہم جو "صاحب بالجنب" کے بارے میں قرآن وسنت کی مذکورہ ہدایات کی روشنی رکھتے ہیں لائن توڑ کر آگے بڑھنے کو بہادری اور رجی داری کا ایک ہنر سمجھتے ہیں، اور یہ خیال تو شاید ہی کسی کو آتا ہو کہ میں کسی گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوں۔

گاڑی کی نشستوں میں بے اعتدالی

بس یا ریل میں ہر شخص نشست کا اتنا حصہ استعمال کرنے کا حق دار ہے جتنا ایک مسافر

کے لئے گاڑی والوں کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اس میں ہمارے یہاں دو طرح کی شدید بے اعتدالیاں ہوتی ہیں۔

پہلی بے اعتدالی تو یہ ہے کہ جن گاڑیوں میں بکنگ نہیں ہوتی، ان میں جو شخص پہلے پہنچ گیا وہ بیک وقت کئی کئی نشستوں کی جگہ گھیر کر اس پر قبضہ جما لیتا ہے اور دوسرے مسافر کھڑے کھڑے سفر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اب یہ کتنی بے انصافی کی بات ہے کہ آپ ایک ٹکٹ لے کر آرام سے لیٹے ہیں، اور دوسرا شخص اتنی ہی رقم کا ٹکٹ لے کر بیٹھنے سے بھی محروم ہے۔ میں نے اپنے بعض بزرگ علماء کے بارے میں تو یہاں تک سنا ہے کہ اگر گاڑی بالکل خالی پڑی ہوتی، اور دوسرے مسافر نہ ہوتے تب بھی وہ اپنی نشست سے زیادہ جگہ استعمال نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں نے ایک نشست کا کرایہ دیا ہے، میں ایک ہی نشست کے استعمال کا حق دار ہوں، اس سے زیادہ کا نہیں۔ یقیناً یہ احتیاط و تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے، لیکن چونکہ گاڑی والوں کی طرف سے ایسے مواقع پر خالی جگہوں کے استعمال کی عموماً اجازت ہوتی ہے، اس لئے اسکو ناجائز نہیں کہا جا سکتا، مگر جہاں دوسرے مسافر کھڑے ہونے پر مجبور ہوں، وہاں زائد جگہ گھیرنے کا کوئی جواز نہیں۔

دوسری بے اعتدالی اس کے برعکس یہ ہوتی ہے کہ جو سیٹ چار آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے مخصوص ہے اس میں پانچواں آدمی زبردستی اپنے آپ کو ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے، اور پہلے سے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ سمٹ کر اسے ضرور جگہ دیں، اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ پہلے سے جائز اور بجا طور پر اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ تنگی اور دشواری کے ساتھ اپنا سفر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، ایسے میں اگر وہ لوگ خود ایثار سے کام لیں، اور نو وارد کو جگہ دیدیں تو بے شک یہ ان کی عالی ظرفی ہے، اور باعث ثواب ہے، لیکن کسی نو وارد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ انہیں اس عالی ظرفی پر مجبور کرے۔

یہ بھی گناہ میں داخل ہے

چونکہ ہم نے دین کو صرف نماز روزے ہی کی حد تک محدود کر لیا ہے اس لئے اس قسم کی

حرکتیں کرتے وقت یہ خیال بھی دل میں نہیں آتا کہ ہم کسی گناہ کا ارتکاب کررہے ہیں، حالانکہ جس عمل سے بھی کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہو، یا اسے بیجا تکلیف پہنچتی ہو، وہ حرام ہے، ایسا حرام کہ اسکا گناہ صرف توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا جب تک خود وہ شخص معاف نہ کرے جس کی حق تلفی کی گئی ہے۔

مزاج بگڑنے کے نقصانات

دیکھنے میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں لیکن درحقیقت انہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے افراد اور قوموں کا مزاج بگڑتا ہے، اور جب کسی معاشرے کا مزاج بگڑ جائے تو وہی کچھ ہوتا ہے، جس کا رونا آج ہم سب رو رہے ہیں، پھر فائدہ کسی کا نہیں ہوتا، نقصان سب کا ہوتا ہے، راحت کسی کو نصیب نہیں ہوتی، تکلیف میں سب مبتلا رہتے ہیں۔

ایثار کا نقش

اس کے برعکس اگر ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں یہ سوچ لیں کہ جس شخص کے ساتھ ہمیں کچھ دیر کی رفاقت میسر آئی ہے، اسکو آرام پہنچانے کی خاطر اگر ہم خود تھوڑی سی تکلیف اٹھالیں تو یہ تکلیف تو زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کی ہے، جو بہت جلد ختم ہو جائیگی، لیکن ہمارے ایثار کا نقش ہمارے ساتھی کے دل سے جلدی نہیں مٹے گا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالی راضی ہوگا، اور ہماری یہ تھوڑی سی محنت انشاء اللہ وہاں جا کر کیش ہوگی، جہاں روپے پیسے کا کیش بیکار ہو چکا ہوگا، تو رفتہ رفتہ ہمارے معاشرے کا مزاج بھی بدل سکتا ہے، اور ہم ایک دوسرے کیلئے سراپا رحمت بن سکتے ہیں۔ (از ذکر و فکر)

ہم سفر سے حسن سلوک

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مکان کے پڑوسی کے بہت حقوق رکھے ہیں۔ اسی طرح ہم سفر کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں۔ ہم سفر سے مراد وہ شخص ہے جس سے خواہ پہلے جان پہچان نہ ہو لیکن کسی سفر کے دوران وہ ساتھ ہو گیا ہو۔ مثلاً بسوں، ریلوں اور ہوائی جہاز میں اپنے قریب بیٹھنے والا۔ اس کو قرآن کریم کی اصطلاح میں "صاحب بالجنب" کہا گیا ہے۔ یعنی وہ ہم سفر جو تھوڑے وقت کے لئے پڑوسی بنا ہو۔ اس کا حق یہ ہے کہ اپنے کسی عمل سے اس کو تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ بعض لوگ سفر میں اپنے آرام کی خاطر اپنے ہم سفروں کو تکلیف پہنچانے سے گریز نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ سوچنا چاہئے کہ سفر تو ایک مختصر وقت کے لئے ہوتا ہے جو کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتا ہے لیکن اگر اپنے کسی عمل سے اپنے ہم سفر کو ناحق کوئی تکلیف پہنچی تو اس کا گناہ اور شدید گناہ ہمیشہ کے لئے اپنے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور یہ گناہ چونکہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے اس لئے صرف توبہ سے معاف نہیں ہوگا جب تک کہ وہ ہم سفر اس کو معاف نہ کرلے اور عموماً جن لوگوں سے سفر میں ملاقات ہوتی ہے۔ سفر کے بعد نہ ان سے کبھی ملاقات ہوتی ہے نہ ان کا پتہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے معافی کرالی جائے۔ اس لئے سفر کے اختتام کے بعد اس گناہ کی معافی کا عام حالات میں کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اس لحاظ سے ہم سفر کو تکلیف پہنچانے کا گناہ انتہائی سنگین گناہ ہے جس کی معافی بہت مشکل ہے۔

دوسری طرف اگر ہم سفر کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے حتیٰ الامکان ایثار سے کام لیا جائے اور اس کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے یا کم از کم اس سے خندہ پیشانی کا معاملہ کیا جائے تو یہ بہت ثواب کا کام ہے اور معمولی توجہ سے ثواب کا ایک بڑا خزانہ اپنے لئے جمع کیا جاسکتا ہے۔ (آسان نیکیاں)

جان کی قیمت

اسلام میں ایک مسلمان کی کیا قدر و قیمت کیا ہے اس بارہ میں اسلامی احکام کی ایک جھلک
مسلمان کی جان و مال' آبرو کی حفاظت پر ترغیبی مضمون
مسلمان کی وفات پر دوسروں پر عائد حقوق کی نشاندہی جس کے مطالعہ سے اکرام مسلم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

جان کی قیمت

تمہید

ہندوستان میں بابری مسجد کی شہادت کا سانحہ پیش آیا تو پورے عالم اسلام میں بجا طور پر ایک کہرام مچ گیا، مسجد آباد ہو یا غیر آباد اسکی ذاتی حرمت وتقدس میں کوئی فرق نہیں آتا، ایک مسلمان کے لئے اسکی بے حرمتی یقیناً ناقابل برداشت ہے۔ اسی طرح کشمیر میں چرار شریف کا سانحہ پیش آیا تو نہ صرف پاکستان کے مسلمانوں نے اسکی بے چینی اپنے دل میں محسوس کی، بلکہ اسلامی دنیا میں جہاں کہیں اس سانحے کی خبر پہنچی، مسلمانوں میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا، جب ایک غیر آباد مسجد یا ایک خانقاہ کی بے حرمتی فرزندان توحید کے لئے اتنی ناقابل برداشت ہے تو اگر کوئی بد باطن۔ خدانہ کرے، خدانہ کرے۔ بیت اللہ شریف کی طرف بری نگاہ اٹھانے کی جرأت کرے، یا اس کی حرمت کے خلاف کوئی ذلیل اقدام کرنا چاہے، تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے اشتعال اور اضطراب کا کیا عالم ہوگا؟ یہ بات پوری اسلام دشمن دنیا بھی جانتی ہے کہ اس قسم کا کوئی اقدام مسلمانوں کے کس غیظ وغضب کو دعوت دے سکتا ہے، چنانچہ اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کی عداوت میں خواہ کس مقام تک پہنچ جائیں، لیکن ایسے کسی اقدام کی بفضلہ تعالیٰ کبھی جرأت نہیں کر سکتیں، وہ جانتی ہیں کہ بیت اللہ شریف کی عظمت و حرمت کا کیا مقام ہے؟ اور اسکے منافی کوئی عمل انہیں کتنا مہنگا پڑ سکتا ہے؟

بیت اللہ اور انسانی عظمت

بیت اللہ شریف کے اس مقام بلند کو ذہن میں رکھئے، اور پھر ایک حدیث کا مطالعہ کیجئے جو میں حدیث کی مشہور کتاب ابن ماجہ سے ترجمے کے ساتھ نقل کر رہا ہوں:

عن عبداللہ بن عمرو قال: رأیت رسول اللہ ﷺ یطوف بالکعبة ویقول، ما أطیبک وأطیب ریحک! ما أعظمک وأعظم حرمتک! والذی

نفس محمد بیدہ لحرمۃ المؤمن أعظم عنداللہ حرمۃ منک، مالہ و دمہ.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بیت اللہ شریف کا طواف کرر ہے ہیں اور (بیت اللہ سے خطاب کرتے ہوئے) یہ فرما رہے ہیں کہ "تو کتنا پاکیزہ ہے، اور تیری ہوا کتنی پاکیزہ! تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم! (مگر) میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! ایک مؤمن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً تیری حرمت سے بھی زیادہ عظیم ہے، اس کا مال بھی اور اسکا خون بھی"۔ (سنن ابن ماجہ)

اللہ اکبر! اس روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کی قسم کھا کر بتایا کہ ایک مؤمن کی جان و مال کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیت اللہ شریف کی حرمت سے بھی زیادہ ہے۔

مسلمان کی جان و مال

ایک ایسے ماحول میں جہاں انسانی جان کو کھی مچھر سے بھی زیادہ بے حقیقت بنالیا گیا ہو، اور جہاں کسی کا مال زبردستی چھین لینے کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہو، اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے بھی دل لرزتا ہے، جب انسان انسانیت کے جامے سے باہر نکل آئے تو وہ درندوں اور شیطانوں سے بھی زیادہ سنگدل اور ذلیل ہو جاتا ہے، اور اس کے لئے وعظ و نصیحت کا کوئی انداز کارگر نہیں ہوتا لیکن خیال آیا کہ بدامنی اور قتل و غارت گری کے اس طوفان میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہونگے جن کے دل میں خوف خدا کی کوئی رمق باقی ہو، اور جن کا ضمیر ابھی موت کی نیند نہ سویا ہو، ایسے لوگوں کے لئے بعض اوقات کوئی ایک فقرہ بھی بیداری کا سبب بن جاتا ہے، ایسے لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ کسی ایک مسلمان کی جان و مال پر حملہ آور ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیت اللہ شریف پر حملہ آور ہونے سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے، اور کسی ایک بے گناہ کے خون میں ہاتھ رنگنے کا وبال (معاذ اللہ) بیت اللہ شریف کو منہدم کرنے سے بھی زیادہ ہے، اب اندازہ کیجئے کہ ہمارے ملک اور بالخصوص کراچی میں روزانہ کتنے کعبے ڈھائے جارہے ہیں؟ اور بابری مسجد کے انہدام پر احتجاج کرنے والے کس بے فکری سے بیت اللہ پر کدالیں چلا رہے ہیں؟ خدا کی پناہ!

انسانی جان اور اسلامی تعلیمات

اسلامی تعلیمات کی رو سے انسانی جان کی کیا قدر و قیمت ہے؟ اس کا اندازہ کرنے کے لئے یقیناً یہی ایک حدیث کافی ہے، لیکن ذرا سا اور آگے بڑھ کر دیکھئے یہ بات تقریباً ہر مسلمان کو معلوم ہوتی ہے کہ جان بچانے کے لئے اسلام نے بڑے سے بڑے گناہ کے ارتکاب کی اجازت دی ہے، اگر جان جانے کا قوی اندیشہ ہو تو شراب اور خنزیر جیسی ناپاک اور حرام چیزوں کا استعمال بھی جان بچانے کی حد تک جائز ہے، بلکہ اگر کوئی شخص کنپٹی پر پستول رکھ کر یہ کہے کہ شراب پیو، ورنہ تمہیں قتل کر دونگا، تو ایسی حالت میں جان بچانے کی خاطر شراب پینا صرف جائز ہی نہیں واجب ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص مہلک ہتھیار سے مار ڈالنے کی دھمکی دے کر کسی سے کلمہ کفر کہلوانا چاہے تو ایسی حالت میں زبان سے کفر تک کا کلمہ کہنے کی بھی شریعت نے اجازت دی ہے (بشرطیکہ دل میں ایمان صحیح و سالم ہو)۔ غرض بد سے بدتر گناہ بھی ایسی مجبوری کی حالت جائز ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک گناہ ایسا ہے جسے شریعت نے ایسی مجبوری کی حالت میں بھی جائز قرار نہیں دیا، اور وہ ہے قتل ناحق کا گناہ، یعنی اگر کوئی شخص دوسرے پر پستول تان کر اسے کسی تیسرے شخص کو قتل کرنے پر مجبور کرے، اور یہ کہے کہ تم فلاں شخص کو قتل کرو، ورنہ میں تمہیں قتل کر دونگا، تو اس مجبوری کی حالت میں بھی اس کے لئے تیسرے شخص کو قتل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ گویا حکم یہ ہے کہ ایسی صورت میں اپنی جان دینی پڑے تو دیدو، لیکن کسی بے گناہ کی جان نہ لو، یعنی جس انتہائی حالت میں شراب پینا جائز، خنزیر کھانا جائز، یہاں تک کہ کلمہ کفر کہنا بھی جائز ہو جاتا ہے، قتل ناحق کا گناہ اس حالت میں بھی جائز نہیں ہوتا، اور بقول جگر مرحوم ؎

اس نفع و ضرر کی دنیا میں یہ ہم نے لیا ہے درس جنوں\
اپنا تو زیاں تسلیم مگر اوروں کا زیاں منظور نہیں

جو شخص ناحق کسی کی جان لیتا ہے، اسکا ظلم اور اسکی بربریت ایک فرد کی حد تک محدود نہیں ہوتی، وہ مقتول کے ماں باپ کی پوری زندگی اجیرن بنا دیتا ہے، وہ اسکی بیوی کا سہاگ اجاڑ کر اسکے شب و روز ویران کر دیتا ہے، وہ اس کے بچوں کو یتیم کر کے انہیں بے کسی کے حوالے

کرتا ہے، وہ اس کے عزیزوں دوستوں کے کلیجے پر چھری چلاتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ معاشرے میں فساد کی آگ بھڑکا کر اسے بدامنی کے جہنم میں تبدیل کر دیتا ہے، لہٰذا اس کا یہ جرم پورے معاشرے اور پوری انسانیت کے خلاف ایک بغاوت ہے، اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے، ایسا ہے جیسے اس نے روئے زمین کے تمام انسانوں کو بیک وقت قتل کر دیا۔

درسِ نصیحت

جو لوگ ہاتھ میں ہتھیار آ جانے کے بعد اپنے آپ کو دوسروں کی زندگی اور موت کا مالک سمجھنے لگتے ہیں وہ یہ نہ بھولیں کہ اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے کوئی زندہ نہیں رہا، بلکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ایسے فرعونوں کی موت اکثر اس بری طرح آئی ہے کہ دنیا نے ان کی عبرتناک حالت کا تماشا دیکھا ہے، ظلم و بربریت کا ہولناک انجام بکثرت دنیا ہی میں دکھا دیا جاتا ہے، اور مرنے کے بعد تو قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے ہی کہ

''جو شخص کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اسکی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہے، اور اسکی لعنت، اور اللہ نے اسکے لئے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (سورۂ نساء: آیت نمبر: ۹۳) (از ذکر و فکر)

نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت

کسی مسلمان کے مرنے پر اس کی نماز جنازہ پڑھنے اور جنازے کے ساتھ قبرستان جا کر تدفین میں شرکت کرنے کی بھی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ بلکہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کا حق قرار دیا ہے کہ اس کے مرنے پر نماز جنازہ میں شرکت کی جائے اور جنازے کے ساتھ قبرستان جایا جائے۔

اگرچہ نماز جنازہ میں شرکت اور جنازے کے ساتھ قبرستان جانا فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر کچھ لوگ ایسا کرلیں تو باقی مسلمانوں سے فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ جنازے میں شرکت نہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوتے۔ لیکن اگر کوئی شرکت کرے تو اس کا بہت ثواب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''جو شخص کسی جنازے پر نماز پڑھے۔ اس کو ایک قیراط ملے گا اور جو اس کے پیچھے جائے' یہاں تک کہ اس کی تدفین مکمل ہو جائے تو اس کو دو قیراط ملیں گے جن میں سے ایک احد کے پہاڑ کے برابر ہوگا۔''

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جنت کی نعمتوں اور وہاں ملنے والے اجر وثواب کا چونکہ دنیا میں صحیح تصور ممکن نہیں ہے اور نہ ان کو تعبیر کرنے کیلئے انسان کے پاس صحیح الفاظ ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کو سمجھ سے قریب لانے کیلئے ایسے الفاظ استعمال فرماتے ہیں جو دنیا کے معاملات میں رائج اور مشہور ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے کی شرکت کے ثواب کو ''قیراط'' سے تعبیر فرمایا ہے جو سونے چاندی کا ایک وزن ہوتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اسے دنیا کے قیراط کی طرح نہ سمجھا جائے۔ وہ اپنی عظمت میں احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے پر عظیم ثواب الگ ہے۔ اور جنازے کے ساتھ جا کر تدفین میں شرکت کا ثواب علیحدہ ہے اور دونوں بڑے عظیم ثواب ہیں اور ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

''جو شخص (جنازہ اٹھنے سے پہلے) میت کے گھر جائے' اس کو ایک قیراط ملے گا' پھر اگر جنازے کے پیچھے چلے' اسے ایک اور قیراط' پھر اگر وہ اس پر نماز پڑھے تو ایک اور قیراط' پھر اگر تدفین تک انتظار کرے تو ایک اور قیراط''۔ (فتح الباری ص۱۹۴ ج۳ بحوالہ مسند بزاز)

جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ چاروں اعمال الگ الگ نیکیاں ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ ثواب ہے اور ہر ثواب بہت عظیم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث معلوم نہیں تھی جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی معرفت انہیں معلوم ہوئی اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس کی تصدیق کی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حسرت سے فرمایا:۔

''ہم نے تو بہت سے قیراط یقیناً ضائع کر دیئے''۔ (ترمذی)

نماز جنازہ میں بہت سے لوگ رسماً شریک ہوتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات نماز جنازہ کا صحیح طریقہ بھی نہیں آتا۔ ذرا سی توجہ سے نماز کا طریقہ سیکھ لینا چاہئے۔ اور شرکت میں رسم کی پابندی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت کرنی چاہئے۔ ان شاء اللہ اس پر بڑا اجر د ثواب ملے گا۔ جیسا کہ اوپر گزرا' نماز جنازہ کے بعد جنازے کے پیچھے چل کر اس کی تدفین میں شرکت ایک مستقل نیک عمل ہے اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ عمل نفلی نماز سے بھی افضل ہے۔ (فتح الباری ص۱۹۳ ج۳ بحوالہ عبدالرزاق) (آسان نیکیاں)

تعزیت اور مصیبت زدہ کی تسلی

کسی شخص کے انتقال پر اس کے گھر والوں سے تعزیت کرنا اور اپنے قول وفعل سے ان کی تسلی کا سامان کرنا بھی بہت ثواب کا کام ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ عَزّٰی مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ

جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت (تسلی) کرے اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس مصیبت زدہ کو اس مصیبت پر ملتا ہے۔ (جامع ترمذی، کتاب الجنائز حدیث ۱۰۷۳)

واضح رہے کہ "تعزیت" کا مطلب بعض لوگ "اظہار غم" سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے میت کے گھر والوں کی تسلی کا سامان کرنے کے بجائے الٹا انہیں صدمہ یاد دلا دلا کر مزید غم میں مبتلا کرتے ہیں۔ حقیقت میں "تعزیت" کے معنی "تسلی دینے" کے ہیں۔ لہٰذا ہر وہ طریقہ اختیار کرنا "تعزیت" میں داخل ہے جس سے غمزدہ افراد کی ڈھارس بندھے۔ جس سے انہیں قرار آئے۔ جس سے ان کا دل بہلے اور ان کے صدمے کے احساس کی شدت کم ہو۔

اور تسلی دینے کا یہ ثواب صرف کسی کے انتقال ہی کے موقع کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ اوپر کی حدیث میں ہر مصیبت زدہ کو تسلی دینے کا بھی وہی اجر وثواب یہاں فرمایا گیا ہے لہٰذا جس کسی شخص کو کوئی بھی تکلیف یا صدمہ پہنچا ہو تو اس کو تسلی دینے اور اس کی تسلی کا سامان کرنے کا بھی وہی اجر وثواب ہے جو اس شخص کو اس تکلیف یا صدمے پر مل رہا ہے۔

اصلاح معاشرہ کیلئے لائحہ عمل

دعوت وتبلیغ کے اصول .... منکرات کو روکنے کی معتدل، مؤثر تدابیر اور درجات .... فحاشی اور بے پردگی کے اس ماحول کی اصلاح کا طریقہ کار اور موجودہ معاشرہ میں عوام الناس اور علماء کرام پر عائد ذمہ داریوں کی تفصیلات۔ معاشرہ کی اصلاح کیسے ہو اس بارہ میں مکمل لائحہ عمل

تبلیغ ودعوت کے اصول

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم
والمومنون والمومنت بعضهم اولیاء بعض یامرون بالمعروف
وینهون عن المنکر ویقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ ویطیعون اللہ
ورسولہ اولئک سیرحمهم اللہ ان اللہ عزیز حکیم. (سورۃ توبہ۔ ۷۱)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے درجات

اس آیت کا تعلق ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' سے ہے۔ نیک بندوں کا وصف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ ''امر'' کے معنی ہیں ''حکم دینا'' اور ''معروف'' کے معنی ہیں ''نیکی'' ''نہی'' کے معنی ہیں ''روکنا'' اور ''منکر'' کے معنی ہیں ''برائی''۔ فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح ہر مسلمان پر نماز روزہ فرض عین ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرض عین ہے کہ اگر وہ دوسرے کو کسی برائی میں مبتلا دیکھے تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کو روکے اور منع کرے کہ یہ کام گناہ ہے اس کو نہ کرو۔ لوگوں کو اتنی بات تو معلوم ہے کہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' فرض عین ہے۔ لیکن عام طور پر اس کی تفصیل معلوم نہیں کہ یہ کس وقت فرض ہے اور کس وقت فرض نہیں۔ اور معلوم نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ تو اس فریضہ سے ہی بالکل غافل ہیں۔ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے اپنے بیوی بچوں کو اور اپنے دوستوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ حرام کاموں میں مبتلا ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کو روکنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ ان کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہے ہیں، لیکن ان کو کہنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور بعض لوگ اس حکم کو اتنا عام سمجھتے ہیں کہ صبح سے لے کر شام تک انہوں نے دوسروں کو روکنے ٹوکنے کو اپنا مشغلہ بنا رکھا ہے۔ اس طرح اس آیت پر عمل کرنے میں لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے

کہ اس آیت کا صحیح مطلب معلوم نہیں، اس لئے اس کی تفصیل سمجھنا ضروری ہے۔

دعوت وتبلیغ کے دو طریقے: انفرادی: اجتماعی

پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ دعوت وتبلیغ کرنے اور دین کی بات دوسروں تک پہنچانے کے دو طریقے ہیں۔ (۱) انفرادی دعوت وتبلیغ۔ (۲) اجتماعی دعوت وتبلیغ۔ انفرادی دعوت وتبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنی آنکھوں سے دوسرے شخص کو دیکھ رہا ہے کہ وہ فلاں گناہ اور فلاں بُرائی کے اندر مبتلا ہے، یا وہ شخص فلاں فرض واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہا ہے۔ اب انفرادی طور پر اس شخص کو اس طرف متوجہ کرنا کہ وہ اس بُرائی کو چھوڑ دے، اور نیکی پر عمل کرے۔ اس کو انفرادی تبلیغ ودعوت کہتے ہیں دوسری اجتماعی دعوت اور تبلیغ ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایک بڑے مجمع کے سامنے دین کی بات کہے، ان کے سامنے وعظ وتقریر کرے، یا ان کو درس دے یا اس بات کا ارادہ کرے کہ میں کسی فوری سبب کے بغیر دوسروں کے پاس جا جا کر ان کو دین کی بات سناؤں گا، اور دین پھیلاؤں گا، جیسے ماشاء اللہ ہمارے تبلیغی جماعت کے حضرات کرتے ہیں کہ لوگوں کے پاس ان کے گھروں پر ان کی دوکانوں پر جا کر ان کو دین کی بات پہنچاتے ہیں۔ یہ اجتماعی تبلیغ ہے۔ دعوت وتبلیغ کے ان دونوں طریقوں کے احکام الگ الگ ہیں اور دونوں کے آداب الگ الگ ہیں۔

اجتماعی تبلیغ فرض کفایہ ہے

''اجتماعی تبلیغ'' فرض عین نہیں ہے، بلکہ فرض کفایہ ہے، لہٰذا ہر ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے کہ دوسروں کے پاس جا کر وعظ کہے، یا دوسروں کے گھر پر جا کر تبلیغ کرے، کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے، اور فرض کفایہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ وہ کام کر رہے ہوں تو باقی لوگوں سے وہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص بھی انجام نہ دے تو سب گناہ گار ہوں گے، جیسے نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اب ہر شخص کے ذمے ضروری نہیں ہے کہ وہ نماز جنازہ میں شامل ہو، اگر شامل ہوگا تو ثواب ملے گا، اور اگر شامل نہیں ہوگا تو گناہ نہیں ہوگا، جب تک کہ کچھ پڑھنے والے لوگ موجود ہوں، لیکن اگر ایک بھی شخص پڑھنے والا نہیں ہوگا تو اس

وقت سب مسلمان گناہ گار رہوں گے، اس کو فرض کفایہ کہا جاتا ہے، اسی طرح یہ اجتماعی دعوت فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں ہے۔

انفرادی تبلیغ فرض عین ہے

''انفرادی دعوت وتبلیغ'' یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے ایک بُرائی ہوتی ہوئی دیکھ رہے ہیں، یا ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ کوئی شخص کسی فرض کو چھوڑ رہا ہے تو اس وقت اپنی استطاعت کی حد تک اس بُرائی کو روکنا فرض کفایہ نہیں، بلکہ فرض عین ہے، اور فرض عین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یہ سوچ کر نہ بیٹھ جائے کہ یہ کام دوسرے لوگ کرلیں گے، یا یہ تو مولیوں کا کام ہے، یا تبلیغی جماعت والوں کے کرنے کا کام ہے، یہ درست نہیں، اس حدیث کی رو سے یہ کام ہر ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے۔ لہٰذا یہ انفرادی دعوت وتبلیغ فرض عین ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار آیتوں میں نیک بندوں کے بنیادی اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ''یعنی وہ نیک بندے دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اور بُرائی سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے۔ آج ہم لوگ اس کی فرضیت ہی سے غافل ہیں، اپنی آنکھوں سے اپنی اولاد کو اپنے گھر والوں کو غلط راستے پر جاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ اپنے ملنے جلنے والوں کو غلط کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس بُرائی پر ان کو متنبہ کرنے کا کوئی جذبہ اور کوئی داعیہ ہمارے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ ایک مستقل فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا ہے۔ جس طرح ہر مسلمان پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے، جس طرح رمضان کے روزے ہر مسلمان پر فرض ہیں۔ زکوٰۃ اور حج فرض ہے، بالکل اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض ہے، اس لئے سب سے پہلے اس کام کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے، اگر کسی نے ساری عمر نیکیوں میں گزار دی، ایک نماز نہیں چھوڑی، روزہ ایک بھی نہیں چھوڑا، زکوٰۃ اور حج ادا کرتا رہا، اور اپنی طرف سے کسی گناہ کبیرہ

کا ارتکاب نہیں کیا، لیکن اس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بھی انجام نہیں دیا۔ اور دوسروں کو برائیوں سے بچانے کی فکر بھی نہیں کی، یاد رکھئے، اپنی ذاتی نیکیوں کے باوجود آخرت میں اس شخص کی پکڑ ہو جائے گی کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے یہ برائیاں ہو رہی تھیں، اور ان منکرات کا سیلاب اُمڈ رہا تھا، تم نے اس کو روکنے کا کیا اقدام کیا؟ لہٰذا تنہا اپنے آپ کو سدھار لینا کافی نہیں، بلکہ دوسروں کی فکر کرنا بھی ضروری ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب فرض ہے؟

دوسری بات یہ سمجھ لیجئے کہ عبادات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عبادت وہ ہے جو فرض یا واجب ہے۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ دوسری عبادت وہ ہے جو سنت یا مستحب ہے۔ جیسے مسواک کرنا، کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا، تین سانس میں پانی پینا وغیرہ۔ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتیں داخل ہیں۔ اسی طرح برائیوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک برائی وہ ہے جو حرام اور گناہ ہے اور قطعی طور پر شریعت میں ممنوع ہے۔ دوسری برائی وہ ہے جو حرام اور ناجائز نہیں، بلکہ خلاف سنت ہے۔ یا خلاف اولیٰ ہے۔ یا ادب کے خلاف ہے۔ اگر کوئی شخص فرائض یا واجبات کو چھوڑ رہا ہو، یا حرام اور ناجائز کام کا ارتکاب کر رہا ہو تو وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے۔ مثلاً کوئی شخص شراب پی رہا ہے، یا بدکاری کے اندر مبتلا ہے، یا غیبت کر رہا ہے، یا جھوٹ بول رہا ہے۔ چونکہ یہ سب صریح گناہ ہیں، یہاں نہی عن المنکر فرض ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص فرض نماز چھوڑ رہا ہے، یا زکوٰۃ نہیں دے رہا ہے، یا رمضان کے روزے نہیں رکھ رہا ہے تو اس کو اس کی ادائیگی کے لئے کہنا فرض ہے۔

اس وقت نہی عن المنکر فرض نہیں

اور پھر اس میں بھی تفصیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ اس وقت فرض ہوتا ہے جب اس کو بتانے یا اس کو روکنے کے نتیجے میں اس کے مان لینے کا احتمال ہو۔ اور اس کو بتانے کے نتیجے میں بتانے والے کو کوئی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص گناہ کے اندر مبتلا ہے، اور آپ کو یہ خیال ہے کہ اگر میں اس کو اس گناہ سے روکوں گا تو یقین ہے کہ یہ شخص مانے گا نہیں، بلکہ یہ

شخص الٹا شریعت کے حکم کا مذاق اڑائے گا۔ اور اس کی توہین کرے گا، اور اس توہین کے نتیجے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں کفر میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ شریعت کے کسی حکم کی توہین کرنا صرف گناہ نہیں، بلکہ یہ عمل انسان کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور کافر بنا دیتا ہے۔ لہٰذا اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ اگر میں اس شخص کو اس وقت اس گناہ سے روکوں گا تو یہ شریعت کے حکم کی توہین کرے گا تو ایسی صورت میں اس وقت نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایسے موقع پر اس کو اس گناہ سے نہیں روکنا چاہئے، بلکہ اپنے آپ کو اس گناہ کے کام سے الگ کر لینا چاہئے۔ اور اس شخص کے حق میں دعا کرنا چاہئے کہ یا اللہ! آپ کا یہ بندہ ایک بیماری میں مبتلا ہے، اپنے فضل و کرم سے اس کو اس بیماری سے نکال دیجئے۔

گناہ میں مبتلا شخص کو موقع پر روکنا

ایک شخص پورے ذوق و شوق کے ساتھ کسی گناہ کی طرف متوجہ ہے، اس وقت اس بات کا دور دور تک کوئی احتمال نہیں ہے کہ وہ کسی کی بات سنے گا اور مان لے گا، اب عین اس وقت ایک شخص اس کے پاس تبلیغ کے لئے اور امر بالمعروف کے لئے پہنچ گیا، اور یہ نہیں سوچا کہ اس وقت تبلیغ کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا؟ چنانچہ اس نے تبلیغ کی، اس نے سامنے سے شریعت کے اس حکم کا مذاق اڑا دیا اور اس کے نتیجے میں کفر کے اندر مبتلا ہو گیا۔ اس کے کفر میں مبتلا ہونے کا سبب یہ شخص بنا جس نے جا کر اس کو تبلیغ کی۔ لہٰذا عین اس وقت جب کوئی شخص گناہ کے اندر مبتلا ہو، اس وقت روکنا ٹوکنا بعض اوقات نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت روکنا ٹوکنا ٹھیک نہیں، بلکہ بعد میں مناسب موقع پر اس کو بتا دینا اور سمجھا دینا چاہئے کہ جو عمل تم کر رہے تھے وہ درست نہیں تھا۔

اگر ماننے اور نہ ماننے کے احتمال برابر ہوں

اور اگر دونوں احتمال برابر ہوں یعنی یہ احتمال بھی ہو کہ شاید یہ میری بات سن کر مان لے اور اس گناہ سے باز آجائے۔ اور یہ احتمال بھی ہو کہ شاید یہ میری بات نہ مانے، تو ایسے موقع میں بات کہہ دینا ضروری ہے۔ اس لئے کہ کیا پتہ کہ تمہارے کہنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ

اس کے دل میں یہ بات اتار دے اور اس کے نتیجے میں اس کی اصلاح ہو جائے، اور اگر تمہارے کہنے کے نتیجے میں اس کی اصلاح ہو گئی تو پھر اس کی آئندہ ساری عمر کی نیکیاں تمہارے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

اگر تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو

اور اگر یہ خیال ہے کہ یہ شخص جو گناہ کے اندر مبتلا ہے، اگر میں اس کو روکوں گا تو یہ شخص اگرچہ شریعت کے حکم کی توہین تو نہیں کرے گا، لیکن مجھے تکلیف پہنچائے گا۔ تو اس صورت میں اپنے آپ کو اس تکلیف سے بچانے کے لئے اس کو گناہ سے نہ روکنا جائز ہے، اور اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض نہیں رہے گا۔ البتہ افضل پھر بھی یہ ہے کہ اس سے کہہ دے، اور یہ سوچے کہ اگرچہ مجھے تکلیف پہنچائے گا اور میرے پیچھے پڑ جائے گا، لیکن میں حق بات اس کو کہہ دوں۔ لہٰذا اس وقت بات کہہ دینا افضل ہے، اور جو تکلیف پہنچے اس کو برداشت کرنا چاہئے۔ بہر حال، مندرجہ بالا تین صورتیں یاد رکھنے کی ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ سامنے والا شخص میری بات سننے اور ماننے کے بجائے شریعت کے حکم کی توہین کرے گا، وہاں امر بالمعروف نہ کرے، بلکہ خاموش رہے۔ اور جس جگہ دونوں احتمال برابر ہوں کہ شاید میری بات مان لے گا، یا شاید توہین پر اتر آئے گا، اس جگہ پر بات کہنا ضروری ہے۔ اور جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا تو وہاں شریعت کی بات کہنا ضروری نہیں، البتہ افضل یہ ہے کہ شریعت کی بات کہہ دے، اور اس تکلیف کو برداشت کرے۔ یہ خلاصہ ہے جسے ہر شخص کو یاد رکھنا چاہئے۔

ٹوکتے وقت نیت درست ہونی چاہئے

پھر شریعت کی بات کہتے وقت ہمیشہ نیت درست رکھنی چاہئے۔ اور یہ سمجھنا نہیں چاہئے کہ ہم مصلح اور بڑے ہیں۔ اور ہم دیندار اور متقی ہیں، دوسرا شخص فاسق اور فاجر ہے، اور ہم اس کی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، ہم خدائی فوجدار اور داروغہ ہیں۔ اس لئے کہ اس نیت کے ساتھ اگر شریعت کی بات کہی جائے گی تو اس کا فائدہ نہ سننے والے کو پہنچے گا اور

نہ تمہیں فائدہ ہوگا، اس لئے کہ اس نیت کے ساتھ تمہارے دل میں تکبر اور عجب پیدا ہوگیا جس کے نتیجے میں یہ عمل اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول نہیں رہا اور تمہارا یہ عمل بے کار اور اکارت ہوگیا اور ساری محنت ضائع ہوگئی۔ اور سننے والے کے دل میں بھی تمہاری بات کہنے کا اثر نہیں ہوگا۔ اس لئے روکتے وقت نیت کا درست ہونا ضروری ہے۔

بات کہنے کا طریقہ درست ہونا چاہئے

اسی طرح جب بھی دوسرے سے شریعت کی بات کہنی ہو تو صحیح طریقے سے بات کہو۔ پیار و محبت اور خیر خواہی کے ساتھ بات کہو، تاکہ اس کی دل شکنی کم سے کم ہو۔ اور اس انداز سے بات کہو کہ اس کی سبکی نہ ہو، اور لوگوں کے سامنے اس کی بے عزتی نہ ہو۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جملہ فرمایا کرتے تھے جو میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار ہم نے سنا، وہ یہ کہ حق بات حق طریقے اور حق نیت سے جب بھی کہی جائے گی وہ کبھی نقصان دہ نہیں ہوگی، لہٰذا جب بھی تم یہ دیکھو کہ حق بات کہنے کے نتیجے میں کہیں لڑائی جھگڑا ہوگیا یا نقصان ہوگیا یا فساد ہوگیا تو سمجھ لو کہ ان تین باتوں میں سے ضرور کوئی بات ہوگی، یا تو بات حق نہیں تھی اور خواہ مخواہ اس کو حق سمجھ لیا تھا۔ یا بات تو حق تھی لیکن نیت درست نہیں تھی، اور بات کہنے کا مقصد دوسرے کی اصلاح نہیں تھی بلکہ اپنی بڑائی جتانی مقصود تھی، یا دوسرے کو ذلیل کرنا مقصود تھا، جس کی وجہ سے بات کے اندر اثر نہیں تھا۔ یا یہ کہ بات بھی حق تھی، نیت بھی درست تھی، لیکن طریقہ حق نہیں تھا، اور بات ایسے طریقے سے کہی جیسے دوسرے کو لٹھ مار دیا۔ کلمہ حق کوئی لٹھ نہیں ہے کہ اٹھا کر کسی کو مار دو، بلکہ حق کلمہ کہنا محبت اور خیر خواہی والا کام ہے جو حق طریقے سے انجام پائے گا۔ جب خیر خواہی میں کمی ہو جاتی ہے تو پھر حق بات سے بھی نقصان پہنچ جاتا ہے۔

نرمی سے سمجھانا چاہئے

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کی اصلاح کے لئے بھیجا اور فرعون کون تھا؟ خدائی کا دعویدار تھا، جو یہ کہتا تھا کہ:

اَنَا رَبُّکُمُ الاَعْلٰی (النازعات:۲۴)

یعنی میں تمہارا بڑا پروردگار ہوں، گویا کہ وہ فرعون بدترین کافر تھا۔ لیکن جب یہ دونوں پیغمبر فرعون کے پاس جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَقُولاَ لَهُ قَولاً لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَو يَخشٰى (سورۃ طٰہٰ:۴۴)

یعنی تم دونوں فرعون کے پاس جا کر نرم بات کہنا، شاید کہ وہ نصیحت مان لے یا ڈر جائے۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے مصلح نہیں ہو سکتے، اور تمہارا مقابل فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہو سکتا، چاہے وہ کتنا ہی بڑا فاسق و فاجر اور مشرک ہو، اس لئے کہ وہ تو خدائی کا دعویدار تھا۔ اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا جا رہا ہے کہ جب فرعون کے پاس جاؤ تو ذرا نرمی سے بات کرنا، سختی سے بات مت کرنا۔ اس کے ذریعہ ہمارے لئے قیامت تک یہ پیغمبرانہ طریقہ کار مقرر فرما دیا کہ جب بھی کسی سے دین کی بات کہیں تو نرمی سے کہیں، سختی سے نہ کہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کا انداز

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ اور صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا، اور آکر جلدی جلدی اس نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد عجیب و غریب دعا کی کہ:

اَللّٰهُمَّ ارحَمنِي وَمُحَمَّدًا وَلاَ تَرحَم مَعَنَا اَحَدًا

اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے علاوہ کسی پر رحم نہ فرما۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ دعا سنی تو فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بہت تنگ اور محدود کر دیا کہ صرف دو آدمی پر رحم فرما، اور کسی پر رحم نہ فرما، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسی دیہاتی نے مسجد کے صحن میں بیٹھ کر پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے جب یہ دیکھا کہ وہ مسجد میں پیشاب کر رہا ہے تو صحابہ کرامؓ جلدی سے اس کی طرف دوڑے، اور قریب تھا کہ اس پر ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دیتے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاَ تُزرِمُوهُ (مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول)

یعنی اس کا پیشاب بند مت کرو۔ جو کام کرنا تھا، وہ اس نے کرلیا۔ اور پورا پیشاب کرنے دو، اس کو مت ڈانٹو۔ اور فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُم مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ

یعنی تمہیں لوگوں کے لئے خیر خواہی کرنے والا اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، دشواری کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، لہٰذا اب جا کر مسجد کو پانی کے ذریعہ صاف کر دو۔ پھر آپ نے اس کو بلا کر سمجھایا کہ یہ مسجد اللہ کا گھر ہے، اس قسم کے کاموں کے لئے نہیں ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ عمل درست نہیں، آئندہ ایسا مت کرنا۔ (مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول)

انبیاء علیہم السلام کا انداز تبلیغ

اگر ہمارے سامنے کوئی شخص اس طرح مسجد میں پیشاب کر دے تو شاید ہم لوگ تو اس کی تکہ بوٹی کر دیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ شخص دیہاتی ہے اور ناواقف ہے، لاعلمی اور ناواقفی کی وجہ سے اس نے یہ حرکت کی ہے۔ لہٰذا اس کو ڈانٹنے کا یہ موقع نہیں ہے بلکہ نرمی سے سمجھانے کا موقع ہے۔ چنانچہ آپ نے نرمی سے اس کو سمجھا دیا۔ انبیاء علیہم السلام کی یہی تعلیم ہے۔ اگر کوئی مخالف گالی بھی دیتا ہے تو انبیاء علیہم السلام اس کے جواب میں گالی نہیں دیتے، قرآن کریم میں مشرکین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

إِنَّا لَنَرٰكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِينَ (الاعراف:٦٦)

یعنی ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں کہ آپ بیوقوف ہیں اور ہمارے خیال میں آپ جھوٹے ہیں۔ آج اگر کوئی شخص کسی عالم یا مقرر یا خطیب کو یہ کہہ دے کہ تم بیوقوف اور جھوٹے ہو، تو جواب میں اس کو یہ کہہ دے گا کہ تو بیوقوف، تیرا باپ بیوقوف، لیکن پیغمبر نے جواب میں فرمایا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلٰكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ

اے میری قوم، میں بیوقوف نہیں ہوں، بلکہ میں تو رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ دیکھئے: گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا جا رہا ہے، بلکہ محبت اور پیار کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ ایک اور قوم نے اپنے پیغمبر سے کہا:

اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (الاعراف:٦٠)

تم تو کھلے گمراہ نظر آ رہے ہو۔ جواب میں وہ پیغمبر فرماتے ہیں۔ اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں، بلکہ میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ یہ پیغمبروں کی اصلاح ودعوت کا طریقہ ہے۔ لہٰذا ہماری باتیں جو بے اثر ہو رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو بات حق نہیں ہے یا طریقہ حق نہیں ہے یا نیت حق نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے یہ ساری خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ دہلی کی جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے، وعظ کے دوران ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: مولانا! میرے ایک سوال کا جواب دیدیں، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے پوچھا: کیا سوال ہے؟ اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ عین وعظ کے دوران بھرے مجمع میں یہ بات اس نے ایسے شخص سے کہی جو نہ صرف یہ کہ بڑے عالم تھے بلکہ شاہی خاندان کے شہزادے تھے۔ ہم جیسا کوئی ہوتا تو فوراً غصہ آ جاتا اور نہ جانے اس کا کیا حشر کرتا۔ اور ہم نہ کرتے تو ہمارے معتقدین اس کی تکہ بوٹی کر ڈالتے کہ یہ ہمارے شیخ کو ایسا کہتا ہے، لیکن حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی: آپ کو غلط اطلاع ملی ہے، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اب بھی دہلی میں موجود ہیں۔ اس کی گالی کا اس طرح جواب دیا اور اس کو مسئلہ نہیں بنایا۔

بات میں تاثیر کیسے پیدا ہو؟

لہٰذا جب کوئی اللہ کا بندہ اپنی نفسانیت کو فنا کر کے اپنے آپ کو مٹا کر اللہ کے لئے بات کرتا ہے اور اس وقت دنیا والوں کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کے سامنے اس کا اپنا کوئی مفاد نہیں ہے اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہے اللہ کے لئے کہہ رہا ہے تو پھر اس کی بات میں اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک وعظ میں ہزارہا افراد ان کے ہاتھ پر توبہ کرتے تھے۔ آج ہم لوگوں نے اول تو تبلیغ ودعوت چھوڑ دی، اور اگر کوئی کرتا

بھی ہے تو ایسے طریقے سے کرتا ہے جو لوگوں کو براشیختہ کرنے کا ہوتا ہے، جس سے صحیح معنی میں فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس لئے یہ تین باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ اول بات حق ہو۔ دوسرے نیت حق ہو۔ تیسرے طریقہ حق ہو۔ لہٰذا حق بات حق طریقے سے حق نیت سے کہی جائے گی تو وہ کبھی نقصان دہ نہیں ہوگی، بلکہ اس کا فائدہ ہی پہنچے گا۔

اجتماعی تبلیغ کا حق کس کو ہے؟

تبلیغ کی دوسری قسم ہے "اجتماعی تبلیغ" یعنی لوگوں کو جمع کر کے کوئی وعظ کرنا، تقریر کرنا، یا ان کو نصیحت کرنا۔ اس کو اجتماعی دعوت و تبلیغ کہتے ہیں، یہ اجتماعی تبلیغ و دعوت فرض عین نہیں ہے، بلکہ فرض کفایہ ہے، لہٰذا اگر کچھ لوگ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے کام کریں تو باقی لوگوں سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن یہ "اجتماعی تبلیغ" کرنا ہر آدمی کا کام نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے کھڑا ہو جائے، اور وعظ کرنا شروع کر دے، بلکہ اس کے لئے مطلوب علم کی ضرورت ہے، اگر اتنا علم نہیں ہے تو اس صورت میں اجتماعی تبلیغ کا انسان مکلف نہیں ہے۔ اور کم از کم اتنا علم ہونا ضروری ہے، جس کے نتیجے میں وعظ کے دوران غلط بات کہنے کا اندیشہ نہ ہو، تب وعظ کہنے کی اجازت ہے، ورنہ اجازت نہیں، یہ وعظ و تبلیغ کا معاملہ بڑا نازک ہے، جب آدمی یہ دیکھتا ہے کہ اتنے سارے لوگ بیٹھ کر میری باتیں سن رہے ہیں تو خود اس کے دماغ میں بڑائی آ جاتی ہے۔ اب خود ہی تقریر اور وعظ کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگ اس دھوکہ میں آ جاتے ہیں کہ یہ شخص علم جاننے والا ہے۔ اور بڑا نیک آدمی ہے، اور جب لوگ دھوکے میں آ گئے اب خود بھی دھوکے آ گیا کہ اتنی ساری مخلوق، اتنے سارے لوگ مجھے عالم کہہ رہے ہیں، اور مجھے اچھا اور نیک کہہ رہے ہیں، تو ضرور میں کچھ ہوں گا، تبھی تو یہ ایسا کہہ رہے ہیں ورنہ یہ سارے لوگ پاگل تو نہیں ہیں بہر حال، وعظ اور تقریر کے نتیجے میں آدمی اس فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس لئے ہر شخص کو تقریر اور وعظ نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر وعظ کہنے کے لئے کوئی بڑا کسی جگہ بٹھا دے تو اس وقت بڑوں کی سرپرستی میں اگر کام کرے، اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتا رہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس فتنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔

درس قرآن اور درس حدیث دینا

وعظ اور تقریر پھر بھی ذرا ہلکی بات ہے، لیکن اب تو درس قرآن اور درس حدیث دینے تک نوبت پہنچ گئی ہے، جس کے دل میں بھی درس قرآن دینے کا خیال آیا، بس اس نے درس قرآن دینا شروع کر دیا۔ حالانکہ قرآن کریم وہ چیز ہے، جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قال فی القران بغیر علم فلیتوا مقعدہ من النار

جو شخص قرآن کریم کی تفسیر میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ شخص اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا:

من قال فی کتاب اللہ عز و جل برایہ فاصاب فقد اخطاء

(ابوداؤد، کتاب العلم، باب الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم)

جو شخص اللہ جل شانہ کی کتاب میں اپنی رائے سے کرے اگر صحیح بھی کرے تو بھی اس نے غلط کام کیا اتنی سنگین وعید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اس کے باوجود آج یہ حال ہے کہ اگر کسی شخص کو کتابوں کے مطالعے کے ذریعہ دین کی کچھ باتیں معلوم ہو گئیں تو اب وہ عالم بن گیا، اور اس نے درس قرآن دینا شروع کر دیا، حالانکہ یہ درس قرآن اور درس حدیث ایسا عمل ہے کہ بڑے بڑے علماء اس سے تھراتے ہیں کہ چہ جائیکہ عام آدمی قرآن کریم کا درس دے اور اس کی تفسیر بیان کرے۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور تفسیر قرآن کریم

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عمر کے ستر پچھتر سال دین کے علوم پڑھنے پڑھانے میں گزارے، آخر عمر میں جا کر "معارف القرآن" کے نام سے تفسیر تالیف فرمائی، اس کے بارے میں آپ مجھ سے بار بار فرماتے تھے کہ معلوم نہیں کہ میں اس قابل تھا کہ تفسیر پر قلم اٹھاتا، میں تو حقیقت میں تفسیر کا اہل نہیں ہوں۔ لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کو میں نے آسان الفاظ میں تعبیر کر دیا

ہے۔ ساری عمر یہ فرماتے رہے، بڑے بڑے علماء تفسیر پر کلام کرتے ہوئے تھراتے رہے۔

امام مسلمؒ اور تشریح حدیث

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، جنہوں نے ''صحیح مسلم'' کے نام سے صحیح احادیث کا ایک مجموعہ جمع فرما دیا ہے، اس کتاب میں صحیح احادیث تو جمع کر دیں۔ لیکن حدیث کی تشریح میں ایک لفظ کہنا بھی گوارا نہیں کیا، حتیٰ کہ اپنی کتاب میں ''باب'' بھی نہیں قائم کئے، جیسے دوسرے محدثین نے ''نماز کا باب، طہارت کا باب'' وغیرہ کے عنوان سے باب قائم فرمائے ہیں۔ صرف اس خیال سے باب قائم نہیں فرمائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تشریح میں کوئی بات کہہ دوں، اس میں مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر میری پکڑ ہو جائے۔ بس یہ فرما دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں جمع کر رہا ہوں۔ اب علماء ان احادیث سے جو مسئلے چاہیں مستنبط کر لیں۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ یہ کتنا نازک کام ہے، لیکن آج کل جس کا دل چاہتا ہے درس دینا شروع کر دیتا ہے، معلوم ہوا کہ فلاں جگہ فلاں صاحب نے درس قرآن دینا شروع کر دیا ہے۔ فلاں صاحب نے درس حدیث دینا شروع کر دیا۔ حالانکہ نہ علم ہے، اور نہ درس دینے کی شرائط ہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج طرح طرح کے فتنے پھیل رہے ہیں، فتنوں کا بازار گرم ہے۔

لہٰذا کسی کے درس قرآن اور درس حدیث میں شریک ہونے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لینا چاہئے کہ جو شخص درس دے رہا ہے وہ واقعۃً درس دینے کا اہل ہے یا نہیں؟ اس کے پاس علم مکمل ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ درس دینا ہر ایک کے بس کا کام نہیں بہر حال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جس شخص کے پاس کما حقہ علم نہ ہو۔ اس کو اجتماعی تبلیغ اور وعظ و تقریر نہیں کرنی چاہئے، البتہ ایسے شخص کو انفرادی تبلیغ میں حصہ لینا چاہئے۔

کیا بے عمل شخص وعظ و نصیحت نہ کرے؟

ایک یہ بات مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص خود کسی غلطی کے اندر مبتلا ہے تو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو اس غلطی سے روکے، مثلاً ایک شخص نماز با جماعت کا پوری طرح پابند

نہیں ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ایسا شخص دوسروں کو بھی نماز باجماعت کی تلقین نہ کرے، جب تک کہ خود نماز باجماعت کا پابند نہ ہو جائے۔ یہ بات درست نہیں۔ بلکہ حقیقت میں بات الٹی ہے، وہ یہ کہ جو شخص دوسروں کو نماز باجماعت کی تلقین کرتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ خود بھی نماز باجماعت کی پابندی کرے، نہ یہ کہ جو شخص نماز باجماعت کا پابند نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو تلقین نہ کرے۔ عام طور پر لوگوں میں یہ آیت مشہور ہے کہ:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (سورہ صف:۲)

یعنی اے ایمان والو، وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بعض لوگ اس آیت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کوئی کام نہیں کرتا تو وہ شخص دوسروں کو بھی اس کی تلقین نہ کرے، مثلاً ایک شخص صدقہ نہیں دیتا تو وہ دوسروں کو بھی صدقہ کی تلقین نہ کرے۔ یا مثلاً ایک شخص سچ نہیں بولتا تو وہ دوسروں کو بھی سچ بولنے کی تلقین نہ کرے۔ آیت کا یہ مطلب لینا درست نہیں۔ بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو بات اور جو چیز تمہارے اندر موجود نہیں ہے، تم اس کا دعویٰ مت کرو کہ یہ بات میرے اندر موجود ہے۔ مثلاً اگر تم نماز باجماعت کے پابند نہیں ہو تو دوسروں سے یہ مت کہو کہ میں نماز باجماعت کا پابند ہوں۔ یا تم اگر نیک اور متقی نہیں ہو تو دوسروں کے سامنے یہ دعویٰ مت کرو کہ میں نیک اور متقی ہوں۔ یا مثلاً تم نے حج نہیں کیا تو یہ مت کہو کہ میں نے حج کر لیا ہے۔ اس آیت کے یہ معنی ہیں۔ یعنی جو کام تم کرتے نہیں ہو، دوسروں کے سامنے اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو؟ آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کام تم نہیں کرتے تو دوسروں سے اس کی تلقین بھی مت کرو اس لئے کہ بعض اوقات دوسروں کو کہنے سے انسان کو خود فائدہ ہو جاتا ہے، جب انسان دوسروں کو کہتا ہے، اور خود عمل نہیں کرتا تو انسان کو شرم آتی ہے، اور اس شرم کی وجہ سے انسان خود بھی عمل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

دوسروں کو نصیحت کرنے والا خود بھی عمل کرے

قرآن کریم کی ایک دوسری آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (سورہ بقرہ:۴۴)

کیا تم دوسروں کو تو نیکی کی تلقین کرتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، اور خود اس نصیحت پر عمل نہیں کرتے، لہٰذا جب تم دوسروں کو کسی عمل کی نصیحت کر رہے ہو تو خود بھی عمل کرو، نہ یہ کہ چونکہ خود عمل نہیں کر رہے ہو، لہٰذا دوسروں کو بھی نصیحت نہ کرو، یہ مطلب نہیں ہے بہر حال، دوسروں کو نصیحت کرنے میں اس بات کی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے کہ میں خود اس پر کاربند نہیں ہوں، بلکہ بزرگوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ: من نکردم شما حذر بکنید، میں نے پرہیز نہیں کیا، لیکن تم پرہیز کرلو۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات جب مجھے اپنے اندر کوئی عیب محسوس ہوتا ہے تو میں اس عیب کے بارے میں وعظ کہہ دیتا ہوں، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میری اصلاح فرما دیتے ہیں۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ایک شخص وہ ہے جو خود تو عمل نہیں کرتا، لیکن دوسروں کو نصیحت کرتا ہے، اور ایک آدمی وہ ہے جو خود بھی عمل کرتا ہے، اور دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرتا ہے، دونوں کی نصیحت کی تاثیر میں فرق ہے، جو شخص عمل کر کے نصیحت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بات میں اثر فرما دیتے ہیں، وہ بات دلوں میں اتر جاتی ہے، اس سے انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آتا ہے، اور بے عملی کے ساتھ جو نصیحت کی جاتی ہے، اس کا اثر سننے والوں پر بھی کماحقہ نہیں ہوتا، زبان سے بات نکلتی ہے، اور کانوں سے ٹکرا کر واپس آ جاتی ہے، دلوں میں نہیں اترتی لہٰذا عمل کی کوشش ضرور کرنی چاہئے، مگر یہ چیز نصیحت کی بات کہنے سے مانع ہونی چاہئے۔

مستحب کے ترک پر نکیر درست نہیں

بہر حال، اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات میں کوتاہی کر رہا ہو، یا کسی واضح گناہ میں مبتلا ہو تو اس کو تبلیغ کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا فرض ہے۔ جس کی تفصیل اوپر عرض کردی۔ شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جو فرض و واجب نہیں ہیں، بلکہ مستحب ہیں۔ مستحب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اس کو کرے گا تو ثواب ملے گا، نہیں کرے گا تو کوئی گناہ نہیں۔ یا شریعت کے آداب ہیں جو علماء کرامؒ بتاتے ہیں۔ ان مستحبات اور آداب کے بارے میں حکم یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی ترغیب تو دی جائے گی کہ اس طرح کرلو تو اچھی بات

ہے، لیکن اس کے نہ کرنے پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص اس مستحب کو انجام نہیں دے رہا ہے تو آپ کے لئے اس کو طعنہ دینے یا ملامت کرنے کا کوئی جواز نہیں کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ ہاں! اگر کوئی تمہارا شاگرد ہے، یا بیٹا ہے، یا تمہارے زیر تربیت ہے مثلاً تمہارا مرید ہے تو بے شک اس کو کہہ دینا چاہئے کہ فلاں وقت میں تم نے فلاں مستحب عمل چھوڑ دیا تھا، یاں فلاں ادب کا لحاظ نہیں کیا تھا، اس کو کرنا چاہئے۔ لیکن اگر ایک عام آدمی کوئی مستحب عمل چھوڑ رہا ہے تو اس صورت میں آپ کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ بعض لوگ مستحبات کو واجبات کا درجہ دے کر لوگوں پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں کہ تم نے یہ کام کیوں چھوڑا؟ حالانکہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تو یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم نے فلاں مستحب کام کیوں نہیں کیا تھا؟ نہ فرشتے سوال کریں گے، لیکن تم خدائی فوجدار بن کر اعتراض کر دیتے ہو کہ یہ مستحب کام تم نے کیوں چھوڑ دیا؟ یہ عمل کسی طرح بھی درست نہیں۔

آذان کے بعد دعا پڑھنا

مثلاً آذان کے بعد دعا پڑھنا مستحب ہے:

اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذى وعدته انك لا تخلف الميعاد

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس دعا کی ترغیب ہے کہ ہر مسلمان کو آذان کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ یہ بڑی برکت کی دعا ہے۔ اس لئے اپنے بچوں کو اور اپنے گھر والوں کو اس کی تعلیم دینی چاہئے کہ یہ دعا پڑھا کریں۔ اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو بھی اس دعا کے پڑھنے کی ترغیب دینی چاہئے۔ لیکن اگر ایک شخص نے آذان کے بعد یہ دعا نہیں پڑھی، اب آپ اس پر اعتراض شروع کر دیں کہ تم نے یہ دعا کیوں نہیں پڑھی؟ اور اس پر نکیر شروع کر دیں، یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ نکیر ہمیشہ فرض کے چھوڑنے پر یا گناہ کے ارتکاب پر کی جاتی ہے، مستحب کام کے ترک پر کوئی نکیر نہیں ہو سکتی۔

آداب کے ترک پر نکیر جائز نہیں

بعض اعمال ایسے ہیں جو شرعی اعتبار سے مستحب بھی نہیں ہیں، اور قرآن و حدیث میں ان کو

مستحب قرار نہیں دیا گیا۔ البتہ بعض علماء نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے۔ مثلاً بعض علماء نے یہ ادب بتایا ہے کہ جب کھانا کھانے کے لئے ہاتھ دھوئے جائیں تو ان کو تولیہ یا رومال وغیرہ سے پونچھا نہ جائے۔ اسی طرح یہ ادب بتایا کہ دستر خوان پر پہلے تم بیٹھ جاؤ، کھانا بعد میں رکھا جائے، اگر کھانا پہلے لگا دیا گیا، تم بعد میں پہنچے تو یہ کھانے کے ادب کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ آداب کہیں بھی موجود نہیں ہیں، لیکن علماء کرامؒ نے یہ کھانے کے آداب بتائے ہیں، ان کو مستحب کہنا بھی مشکل ہے۔ اب اگر ایک شخص نے ان آداب کا لحاظ نہ کیا مثلاً اس نے کھانے کے لئے ہاتھ دھو کر تولیہ سے پونچھ لئے، یا دستر خوان پر کھانا پہلے لگا دیا گیا اور وہ شخص بعد میں جا کر بیٹھا تو اب اس شخص پر اعتراض کرنا اور اس کو یہ کہنا کہ تم نے شریعت کے خلاف یا سنت کے خلاف کام کیا۔ یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ آداب نہ تو شرعاً سنت ہیں اور نہ مستحب ہیں۔ اس لئے ان آداب کے ترک کرنے والے پر اعتراض اور نکیر کرنا درست نہیں۔ ان معاملات کے اندر ہمارے معاشرے میں بہت افراط اور تفریط پائی جاتی ہے اور بعض اوقات چھوٹی چھوٹی بات پر بڑی نکیر کی جاتی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں۔

چار زانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

کھانے کے وقت چار زانوں ہو کر بیٹھنا بھی جائز ہے، ناجائز نہیں، اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن یہ نشست تواضع کے اتنے قریب نہیں ہے، جتنی دو زانوں بیٹھ کر کھانے یا ایک ٹانگ کھڑی کر کے کھانے کی نشست تواضع کے قریب ہے۔ لہٰذا عادت تو اس بات کی ڈالنی چاہئے کہ آدمی دو زانوں بیٹھ کر کھائے، یا ایک ٹانگ کھڑی کر کے کھائے، چار زانوں نہ بیٹھے، لیکن اگر کسی سے اس طرح نہیں بیٹھا جاتا، یا کوئی شخص اپنے آرام کے لئے چار زانوں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ چار زانوں بیٹھ کر کھانا ناجائز ہے، یہ خیال درست نہیں۔ لہٰذا جب چار زانوں بیٹھ کر کھانا جائز ہے تو اس طرح بیٹھ کر کھانے والے پر نکیر کرنا بھی درست نہیں۔

میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

میز کرسی پر کھانا بھی کوئی گناہ اور ناجائز نہیں۔ لیکن زمین پر بیٹھ کر کھانے میں سنت کی

اتباع کا ثواب بھی ہے، اور سنت سے زیادہ قریب بھی ہے۔ اس لئے حتی الامکان انسان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائے، اس لئے کہ جتنا سنت سے زیادہ قریب ہوگا اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی اور اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ اتنے ہی فوائد زیادہ حاصل ہوں گے۔ بہرحال، میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، گناہ نہیں ہے۔ لہٰذا میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے والے پر نکیر کرنا درست نہیں۔

زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو وجہ سے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، ایک تو یہ کہ اس زمانہ میں زندگی سادہ تھی، میز کرسی کا رواج ہی نہیں تھا۔ اس لئے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ نیچے بیٹھ کر کھانے میں تواضع زیادہ ہے، اور کھانے کی توقیر بھی زیادہ ہے۔ آپ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی اور زمین پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی، دونوں میں زمین آسمان کا فرق محسوس ہو گا۔ اس لئے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں طبیعت کے اندر تواضع زیادہ ہوگی، عاجزی ہوگی، مسکنت ہوگی، عبدیت ہوگی۔ اور میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں۔ اس لئے حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ آدمی زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائے۔ لیکن اگر کہیں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کا موقع آجائے تو اس طرح کھانے میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر اتنا تشدد کرنا بھی ٹھیک نہیں، جیسا کہ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو حرام اور ناجائز ہی سمجھتے ہیں اور اس پر بہت زیادہ نکیر کرتے ہیں۔ یہ عمل بھی درست نہیں۔

بشرطیکہ اس سنت کا مذاق نہ اُڑایا جائے

اور یہ جو میں نے کہا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے زیادہ قریب ہے اور زیادہ افضل ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، یہ بھی اس وقت ہے جب اس سنت کو "معاذ اللہ" مذاق نہ بنایا جائے، لہٰذا اگر کسی جگہ پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر نیچے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا گیا تو

ب اس سنت کا مذاق اڑائیں گے تو ایسی جگہ زمین پر کھانے کا اصرار بھی درست نہیں۔

ہوٹل میں زمین پر کھانا کھانا

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن سبق میں ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن میں اور میرے کچھ رفقاء دیوبند سے دہلی گئے، جب دہلی پہنچے تو وہاں کھانا کھانے کی ضرورت پیش آئی، چونکہ کوئی اور جگہ کھانے کی نہیں تھی اس لئے ایک ہوٹل میں کھانے کے لئے چلے گئے، اب ظاہر ہے کہ ہوٹل میں میز کرسی پر کھانے کا انتظام ہوتا ہے اس لئے ہمارے دو ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھائیں گے، کیونکہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ چاہا کہ ہوٹل کے اندر زمین پر اپنا رومال بچھا کر وہاں بیرے سے کھانا منگوائیں، حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں بلکہ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھالیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میز کرسی پر کھانا کیوں کھائیں؟ جب زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت کے زیادہ قریب ہے تو پھر زمین پر بیٹھ کر کھانے سے کیوں ڈریں اور کیوں شرمائیں۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ شرمانے اور ڈرنے کی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں اس طرح زمین پر اپنا رومال بچھا کر بیٹھو گے تو لوگوں کے سامنے اس سنت کا تم مذاق بناؤ گے، اور لوگ اس سنت کی توہین کے مرتکب ہوں گے۔ اور سنت کی توہین کا ارتکاب کرنا صرف گناہ ہی نہیں بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔

ایک سبق آموز واقعہ

پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، ایک بہت بڑے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، جو ''سلیمان اعمش'' کے نام سے مشہور ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ بھی ہیں۔ تمام احادیث کی کتابیں ان کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں، عربی زبان میں ''اعمش'' چندھے کو کہا جاتا ہے۔ جس کی آنکھوں میں چندھیاہٹ ہو، جس میں پلکیں گر جاتی ہیں اور روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی

ہیں، چونکہ ان کی آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں، اس وجہ سے ''اعمش'' کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کے پاس ایک شاگرد آ گئے۔ وہ شاگرد اعرج یعنی لنگڑے تھے، پاؤں سے معذور تھے، شاگرد بھی ایسے تھے جو ہر وقت استاذ سے چمٹے رہنے والے تھے، جیسے بعض شاگردوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وقت استاذ سے چمٹے رہتے ہیں۔ جہاں استاذ جارہے ہیں وہاں شاگرد بھی ساتھ ساتھ جارہے ہیں، یہ بھی ایسے تھے۔ چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ جب بازار جاتے تو یہ ''اعرج'' شاگرد بھی ساتھ ہو جاتے، بازار میں لوگ فقرے کستے کہ دیکھو استاذ ''چندھا'' ہے اور شاگرد ''لنگڑا'' ہے، چنانچہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ جب ہم بازار جایا کریں تو تم ہمارے ساتھ مت جایا کرو، شاگرد نے کہا کیوں؟ میں آپ کا ساتھ کیوں چھوڑ دوں؟ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم بازار جاتے ہیں تو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ استاد چندھا ہے اور شاگرد لنگڑا ہے۔ شاگرد نے کہا:

مَالَنَا نُوجَرُ وَيَأثَمُونَ

حضرت! جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں، ان کو مذاق اڑانے دیں۔ اس لئے کہ اس مذاق اڑانے کے نتیجے میں ہمیں ثواب ملتا ہے اور ان کو گناہ ہوتا ہے۔ اس میں ہمارا تو کوئی نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہے۔ حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ:

نَسلَم وَيَسلَمُونَ خَيراً مِن اَن نُوجَرَ وَيَاثَمُونَ

ارے بھائی! وہ بھی گناہ سے بچ جائیں اور ہم بھی گناہ سے بچ جائیں، یہ بہتر ہے اس سے کہ ہمیں ثواب ملے اور ان کو گناہ ہو۔ میرے ساتھ جانا کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں، اور نہ جانے میں کوئی نقصان بھی نہیں۔ البتہ فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس گناہ سے بچ جائیں گے۔ اس لئے آئندہ میرے ساتھ بازار مت جایا کرو۔

یہ ہے دین کی فہم، اب بظاہر تو شاگرد کی بات صحیح معلوم ہو رہی تھی کہ اگر لوگ مذاق اڑاتے ہیں تو اڑایا کریں لیکن جس شخص کی مخلوق خدا پر شفقت کی نگاہ ہوتی ہے، وہ مخلوق کی غلطیوں پر اتنی نظر نہیں ڈالتا، بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ جتنا ہو سکے میں مخلوق کو گناہ سے بچا لوں، یہ بہتر ہے اس لئے انہوں نے بازار جانا چھوڑ دیا، بہرحال، جس جگہ یہ اندیشہ ہو کہ لوگ اور

زیادہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کریں گے تو اس صورت میں کچھ نہ کہنا بہتر ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد یاد رکھنے کے لائق ہے، آپ نے فرمایا:

"کَلِّمُوا النَّاسَ بِمَا یَعرِفُونَ اَتُحِبُّونَ اَن یُّکَذَّبَ اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ"

یعنی جب لوگوں کے سامنے دین کی بات کہو تو ایسے انداز سے کہو جس سے لوگوں کے اندر بغاوت پیدا نہ ہو، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے؟ مثلاً دین کی کوئی بات بے موقع کہہ دی جس کے نتیجے میں تکذیب کی نوبت آگئی، ایسے موقع پر دین کی بات کہنا ٹھیک نہیں۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے آج کونسا مسلمان ناواقف ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تبلیغ اور دین کی دعوت کا جذبہ آگ کی طرح ان کے سینے میں بھر دیا تھا، جہاں بیٹھتے بس دین کی بات شروع کر دیتے، اور دین کا پیغام پہنچاتے۔ ان کا واقعہ کسی نے سنایا کہ ایک صاحب ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے، کافی دن تک آتے رہے، ان صاحب کی ڈاڑھی نہیں تھی، جب ان کو آتے ہوئے کافی دن ہو گئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ اب یہ مانوس ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ایک دن حضرت نے ان سے کہہ دیا کہ بھائی صاحب، ہمارا دل چاہتا ہے کہ تم بھی اس ڈاڑھی کی سنت پر عمل کرلو، وہ صاحب ان کی یہ بات سن کر کچھ شرمندہ سے ہو گئے۔ اور دوسرے دن سے آنا چھوڑ دیا، جب کئی دن گزر گئے تو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے ان کے بارے پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے آنا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت افسوس ہوا، اور لوگوں سے فرمایا کہ مجھ سے بڑی سخت غلطی ہوگئی، کہ میں نے کچے توے پر روٹی ڈال دی، یعنی ابھی توا گرم نہیں ہوا تھا، اور اس قابل نہیں ہوا تھا کہ اس پر روٹی ڈالی جائے، میں نے پہلے ہی روٹی ڈال دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان صاحب نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ اگر وہ آتے رہتے تو کم

19 ازکم دین کی باتیں کان میں پڑتی رہتیں، اور اس کا فائدہ ہوتا، اب ایک ظاہر بین آدمی تو یہ کہے گا کہ اگر ایک شخص غلط کام کے اندر مبتلا ہے تو اس سے زبان سے کہہ دو، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر ہاتھ سے برائی کو نہیں روک سکتے تو کم از کم زبان سے کہہ دو، لیکن آپ نے دیکھا کہ زبان سے کہنا الٹا مضر اور نقصان دہ ہو گیا۔ کیونکہ ابھی تک ذہن اس کے لئے سازگار اور تیار نہیں تھا، یہ باتیں حکمت کی ہوتی ہیں کہ کس وقت کیا بات کہنی ہے، اور کس انداز سے کہنی ہے، اور کتنی بات کہنی ہے۔ دین کی بات کوئی پتھر نہیں ہے کہ اس کو اٹھا کر پھینک دیا جائے، یا ایسا فریضہ نہیں ہے کہ اس کو سر سے ٹال دیا جائے، بلکہ یہ دیکھو اس بات کے کہنے سے کیا نتیجہ برآمد ہو گا؟ اس کا نتیجہ خراب تو نہیں ہو گا؟ اگر بات کہنے سے خراب اور برا نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت دین کی بات کہنے سے رک جانا چاہئے، اس وقت بات نہیں کہنی چاہئے۔ یہ بات بھی استطاعت نہ ہونے میں داخل ہے۔

خلاصہ

بہر حال، یہ بات کہ کس موقع پر کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ کس موقع پر آدمی سختی کرے؟ اور کس موقع پر نرمی کرے؟ یہ بات صحبت کے بغیر صرف کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کسی اللہ والے متقی بزرگ کے ساتھ رہ کر انسان نے رگڑے نہ کھائے ہوں، لہٰذا دوسرا انسان جب کوئی غلطی کرے تو اس کو ضرور ٹوکنا اور بتانا تو چاہئے لیکن اس کا لحاظ رکھنا اور جاننا ضروری ہے کہ کس موقع پر ٹوکنا فرض ہے اور کس موقع پر فرض نہیں؟ اور کس موقع پر کس طرح بات کرنی چاہئے؟ یہ سارے تبلیغ و دعوت کے احکام کا خلاصہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اور اس کے ذریعہ ہماری اور سب مسلمان، بہن بھائیوں کی اصلاح فرمائے۔ آمین۔

(وعظ دعوت و تبلیغ کے اصول از اصلاحی خطبات جلد ۸)

منکرات کو روکو! ورنہ......

منکرات کو روکنے کے تین درجات

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تم میں سے کوئی برائی ہوتی ہوئی دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اس برے کام کو اپنے ہاتھ سے تبدیل کر دے، یعنی اس برائی کو نہ صرف روکے بلکہ اس کو اچھائی میں تبدیل کر دے۔ اگر ہاتھ سے روکنے کی قدرت اور طاقت نہیں ہے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ زبان سے اس کو بدل دے۔ یعنی جو شخص اس برائی کا ارتکاب کر رہا ہے اس سے کہے کہ بھائی یہ کام جو تم کر رہے ہو یہ اچھا نہیں ہے۔ اس کے بجائے نیکی کی طرف آ جاؤ۔ اور اگر زبان سے بھی کہنے کی طاقت اور قدرت نہیں ہے تو اپنے دل سے اس برائی کو بدل دے۔ یعنی اپنے دل سے اس کام کو برا سمجھے۔ اس تیسرے درجے کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایمان کا بہت ضعیف اور کمزور درجہ ہے۔

خسارے سے بچنے کیلئے چار کام

سورۃ ''العصر'' میں اللہ تعالیٰ نے ایک عام قاعدہ بیان فرما دیا کہ: **والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملواالصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر**۔ زمانے کی قسم کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام انسان خسارے میں اور نقصان میں ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو یہ چار کام کر لیں، گویا کہ خسارے اور نقصان سے بچنے کے لئے چار کام ضروری ہیں۔ ایک ایمان لانا، دوسرے نیک کام کرنا، تیسرے ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت اور نصیحت کرنا اور چوتھے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت اور نصیحت کرنا۔ ''حق'' کے معنی یہ ہیں کہ تمام فرائض کو بجا لانے کی وصیت اور ''صبر'' کے معنی ہیں گناہوں سے بچنے کی نصیحت اور وصیت۔ لہٰذا خسارے سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے

ایمان اور عمل صالح کو کافی قرار نہیں دیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ دوسروں کو "حق" اور "صبر" کی وصیت اور نصیحت کرے۔ یہ کام بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا عمل صالح ضروری ہے۔

ایک عبادت گزار بندے کی ہلاکت کا واقعہ

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ قوم طرح طرح کے گناہ، معصیتوں اور منکرات میں مبتلا تھی، اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ فرمالیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ فلاں بستی والے گناہوں اور نافرمانیوں کے اندر مبتلا ہیں اور اس پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ تم جا کر اس بستی کو پلٹ دو۔ یعنی اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کردو۔ اور ان کو ہلاک کردو۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! آپ نے فلاں بستی کو الٹنے کا حکم دیا ہے اور اس میں کسی کا استثناء نہیں فرمایا۔ بلکہ پوری بستی کو تباہ کرنے کا آپ نے حکم دیا ہے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ اس بستی میں ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے ایک لمحے کے لئے بھی آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کی۔ اور ساری عمر اس نے اطاعت اور عبادت کے اندر گزار دی ہے۔ اور اس نے کوئی گناہ بھی نہیں کیا، تو کیا اس شخص کو بھی ہلاک کردیا جائے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! جاؤ اور پوری بستی کو بھی تباہ کردو، اور اس شخص کو بھی تباہ کردو۔ اس لئے کہ وہ شخص اپنی ذات میں بڑے نیک کام کرتا رہا۔ اور عبادت اور اطاعت میں مشغول رہا۔ لیکن کسی گناہ کو ہوتا ہوا دیکھ کر اس کے ماتھے پر کبھی شکن بھی نہیں آئی۔ اور کسی گناہ کو برا بھی نہیں سمجھا اور اس کا چہرہ بدلا بھی نہیں اور ان گناہوں کو روکنے کے لئے نہ تو کوئی اقدام کیا لہٰذا اس شخص کو بھی اس کی قوم کے ساتھ تباہ کردو۔

بے گناہ بھی عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة (۲۵: سورۃ الانفال) یعنی اس عذاب سے ڈرو جو صرف ان لوگوں پر نہیں آئے گا۔ جو گناہ میں مبتلا تھے۔ بلکہ وہ عذاب

بے گناہوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس لئے کہ یہ لوگ بظاہر تو بے گناہ تھے لیکن جو گناہ ہو رہے تھے۔ ان کو روکنے کے لئے انہوں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ نہ زبان ہلائی، اور ان گناہوں کو ہوتا ہوا دیکھ کر ان کے چہرے پر شکن نہیں آئی اس لئے ان پر بھی وہ عذاب آ جائے گا۔ بہر حال یہ امر بالمعروف کرنا اور نہی عن المنکر کرنا بہت اہم فریضہ ہے۔ جس سے ہم اور آپ غفلت میں ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ گناہ اور نافرمانیاں ہو رہی ہیں، اور بس اپنے آپ کو بچا کر فارغ ہو جاتے ہیں، دوسروں کو نصیحت نہیں کرتے، اور ان گناہوں سے بچانے کی فکر نہیں کرتے۔

منکرات کو روکنے کا پہلا درجہ

جو حدیث میں نے شروع میں تلاوت کی تھی۔ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برائیوں سے روکنے کے تین درجات بیان فرمائے ہیں، پہلا درجہ یہ ہے کہ اگر کسی جگہ پر تمہیں برائی کو ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روک دو، اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت تھی۔ اس کے باوجود آپ نے ہاتھ سے نہیں روکا تو آپ نے خود گناہ کا ارتکاب کر لیا۔ مثلاً ایک شخص خاندان کا سربراہ ہے۔ خاندان کے اندر اس کی بات چلتی ہے۔ لوگ اس کی بات کو مانتے ہیں۔ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ میرے خاندان والے ایک ناجائز اور گناہ کے کام میں مبتلا ہیں اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر میں اس کام کو اپنے حکم کے زور پر روک دوں گا تو یہ کام بند ہو جائے گا۔ اور اس کے بند ہونے سے کوئی فتنہ کھڑا نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں اس سربراہ پر فرض ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اور طاقت سے اس کو برائی کو روکے۔ محض اس خیال سے نہ روکنا کہ اگر میں روکوں گا تو فلاں شخص ناراض ہو جائے گا۔ یا فلاں شخص کا دل ٹوٹے گا۔ ٹھیک نہیں، اس لئے کہ اللہ کے حکم ٹوٹنے کے مقابلے میں کسی کے دل ٹوٹنے کی کوئی حقیقت نہیں۔

''فیضی'' شاعر کا ایک واقعہ

اکبر بادشاہ کے زمانے میں ایک مشہور شاعر گزرے ہیں جن کا تخلص ''فیضی'' تھا۔ ایک مرتبہ ''فیضی'' حجام سے خط بنوا رہے تھے۔ اور داڑھی بھی صاف کرا رہے تھے۔ اس

وقت ایک بزرگ ان کے قریب سے گزرے اور فرمایا: آغا: ریش می تراشی؟ جناب! کیا آپ داڑھی منڈوا رہے ہیں؟ کیونکہ فیضی شاعر علم وفضل کے بھی مدعی تھی، انہوں نے ہی قرآن کریم کی بغیر نقطوں کی تفسیر لکھی ہے۔ ان بزرگ کا کہنا یہ تھا کہ تم عالم ہو۔ تمہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بارے میں علم ہے۔ پھر بھی تم یہ کام کر رہے ہو؟ جواب میں فیضی نے کہا: ''بلے، ریش می تراشم۔ دل کسے نمی خراشم'' جی ہاں میں داڑھی منڈوا رہا ہوں۔ لیکن کسی کا دل نہیں توڑ رہا ہوں۔ کسی کی دل آزاری تو نہیں کر رہا ہوں۔ گویا کہ فیضی نے طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ میں تو یہ ایک گناہ کر رہا تھا۔ لیکن تم نے مجھے یہ کہہ کر میرا دل توڑ دیا۔ جواب میں ان بزرگ نے فرمایا: ''دلے، دل رسول اللہ می خراشی'' کسی اور کا دل تو نہیں توڑ رہے ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل توڑ رہے ہو۔ اس لئے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو منع فرمایا کہ یہ کام مت کرو۔ اس کے باوجود تم کر رہے ہو۔

دل ٹوٹنے کی پرواہ نہ کرے

بہرحال لوگوں میں جو بات مشہور ہے کہ دل آزاری نہ ہونی چاہئے۔ تو بات یہ ہے کہ اگر محبت، پیار اور شفقت اور نرمی سے، ذلیل کئے بغیر وہ کسی دوسرے شخص کو منع کر رہا ہے کہ یہ کام مت کرو، اس کے باوجود اس کا دل ٹوٹ رہا ہے تو ٹوٹا کرے۔ اس کے ٹوٹنے کی کوئی پرواہ نہ کرے۔ کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دل ٹوٹنے سے بلند تر ہے۔ البتہ اتنا ضرور کرے کہ کہنے میں ایسا انداز اختیار نہ کرے جس سے دوسرے کا دل ٹوٹے، اور اس کی توہین نہ کرے اور اس کو ذلیل نہ کرے۔ اور ایسے انداز سے نہ کہے جس سے وہ اپنی سبکی محسوس کرے۔ بلکہ تنہائی میں محبت سے شفقت سے اس کو سمجھا دے۔ اس کے باوجود اگر دل ٹوٹتا ہے تو اس کی پرواہ نہ کرے۔

ترک فرض کے گناہ کے مرتکب

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے خاندان کا سربراہ ہے۔ خاندان میں اس کی بات مانی جاتی ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے کہ بچے غلط راستے پر جا رہے ہیں یا گھر والے گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہیں،

پھر بھی ان کو نہیں روکتا تو یہ گناہ کے اندر داخل ہے، اس لئے کہ سربراہ پر ان کو ہاتھ سے روکنا فرض تھا۔ یا کوئی استاذ ہے، وہ شاگرد کو گناہ سے نہیں روکتا، یا کوئی شیخ ہے۔ اور اپنے مرید کو گناہ سے نہیں روکتا، یا کوئی افسر ہے، وہ اپنے ماتحت کو گناہ سے نہیں روکتا، جبکہ ان لوگوں کو روکنے کی طاقت حاصل ہے تو یہ حضرات ترک فرض کے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

فتنہ کے اندیشے کے وقت زبان سے روکے

البتہ بعض اوقات اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ہم اس کو اس برائی سے روکیں گے تو فتنہ کھڑا ہو جائے گا۔ یا طبیعت میں بغاوت پیدا ہو جائے گی اور بغاوت پیدا ہونے کے نتیجے میں اس سے بھی بڑے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو اس وقت اگر ہاتھ سے نہ روکے، بلکہ صرف زبان سے کہنے پر اکتفا کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ اگر ہاتھ سے روکنے کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے، اس استطاعت کے نہ ہونے میں یہ بات بھی داخل ہے مثلاً سینما ہال کے باہر گندی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ اب آپ کو استطاعت حاصل ہے کہ چند آدمیوں کو لے کر جائیں اور ان تصویروں کو گرانے کی کوشش کریں لیکن اس استطاعت کے نتیجے میں خود بھی فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور دوسروں کو بھی فتنہ و فساد میں مبتلا کرو گے، اس لئے کہ جوش میں آ کر وہ کام کر تو لیا، لیکن پھر خود بھی پکڑے گئے۔ اور دوسروں کو پکڑوا دیا۔ اور اس کے نتیجے میں ناقابل برداشت مصیبت کھڑی ہو گئی۔ لہٰذا یہ کام استطاعت سے خارج سمجھا جائے گا۔ استطاعت میں داخل نہیں ہوگا اس لئے اس موقع پر صرف زبان سے روکنے پر اکتفا کرے۔

خاندان کے سربراہ ان برائیوں کو روک دیں

آج ہمارے معاشرے میں جو فساد پھیلا ہوا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خاندان کے وہ سربراہ جو خاندان کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ وہ جب خاندان کے افراد کو کسی گناہ کے اندر مبتلا دیکھتے ہیں تو ان کو روکنے اور ٹوکنے کے بجائے وہ بھی ان کے ساتھ اس گناہ کے اندر

شریک ہوجاتے ہیں۔ مثلاً آج کل جو شادی بیاہ ہورہے ہیں۔ ان شادی بیاہوں میں منکرات کا ایک سیلاب امڈ ہوا ہے۔ بعض منکرات معمولی درجے کے ہیں۔ بعض منکرات درمیانی درجے کے ہیں۔ اور بعض منکرات شدید سنگین قسم کے ہیں۔ مثلاً اب یہ بات عام ہوتی جارہی ہے کہ شادی بیاہ کے اجتماعات مخلوط ہونے لگے ہیں۔ یہ بات اس لئے عام ہوتی جارہی ہے کہ خاندان کے سربراہ اس برائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر بھی نہ تو زبان سے اس کو روکتے ہیں اور نہ ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ وہ بھی ان تقریبات میں شریک ہوجاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بھائی کیا کریں۔ فلاں بھتیجے کی شادی ہے۔ مجھے تو اس میں شریک ہونا ہے۔ دیکھئے، اگر وہ لوگ آپ کو شریک کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان کو چاہئے کہ وہ آپ کے اصولوں کے مطابق انتظام کریں۔ اور آپ کو یہ اسٹینڈ لینا ضروری ہے کہ میں اس وقت تک اس تقریب میں شریک نہیں ہوں گا۔ جب تک یہ مخلوط اجتماع ختم نہیں کیا جاتا۔ اگر تم مخلوط اجتماع کرتے ہو تو پھر میرے نہ آنے سے آپ کو ناراض ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اگر خاندان کا سربراہ یہ کام نہیں کرے گا تو قیامت کے روز اس کی پکڑ ہوگی کہ تم ہاتھ سے اس برائی کو اس طرح روک سکتے تھے کہ خود شریک نہ ہوتے اور شرکت سے انکار کردیتے۔

شادی کی تقریب یا رقص کی محفل

آج ہم لوگ قدم قدم پر ان برائیوں کے سامنے ہتھیار ڈالتے جارہے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ جب شادی بیاہ کی تقریبات میں اتنی برائیاں نہیں تھیں۔ لیکن رفتہ رفتہ ایک کے بعد دوسری برائی آئی۔ دوسری کے بعد تیسری برائی شروع ہوئی' اس طرح برائیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اور کسی برائی کے موقع پر خاندان میں سے کسی اللہ کے بندے نے اسٹینڈ نہیں لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برائیاں پھیلتی چلی گئیں۔ یاد رکھئے' اگر ہم آج اسٹینڈ نہیں لیں گے۔ اور ان برائیوں کو روکنے کی کوشش نہیں کریں گے تو یہ برائیاں اور آگے بڑھیں گی چنانچہ تقریبات میں مرد و عورت کے مخلوط اجتماع کا سلسلہ تو جاری تھا' اب سننے میں یہ آرہا ہے کہ ان اجتماعات میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا رقص بھی شروع ہوتا جارہا ہے۔ اب

آپ اس موقع پر بھی ہتھیار ڈال کر خاموش بیٹھ جائیں۔ اور اپنی بہو بیٹیوں کو رقص کرتا ہوا دیکھا کریں۔ لیکن شرکت کرنا نہ چھوڑیں۔ کب تک ہتھیار ڈالتے جاؤ گے؟ کب تک ان کے برا ماننے کی پرواہ کرو گے؟ کوئی آخر حد تو ہوگی جہاں جا کر یہ سیلاب رکے گا؟...... یاد رکھئے، یہ سیلاب اس وقت تک نہیں رکے گا جب تک کوئی اللہ کا بندہ ڈٹ کر یہ نہیں کہے گا کہ یا تو مجھے شریک نہ کرو اور اگر شریک کرنا ہے تو یہ کام نہ کرو اگر خاندان کے دو چار باا ثر افراد یہ کہہ دیں کہ ہم تو ایسی تقریب میں شریک نہیں ہوں گے تو وہ شخص اس برائی کو چھوڑنے پر مجبور ہوگا۔ یا پھر آپ سے تعلق ختم کرلے گا۔

بعض اوقات انسان اپنے خاندانی حقوق کی وجہ سے منع کر دیتا ہے کہ چونکہ میرے ساتھ فلاں موقع پر اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ یا میری عزت نہیں کی گئی یا فلاں موقع پر میرا فلاں حق پامال کیا گیا۔ اس لئے جب تک مجھ سے معافی نہیں مانگی جائے گی اس وقت تک میں اس تقریب میں شریک نہیں ہوں گا۔ شادی بیاہ کے موقع پر خاندانی حقوق کی بنیاد پر اس قسم کے بے شمار جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر کوئی اللہ کا بندہ دین کی خاطر منع کر دے کہ اگر مخلوط اجتماع ہوگا یا رقص ہوگا تو ہم شریک نہیں ہوں گے۔ تو ان شاء اللہ ان برائیوں پر روک لگ جائے گی۔

ورنہ ہم سر پکڑ کر روئیں گے

البتہ بعض اوقات لوگ اس معاملے میں افراط و تفریط میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یہ بڑا نازک معاملہ ہے کہ آدمی کسی بات پر اور کس موقع پر اسٹینڈ لے۔ اور کس بات پر نہ لے۔ اور کس جگہ ڈٹ جائے۔ اور کس جگہ پر نرم ہو جائے، یہ چیز ایسی نہیں ہے جو دو اور دو چار کی طرح بتا دی جائے۔ بلکہ اس کو سمجھنے کیلئے کسی رہبر اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس موقع پر تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ کس جگہ پر سخت بن جاؤ، اور کس جگہ پر نرم پڑ جاؤ، اپنی طرف سے فیصلہ کرنے میں بعض اوقات انسان افراط و تفریط میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لئے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ آدمی ایسی بات پر اسٹینڈ لے لیتا ہے کہ اس سے فائدہ کے بجائے الٹا نقصان ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ فیصلہ کسی رہنما کی رہنمائی میں کرنا چاہیے۔

لیکن مخلوط اجتماع والا معاملہ ایسا ہے کہ اس کے بارے میں ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اسٹینڈ

لے۔ یاد رکھیئے' اگر آج ہم اسٹینڈ نہیں لیں گے تو کل کو سر پکڑ کر روئیں گے اور جب پانی سر سے گزر جائے گا اس وقت یاد کرو گے کہ کسی کہنے والے نے کیا بات کہی تھی۔ ابھی وقت ہے کہ اس فتنہ کو روکا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس طریقے سے اس فتنے کو روکنے کی کوشش کیجئے۔ خدا کے لئے اپنی جانوں پر رحم کریں' اور یہ سوچیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے۔ اور اپنی قبر میں جانا ہے اور اپنے موجودہ طرز عمل پر نظر ثانی کریں۔ اور یہ جو غفلت کا عالم طاری ہے کہ جو شخص جس طرف جارہا ہے۔ جانے دو۔ اس کو روکنے کی کوئی فکر اور پرواہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے جانے سے دل دکھتا ہے۔ یہ طرز عمل بڑا خطرناک ہے۔ اس کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

منکرات سے روکنے کا دوسرا درجہ

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برائی سے روکنے کا دوسرا درجہ یہ بیان فرمایا کہ اگر اس برائی کو ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکو۔ زبان سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص برائی کے اندر مبتلا ہے' اس کو ہمدردی سے کہے کہ بھائی صاحب' آپ یہ کام غلط کر رہے ہیں۔ یہ کام نہ کریں۔ لیکن زبان سے کہتے وقت ہمیشہ یہ اصول پیش نظر رہنا چاہئے کہ حق گوئی یا حق کی دعوت یا تبلیغ یہ کوئی پتھر نہیں ہے کہ اس کو تم نے اٹھا کر ماردیا۔ یہ کوئی لٹھ نہیں ہے کہ اس سے دوسرے کا سر پھاڑ دیا' بلکہ یہ ایک خیر خواہی اور محبت و شفقت کے انداز سے کہنے والی چیز ہے' اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا کہ:

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ (سورۃ النحل: ۱۲۵)

''یعنی لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور نرمی سے اور موعظہ حسنہ سے بلاؤ''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نرم گوئی کی تلقین

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا: **قولا لہ قولا لینا** (سورۃ طٰہٰ: ۴۴)

اے موسیٰ اور ہارون، جب تم فرعون کے پاس جاؤ، تو اس سے نرمی سے بات کرنا، اب دیکھئے یہ تلقین فرعون کے بارے میں فرمائی، جب کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ بدبخت راہ راست پر آنے والا نہیں ہے۔ یہ ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔ اور آخر وقت تک ایمان نہیں لائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے بارے میں حکم دیا کہ اس سے نرمی سے بات کرنا۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر مصلح نہیں ہو سکتے۔ اور تمہارا مخالف فرعون سے بڑھ کر گمراہ نہیں ہو سکتا، جب ان کو نرمی سے بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو پھر ہمارے لئے تو اور زیادہ واجب ہے کہ ہم نرمی سے بات کریں۔ یہ نہ ہو کہ جب دوسرے کو برائی میں مبتلا دیکھ کر زبان چلانی شروع کی تو وہ زبان تلوار بن جائے۔

زبان سے روکنے کے آداب

بلکہ زبان سے روکنے کے بھی کچھ آداب ہیں، مثلاً یہ کہ مجمع کے سامنے نہ کہے، اس کو رسوا اور ذلیل نہ کرے، ایسے انداز سے نہ کہے جس سے اس کو اپنی سبکی محسوس ہو، بلکہ تنہائی میں محبت اور شفقت اور پیار سے، خیر خواہی سے سمجھائے۔ بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ آج کل لوگ نرمی سے بات نہیں مانتے، بقول کسی کے: "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے"، تو بھائی اگر وہ تمہاری بات نہیں مانتے تو تم داروغہ نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر یہ فریضہ عائد نہیں کیا گیا کہ تمہاری زبان سے دوسرے کی ضرور اصلاح ہو جانی چاہئے، بلکہ تمہارا فریضہ صرف اتنا ہے کہ تم حق نیت سے حق طریقے سے حق بات کہہ دو، لہٰذا زبان سے کہتے وقت اس کی اصلاح کی نیت ہونی چاہئے، مثلاً اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو ڈاکٹر اس پر غصہ نہیں کرتا کہ تو بیمار کیوں ہوا؟ بلکہ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہے، اس کا علاج کرتا ہے، اس کے اوپر ترس کھاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی گناہ کے اندر مبتلا ہے، وہ درحقیقت بیمار ہے وہ ترس کھانے کے لائق ہے، اس لئے اس پر غصہ نہ کرو، بلکہ اس کو شفقت اور محبت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرو۔

ایک نوجوان کا واقعہ

ایک نوجوان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا کہ یا رسول

اللہ مجھے زنا کرنے اور بدکاری کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ اس لئے کہ میں اپنے اوپر کنٹرول نہیں کرسکتا۔ آپ ذرا اندازہ لگایئے کہ وہ نوجوان ایک ایسے فعل کی اجازت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کر رہا ہے جس کے حرام ہونے پر تمام مذاہب متفق ہیں۔ آج اگر کسی پیر یا شیخ سے کوئی شخص اس طرح کی اجازت مانگے تو غصے کے مارے اس کا پارہ کہیں سے کہیں پہنچ جائے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قربان جایئے کہ آپ نے اس پر ذرہ برابر بھی غصہ نہیں کیا۔ اور نہ اس پر ناراض ہوئے، آپ سمجھ گئے کہ یہ بیچارہ بیمار ہے، یہ غصہ کا مستحق نہیں ہے، بلکہ ترس کھانے کا مستحق ہے۔ چنانچہ آپ نے اس نوجوان کو اپنے قریب بلایا، اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، پھر اس سے فرمایا کہ اے بھائی تم نے مجھ سے ایک سوال کیا، کیا ایک سوال میں بھی تم سے کروں؟ اس نوجوان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا سوال ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اگر کوئی دوسرا آدمی تمہاری بہن کے ساتھ یہ معاملہ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو پسند کرو گے؟ اس نوجوان نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ، پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمہاری بیٹی کے ساتھ یا تمہاری ماں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو پسند کرو گے؟ اس نوجوان نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہؐ میں تو پسند نہیں کروں گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم جس عورت کے ساتھ یہ معاملہ کرو گے وہ بھی تو کسی کی بہن ہوگی، کسی کی بیٹی ہوگی، کسی کی ماں ہوگی، تو دوسرے لوگ اپنی بہن اپنی بیٹی سے اور اپنی ماں کے ساتھ اس معاملے کو کس طرح پسند کریں گے؟ یہ سن کر اس نوجوان نے کہا کہ یا رسول اللہؐ اب بات سمجھ آ گئی۔ اب میں دوبارہ یہ کام نہیں کروں گا۔ اور اب میرے دل میں اس کام کی نفرت بیٹھ گئی ہے۔ اس طریقے سے آپ نے اس کی اصلاح فرمائی۔

ایک دیہاتی کا واقعہ

ایک دیہاتی مسجد نبویؐ میں آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبویؐ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دیہاتی نے آکر جلدی جلدی دو رکعتیں پڑھیں۔ اور نماز کے بعد یہ عجیب وغریب دعا مانگی کہ:

اللھم ارحمنی و محمد اولا ترحم معنا احداً

''اے اللہ! مجھ پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کیجئے، اور ہمارے علاوہ کسی پر رحم مت کیجئے''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ دعا سن کر فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس اعرابی نے مسجد نبویؐ کے صحن میں بیٹھ کر پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرام نے جب اس کو یہ حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو روکنے کے لئے اس کی طرف دوڑے۔ اور اس کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ نے صحابہ کرام کو روکا اور فرمایا کہ اس کا پیشاب مت بند کرو۔ اس کو پیشاب کرنے دو۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو پھر صحابہ کرام سے فرمایا کہ اب جا کر مسجد کو دھو کر پاک کر دو۔ پھر اس اعرابی کو آپ نے بلا کر سمجھایا کہ یہ مسجد اس مقصد کیلئے نہیں ہے کہ اس میں گندگی کی جائے۔ اور اس کو ناپاک کیا جائے۔ یہ تو اللہ کا گھر ہے اس کو پاک رکھنا چاہیے۔ اس طرح آپ نے پیار اور شفقت کے ساتھ اس کو سمجھا دیا۔ آج ہمارے سامنے کوئی اس طرح پیشاب کر دے تو ہم لوگ اس کی تکہ بوٹی کر دیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ڈانٹا تک نہیں۔

ہمارا انداز تبلیغ

اس حدیث کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و دعوت کے آداب بتائے۔ آج یا تو لوگوں کے اندر دعوت و تبلیغ کرنے کا جذبہ ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر کسی کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا تو بس اب دنیا والوں پر آفت آ گئی۔ کسی کو بھی مسجد کے اندر کوئی غلط کام کرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب اس کو ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے۔ ہر بات کہنے کا ایک ڈھنگ اور سلیقہ ہوتا ہے۔ اس ڈھنگ سے بات کہنی چاہئے۔ اور دل میں یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ یہ اللہ کا بندہ ایک غلطی میں کسی وجہ سے مبتلا ہو گیا ہے، میں اس کو صحیح بات بتا دوں تا کہ یہ راہ راست پر آ جائے، اپنی بڑائی جتانے کا جذبہ یا اپنا علم بگھارنے کا جذبہ نہ ہو، کیونکہ یہ جذبہ دعوت کے اثر کو ختم کر دیتا ہے۔

تمہارا کام بات پہنچا دینا ہے

اب ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ اگر ہم اس طرح پیار اور نرمی سے لوگوں کو روکتے ہیں تو

لوگ مانتے نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کا ماننا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اپنی بات لوگوں تک پہنچا دینا یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک قوم گمراہی میں نافرمانی میں غرق تھی۔ اس کی اصلاح کی کوئی امید نہیں تھی، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا تھا۔ لیکن عذاب آنے سے پہلے کچھ اللہ کے نیک بندے ان کو تبلیغ کرتے رہے۔ اور نرمی سے سمجھاتے رہے کہ یہ کام مت کرو۔ کسی نے ان نصیحت کرنے والوں سے کہا: لم تعظون قوما ن اللّٰہ مھلکم ۔ (سورۃ الاعراف: ۱۶۴)

تم ایک ایسی قوم کو نصیحت کیوں کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب تو ان کی اصلاح کی کوئی امید نہیں ہے۔ ان اللہ کے نیک بندوں نے..... سبحان اللہ ..... کیا عجیب جواب دیا فرمایا کہ: معذرۃ الی ربکم یعنی یہ تو ہمیں بھی معلوم کہ یہ لوگ معاند ہیں۔ ہٹ دھرم ہیں۔ بات نہیں مانیں گے، لیکن ہم ان کو نصیحت کر رہے ہیں، تا کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کہنے کا عذر ہو جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اور پوچھا جائے گا کہ تمہارے سامنے یہ گناہ ہو رہے تھے۔ تم نے ان کو روکنے کے لئے کیا کوشش کی تھی؟ اس وقت ہم یہ عذر پیش کر سکیں گے کہ یا اللہ یہ گناہ ہمارے سامنے ہو رہے تھے۔ لیکن ہم نے اپنے طور پر ان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی تھی۔ اے اللہ، ہم ان کے اندر شامل نہیں تھے۔ ایک داعی حق اور تبلیغ کرنے والا اس جواب دہی کے احساس کو دل میں رکھتے ہوئے دعوت دے۔ پھر چاہے کوئی مانے یا نہ مانے، وہ ان شاء اللہ بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تبلیغ کرتے رہے، لیکن صرف انیس (۱۹) آدمی مسلمان ہوئے۔ اب اس کا کوئی وبال حضرت نوح علیہ السلام پر نہیں ہوگا، اس لئے کہ مسلمان بنا دینا ان کی ذمہ داری نہیں تھی۔ اس لئے تم بھی حق بات حق نیت سے حق طریقے سے نرمی اور خیر خواہی کے جذبے سے کہہ دو۔ ان شاء اللہ تم بریٔ الذمہ ہو جاؤ گے۔ تجربہ یہ ہے کہ اگر آدمی لگاتار اس جذبہ کے ساتھ بات کہتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فائدہ بھی پہنچا دیتا ہے۔

منکرات کو روکنے کا تیسرا درجہ

تیسرا اور آخری درجہ اس حدیث میں یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی کے اندر ہاتھ اور زبان

سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو پھر تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کو برا سمجھے، اور دل میں یہ خیال لائے کہ یہ کام اچھا نہیں کر رہا ہے۔ البتہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زبان سے کہنے کی بھی طاقت نہ ہو۔ اس وقت یہ تیسرا درجہ آتا ہے، لیکن زبان سے کہنے کی طاقت تو ہر وقت انسان کے اندر موجود ہوتی ہے۔ پھر زبان سے کہنے کی طاقت نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زبان سے کہنے کی طاقت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اس کو زبان سے روک تو دے گا۔ اور لیکن اس روکنے کے نتائج اس عمل سے بھی زیادہ برے نکلیں گے۔ ایسی صورت میں بعض اوقات خاموش رہنا بہتر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص سنت کے خلاف کوئی کام کر رہا ہے۔ آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ اگر میں اس کو روکوں گا تو یہ شخص بات ماننے کے بجائے الٹا اس سنت کا مذاق اڑانا شروع کر دے گا۔ اب اگرچہ آپ کے اندر یہ طاقت ہے کہ آپ اس سے کہدیں کہ یہ عمل سنت کے خلاف ہے، ایسا مت کرو۔ بلکہ سنت کے مطابق کرو۔ لیکن آپ کے کہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اب تک تو صرف سنت کے خلاف کام کر رہا تھا۔ لیکن اب سنت کا مذاق اڑائے گا۔ اور اس کے نتیجے میں کفر کے اندر مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو جائے گا۔ ایسے موقع پر بعض اوقات خاموش رہنا اور کچھ نہ کہنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ اور اس وقت میں صرف دل سے برا سمجھنا ہی مناسب ہوتا ہے۔

برائی کو دل سے بدلنے کا مطلب

اگر اس حدیث کا صحیح ترجمہ کیا جائے تو یہ ترجمہ ہوگا کہ اگر کسی شخص کے اندر کسی برائی کو زبان سے بدلنے کی طاقت نہیں ہے تو اس کو اپنے دل سے بدل دے، یہ نہیں فرمایا کہ دل سے برا سمجھے۔ بلکہ دل سے بدلنے کا حکم دیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دل سے بدلنے کا کیا مطلب ہے؟ علماء کرام نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص طاقت نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ استعمال نہ کر سکا۔ نہ ہی زبان استعمال کر سکا تو اب اس کے دل میں اس برائی کے خلاف اتنی نفرت ہو۔ اور اس کے دل میں اتنی گھٹن ہو کہ اس کے چہرے پر ناگواری کا اثر آ جائے، اور اس کی پیشانی پر بل پڑ جائے اور آدمی موقع کی تلاش میں رہے کہ کب موقع

آئے تو پھر زبان اور ہاتھ سے اس کو بدل دوں۔ جب انسان کے دل میں کسی چیز کی برائی بیٹھ جاتی ہے۔ اور دل میں یہ جذبہ اور داعیہ ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ برائی ختم ہو جائے تو وہ شخص دن رات اس فکر اور سوچ میں رہتا ہے کہ میں اس برائی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے روکنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کروں۔ مثلاً ایک شخص کی اولاد خراب ہو گئی' اب اگر باپ جبر و تشدد کرتا ہے۔ اور ہاتھ استعمال کرتا ہے تو اس کا فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر زبان سے سمجھاتا ہے تو اس کا اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ ایسا شخص دل کے اندر کتنا بے چین ہوگا۔ اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں گی کہ میں کس طرح اس کو بری عادت سے نکال دوں۔ یہ بے چینی اور بیتابی انسان کو خود راستہ سمجھا دیتی ہے کہ کس موقع پر کس طرح بات کہوں، اور کس طرح اس کے دل میں اپنی بات اتار دوں۔ اس کے نتیجے میں ایک نہ ایک دن اس کی بات کا اثر ہوگا۔

اپنے اندر بے چینی پیدا کریں

آج ہمارے معاشرے میں جتنے منکرات، برائیاں اور گناہ برسرعام ہو رہے ہیں۔ فرض کریں کہ آج ہمارے اندر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہیں ہے۔ زبان سے کہنے کی طاقت نہیں۔ لیکن اگر ہم میں سے ہر شخص اپنے دل کے اندر یہ بے چینی پیدا کرلے کہ معاشرے کے اندر یہ کیا ہو رہا ہے۔ ان برائیوں کو کسی طرح رکنا چاہئے۔ اور یہ بے چینی اور بیتابی اس درجہ میں ہونی چاہئے جس طرح ایک آدمی کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ جب تک درد ختم نہیں ہو جاتا اس وقت تک انسان بے چین رہتا ہے، اسی طرح ہم سب کے دلوں میں یہ بے چینی اور بیتابی پیدا ہو جائے تو اس کے نتیجے میں آخرکار معاشرے سے یہ منکرات اور برائیاں ختم ہو جائیں گی اور ان برائیوں کو روکنے کا راستہ مل جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بے چینی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے معاشرے کے اندر تشریف لائے تھے جہاں گناہ تو گناہ' بلکہ شرک' کفر' بت پرستی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھلم کھلا بغاوت' علانیہ نافرمانیاں ہو رہی تھیں' کوئی شخص بھی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ اس وقت آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ ان سب کی

اصلاح آپ کو کرنی ہے۔ بعثت کے بعد تین سال ایسے گزرے ہیں کہ ان میں آپ کو تبلیغ اور دعوت کی بھی اجازت نہیں تھی۔ ان تین سال کے اندر آپ معاشرے میں ہونے والی برائیوں کو دیکھتے رہے اور غار حرا کی تنہائیوں میں جا کر اللہ جل شانہ سے مناجات فرمارہے ہیں اور معاشرے میں ہونے والے منکرات کو دیکھ کر طبیعت میں ایک گھٹن اور ایک بے چینی پیدا ہو رہی ہے کہ کس طرح اس کو دور کروں، آخر کار آپ کو تبلیغ اور دعوت کی اجازت ملتی ہے تو پھر آپ اسی برے ماحول کے اندر اپنی دعوت کے ذریعہ انقلاب برپا فرماتے ہیں اس بے چینی اور بیتابی کا ذکر قرآن کریم نے اس طرح فرمایا کہ: **لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مؤمنین**۔ (سورۃ الشعراء:۳) ''کیا آپ اپنی جان کو اس اندیشے میں ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟'' اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: **ان علیک الا البلاغ** آپ کے ذمہ صرف تبلیغ کا فریضہ ہے آپ اپنی جان کو ہلکان نہ کیجئے اور اتنے پریشان نہ ہوں۔ لیکن آپ کے دل میں اس قدر بے چینی تھی کہ جو شخص بھی آپ کے پاس آتا، آپ اس کے بارے میں یہ خواہش کرتے ہیں کہ کسی طرح میں اس کو جہنم کے عذاب سے بچالوں اور دین کی بات اس کے دل میں اتار دوں۔

ہم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں

آج ہمارے اندر یہی خرابی ہے کہ ہمارے اندر وہ بے چینی اور بیتابی نہیں ہے۔ اول تو آج برائیوں کو برا سمجھنے کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ معاشرے اور ماحول کے اثر سے ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص برائی نہیں بھی کر رہا ہے بلکہ خود ان سے بچا ہوا ہے، وہ صرف یہ سوچ کر بچا ہوا ہے کہ اب تو بڑھاپا آگیا، جوانی ختم ہوگئی ہے، اب کیا میں اپنے طرز عمل میں تبدیلی پیدا کروں، اس شرم سے وہ اپنی پرانی طرز زندگی کو نہیں بدل رہا ہے لیکن اولاد جس غلط راستے پر جارہی ہے اس کی برائی دل کے اندر نہیں ہے، اگر دل میں برائی ہوتی تو اس کے لئے بے چین اور بیتاب ہوتا۔ معلوم ہوا کہ دل میں ان کی برائی موجود نہیں اور اولاد کے بارے میں یہ سوچ لیا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی گزار لی ہے۔ یہ نئی نسل کے لوگ ہیں۔ اگر انہوں نے اپنی خوش گپیوں اور کھیل کود کے نئے طریقے نکال لئے ہیں تو

2 چلو ان کو کرنے دو۔ یہ سوچ کر خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ان کو نہیں روکتے۔ اور دل میں ان کی طرف سے کوئی بے چینی اور بیتابی نہیں ہے۔

بات میں تاثیر کیسے پیدا ہو؟

جب انسان کے دل میں معاشرے کی طرف سے بے چینی اور بیتابی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی بات میں تاثیر بھی پیدا فرما دیتے ہیں' حضرت مولانا نانوتوی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اصل میں تبلیغ و دعوت کا حق اس شخص کو پہنچتا ہے جس کے دل میں تبلیغ و دعوت کا جذبہ ایسا ہو گیا ہے جیسے حوائج ضروریہ کو پورا کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً بھوک لگ رہی ہے اور جب تک کھانا نہیں کھالے گا چین نہیں آئے گا۔ جب تک ایسا داعیہ دل کے اندر پیدا نہ ہو اس وقت تک اس کو دعوت و تبلیغ کا حق نہیں ہے۔ جیسے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں تبلیغ و دعوت کا ایسا ہی جذبہ پیدا فرما دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے ایک ایک وعظ میں سینکڑوں انسان ان کے ہاتھ پر گناہ سے توبہ کرتے تھے اس لئے کہ بات دل سے نکلتی تھی اور دل پر اثر انداز ہوتی تھی۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا اخلاص

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد میں ڈیڑھ دو گھنٹے کا وعظ فرمایا۔ وعظ سے فارغ ہونے کے بعد آپ جامع مسجد کی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے تھے' اتنے میں ایک شخص بھاگتا ہوا مسجد کے اندر آیا' اور آپ ہی سے پوچھا کہ کیا مولوی اسماعیل صاحب کا وعظ ختم ہو گیا؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں بھائی ختم ہو گیا۔ اس نے کہا کہ مجھے بہت افسوس ہوا' اس لئے کہ میں تو بہت دور سے وعظ سننے کے لئے آیا تھا' آپ نے پوچھا کہ کہاں سے آئے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ میں فلاں گاؤں سے آیا تھا۔ اور اس خیال سے آیا تھا کہ میں ان کا وعظ سنوں گا' افسوس کہ ان کا وعظ ختم ہو گیا۔ اور میرا آنا بیکار ہو گیا' حضرت مولانا نے فرمایا کہ تم پریشان مت ہو۔ میرا ہی نام اسماعیل ہے۔ آؤ یہاں بیٹھ جاؤ' چنانچہ اس کو وہیں سیڑھیوں پر ہی بٹھا دیا' فرمایا کہ میں نے ہی وعظ کہا تھا۔

میں تمہیں دوبارہ سنا دیتا ہوں' جو کچھ میں نے وعظ میں کہا تھا' چنانچہ سیڑھیوں پر بیٹھ کر سارا وعظ دوبارہ دہرا دیا۔ بعد میں کسی شخص نے کہا کہ حضرت! آپ نے کمال کر دیا کہ صرف ایک آدمی کے خاطر پورا وعظ دوبارہ دہرا دیا؟ جواب میں حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں نے پہلے بھی ایک ہی کے خاطر وعظ کہا تھا اور دوبارہ بھی ایک ہی کی خاطر کہا۔ یہ مجمع کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جس ایک اللہ کی خاطر پہلی بار کہا تھا' دوسری مرتبہ بھی اسی ایک اللہ کی خاطر کہہ دیا۔ یہ تھے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ ایسا جذبہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پیدا فرما دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس اخلاص اور اس جذبہ اور اس بے چینی اور بیتابی کا کوئی حصہ ہمارے دلوں میں بھی پیدا فرما دے کہ ان منکرات کو دیکھ کر یہ بے چینی اور بیتابی پیدا ہو جائے کہ ان منکرات کو کس طرح ختم کیا جائے اور کس طرح مٹایا جائے۔

یاد رکھئے! جس دن ہمارے دلوں میں یہ بیتابی اور بے چینی پیدا ہو گئی' اس دن آدمی کم از کم اپنے گھر کی اصلاح تو ضرور کرلے گا' اگر گھر کی اصلاح نہیں ہو رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بے چینی اور بیتابی دل میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ آدمی وقت گزار رہا ہے۔

خلاصہ

بہر حال ہر انسان کے ذمے انفرادی تبلیغ فرض عین ہے' جب انسان اپنے سامنے کوئی برائی ہوتی ہوئی دیکھے تو اس برائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے' پہلے ہاتھ سے ختم کرنے کی کوشش کرے۔ اگر ہاتھ سے نہ ہو سکے تو زبان سے روکنے کی کوشش کرے' اور اگر زبان سے نہ ہو سکے تو دل سے اس کو برا جانے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فحاشی کا سیلاب......ایک لمحہ فکر!

اسلام کی بنیاد جن اعمال وافکار پر ہے ان میں سے ایک اہم ترین اساسی عفت وعصمت ہے اور اسلام کی بے شمار تعلیمات اسی محور کے گرد گھومتی ہیں اسلام اپنے پیروؤں کے لئے بالخصوص اور پوری دنیا کے لئے بالعموم' جس معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے وہ ایک ایسا پاکیزہ اور صاف ستھرا معاشرہ ہے جس کے سر عفت وعصمت کا تاج ہو اور جس کے اعمال وافکار کے کسی گوشے میں بداخلاقی اور بے حیائی کی گنجائش نہ ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے اسلام نے اپنی قانون اور اخلاقی تعلیمات میں انتہائی جزرسی کا مظاہرہ کیا ہے اور ان تمام چور دروازوں پر پہرے بٹھائے ہیں جہاں سے معاشرے میں بے حیائی کے گھس آنے کا احتمال ہو۔

سرکار دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

من یضمن لی مابین لحییه وما من بین رجلیه أضمن له الجنة

''جو شخص مجھے اپنے جبڑوں کے درمیان والی چیز (یعنی زبان) اور اپنی ٹانگوں کے درمیان والی چیز (یعنی شرم گاہ) کی ضمانت دے (کہ اسے اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرے گا) میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں''

اس حکیمانہ ارشاد نے انسانی معاشرے کی دکھتی ہوئی رگوں پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں جتنے گناہ اور جتنے جرائم سرزد ہوتے ہیں' ان کے دو ہی سبب ہوتے ہیں۔ یا زبان کی بے اعتدالی' جس میں بدزبانی بھی داخل ہے اور پیٹ کی خواہش پوری کرنے کے لئے کئے جانے والے تمام جرائم بھی' یا پھر جنسی خواہشات کے بے اعتدالی' جس میں عریانی و فحاشی اور بے حیائی کے تمام کام آجاتے ہیں۔ انسان نماز روزہ اور عبادات میں کوتاہی کرے تو اس کا براہ راست اثر تنہا اس کی ذات تک محدود رہتا ہے لیکن زبان اور جنسی خواہشات کے بعد اعتدالی پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہے اور بالآخر اسے تباہ وبرباد کر کے چھوڑتی ہے۔ چنانچہ اسلام ان دونوں معاملات میں انتہائی حساس دین ہے اور اس میں ان دونوں بے اعتدالیوں کی روک تھام کے لئے بڑے وسیع دورس اور ہمہ گیر احکام دیئے گئے ہیں۔

جنسی جذبہ انسان کا ایک فطری جذبہ ہے جو اعتدال میں رہے اور پاکیزگی کے ساتھ استعمال ہو تو زندگی میں طلب و سرور پیدا کرتا ہے۔ بقائے نوع انسان کا ذریعہ بنتا ہے اور اس سے الفت و محبت کے مقدس رشتے استوار ہوتے ہیں لیکن اگر یہی جذبہ حد سے بڑھ جائے اور بہیمیت کا رخ اختیار کرلے تو پورے نظام زندگی کو تہ و بالا کر ڈالتا ہے' اس سے معاشرہ انارکی کا شکار ہو جاتا ہے۔ باہمی تعلقات و روابط کا سارا نظام مصنوعی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اختلاط انساب کے فتنے پیدا ہوتے ہیں' اخلاقی اور جسمانی بیماریوں کی وبائیں پھوٹتی ہیں۔ باہمی نفرت و عداوت کے شعلے بھڑکتے ہیں۔ اجتماعی قوت عمل سرد پڑ جاتی ہے اور انسان اشرف المخلوقات کے منصب سے پھسل کر کتے بلیوں کی صف میں آ گرتا ہے۔

چنانچہ اسلام نے رہبانیت کی طرح جنسی جذبے کو بالکلیہ رد نہیں کیا بلکہ ایک طرف تو انسان کے اس فطری جذبے کو پوری طرح تسلیم کیا ہے۔ اس کے صحیح استعمال کی خاطر نکاح کا پاکیزہ طریقہ تجویز فرمایا ہے اس کے لئے بے شمار آسانیاں فراہم کی ہیں' اور نکاح کے احکام و ضوابط میں اس بات کی پوری رعایت رکھی ہے کہ یہ پاکباز رشتہ انسان کے فطری جذبات کی تسکین کے لئے پوری طرح کافی ہو جائے اور دوسری طرف ان تمام بے اعتدالیوں پر کڑی بندشیں عائد کی ہیں جن سے انسان کے خیالات بھٹکتے ہیں جن سے اس کی خواہشات بے قابو ہوتی ہے جن سے لذت پرستی کی جوع البقر پیدا ہوتی ہے اور جو معاشرے میں کسی بھی حیثیت سے عریانی و فحاشی اور بے حیائی پھیلانے کی ذمہ دار ہو سکتی ہے۔

اس مقصد کے لئے قرآن و سنت میں اخلاقی اور قانونی ہدایات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا آغاز اس آیت سے ہوتا ہے کہ:

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم' ذالک ازکیٰ لھم' ان اللہ خبیرٌ بما یصنعون. (سورۃ النور: ۳۰)

''آپ مسلمانوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لئے پاکیزگی کا باعث ہے۔ بے شک اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔''

اور دوسری طرف خواتین کو ارشاد ہے۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ.

''اورتم اپنے گھروں میں رہو اور پچھلی جاہلیت کی طرح اپنی زیب وزینت کی نمائش کرتی نہ پھرو۔''

بلکہ اس سے پہلے ان کو یہاں تک ہدایت دی گئی ہے کہ:

فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروفا. (سورة احزاب: ۳۲)

''پس تم (نامحرم عورتوں سے) نزاکت کے ساتھ بات نہ کرو' کہ جس شخص کے دل میں روگ ہو وہ لالچ کرنے لگے' اور قاعدے کی بات کرو۔''

اور پورے معاشرے کے خیالات وجذبات کو پاکیزہ رکھنے کے لئے نشرواشاعت کے ذرائع کو تنبیہ کی گئی کہ:

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا لهم عذابٌ الیمٌ فی الدنیا و الاٰخرة . والله یعلم وانتم لا تعلمون (سورة النور: ۱۹)

''بلاشبہ جو لوگ مسلمانوں میں فحاشی کا چرچہ چاہتے ہیں ان کے لئے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اس قسم کی بے شمار ہدایات کے ذریعہ انسان کے کان' آنکھ' دل اور اس کے تمام خیالات وجذبات پر خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے پہرے بٹھائے گئے ہیں اور پھر ان ہدایات کی انتہا سو کوڑوں اور سنگساری کی ایسی لرزہ خیز اور عبرتناک سزا ہوتی ہے' جو اسلام نے بدکاروں کے لئے مقرر فرمائی ہے۔

قرآن وسنت کے ان ارشادات اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا اثر تھا کہ اسلامی معاشرہ عفت وعصمت اور جنسی جذبات کے اعتدال میں دنیا کا مثالی معاشرہ تھا۔ اب سے کچھ عرصے پہلے تک دین سے ہزار دوری اور اخلاق کے ہزار انحطاط کے باوجود مسلمان اس لحاظ سے بڑی حد تک ممتاز تھے کہ عفت وعصمت اور شرم وحیا کی قدریں ان کے رگ وپے میں سمائی ہوئی تھیں اور دینی پابندیوں کے علاوہ اس معاملہ میں خاندانی روایات کی بڑی حد تک پاس داری کی جاتی تھی۔ چنانچہ مغربی ممالک میں آبرو باختگی اور اخلاقی دیوالیہ پن کے جو واقعات سننے میں آتے تھے انہیں یہاں نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

لیکن یہ حقیقت انتہائی کرب انگیز اور تشویشناک ہے کہ اب دوسری سینکڑوں بدعنوانیوں کے ساتھ اس معاملہ میں بھی ہمارے معاشرے کا مزاج نہایت تیز رفتاری سے بدل رہا ہے اور مغربی معاشرے کی وہ تمام لعنتیں جنہوں نے مغرب کو اخلاقی تباہی کے آخری سرے پر پہنچا دیا ہے رفتہ رفتہ ہمارے درمیان تباہ کن رفتار سے سرایت کر رہی ہیں' یہاں تک کہ وہ خاندان جو عفت وعصمت' شرافت ومتانت اور شرم وحیا کے اعتبار سے مثالی سمجھے جاتے تھے اب ان میں بے پردگی' آوارگی' بے حیائی اور جنس پرستی کا عفریت اپنی پوری فتنہ سامانیوں اور تباہ کاریوں کے ساتھ گھس آیا ہے۔ اس تشویشناک بے راہ روی کے اسباب اتنے متنوع اور مختلف ہیں کہ محض کوئی ایک اقدام اس کے انسداد کے لئے کافی نہیں ہوگا' جنہیں خاص طور سے مندرجہ ذیل چیزیں فحاشی کے فتنے کو روز بروز ہوا دے رہی ہیں۔

(۱)۔ ملک کے تمام شہروں میں سینما ہاؤس قائم ہیں جہاں دن رات حیا سوز فلمیں دکھا کر شرافت ومتانت کو ذبح کیا جاتا ہے' ان فلموں میں عریانت' فحاشی اور جنس پرستی کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے' خاص طور سے غیر ملکی فلموں میں جو ہیجان انگیزی اور ہوس پرستی کے مناظر دکھائے جاتے ہیں وہ نوجوان نسل کے لئے سمِ قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب سینکڑوں افراد ان شرمناک مناظر کو ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھتے ہیں تو ان کی قباحت وشناعت کا تصور لمحہ بہ لمحہ ختم ہوتا جاتا ہے' نگاہیں اس انسانیت کُش برائی کی عادی ہوتی چلی جاتی ہیں' اور جنس پرستی کی یہ بیماری ایک متعدی جذام کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

(۲)۔ ٹیلی ویژن نے یہ قیامت ڈھائی ہے کہ بے حیائی کے جو کام سینما ہالوں' نائٹ کلبوں اور رقص گاہوں تک محدود تھے' اب اس کے ذریعہ ایک ایک گھر کے ڈرائنگ روم میں گھس آئے ہیں جو لوگ سینما ہالوں تک پہنچنے سے کتراتے تھے' اب وہ گھر بیٹھے اس "رات" سے سرفراز ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ بڑے چھوٹے اور اپنے پرائے کی تمیز اس حد تک مٹ گئی ہے کہ باپ بیٹیاں اور بہن بھائی رقص وسرود اور فلموں کے خالص جنسی مناظر نہ صرف ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھتے ہیں بلکہ ان پر تبصرے کرتے ہیں اور بعض گھرانوں میں یہ صورت بھی عام ہوگئی ہے کہ آس پاس کے پڑوسی اور محلے کے دوست احباب خاص خاص پروگرام کے لئے

جمع ہو جاتے ہیں اور اجنبی لڑکے لڑکیاں بھی یکجا ہو کر ٹی وی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

(۳)۔اخبارات نے عریانی وفحاشی کی نشرواشاعت پر کمر باندھ لی ہے۔فلمی اشتہارات کے حصے میں جو بسا اوقات کئی صفحات پر چھایا ہوا ہوتا ہے' روزانہ جنسی بہیمیت اور درندگی کا جہنم دہکا ہوا ہوتا ہے اور اس میں ایسی ایسی تصاویر اور ایسی ایسی عبارتیں چھپتی ہیں جن سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔اخبارات آج کل ہر غریب سے غریب انسان کی ضروریات زندگی میں شامل ہو چکے ہیں' اس لئے فحاشی وعریانی کا یہ سڑا ہوا ملغوبہ ان گھروں میں پہنچتا ہے جہاں ٹی وی تک کا گزر نہیں' ظاہر ہے کہ گھر کے لڑکے لڑکیوں سے ان اخبارات کی حفاظت کون کر سکتا ہے؟ چنانچہ پاکیزہ سے پاکیزہ گھرانوں میں بھی عریانی وفحاشی کے یہ بلندے بڑے بوڑھوں سے لے کر بچوں عورتوں تک سب کی نگاہوں سے گزرتے ہیں۔

(۴)۔رسائل وجرائد نے عریانیت کو ایک مستقل ذریعہ تجارت بنا رکھا ہے۔نہ جانے کتنے رسالے ہیں جو صرف عریاں تصویروں' فحش افسانوں اور بے حیائی کے مضامین کے ذریعہ چل رہے ہیں اور ان سے جنس پرستی کا رجحان روز بروز قوت اختیار کر رہا ہے۔

(۵)۔اشتہار بازوں نے عورت کو پیسے کمانے کا ایک حربہ سمجھ لیا ہے' چنانچہ دنیا کی کسی چیز کا اشتہار عورت کی تصویر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔قدرت کی اس مقدس تخلیق کو ایک کھلونا بنا کر استعمال کیا جا رہا ہے اور اس کے ایک ایک عضو کی عریاں نمائش کر کے گاہکوں کو مال خریدنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ سڑکوں پر چلتے ہوئے ایک شریف انسان کے لئے نگاہوں کو بچانا مشکل ہے۔خاص طور سے فلموں کے اشتہار کے لئے قدم قدم پر جو سائن بورڈ آویزاں ہیں وہ ہر آن فحاشی کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

(۶)۔نیم عریاں نہیں' بالکل عریاں تصویروں کی خرید وفروخت عام ہو چکی ہے اور نئی نسل کے لڑکے لڑکیاں' ایسی ایسی تصویروں کے پورے البم کھلم کھلا خرید رہے ہیں' جن میں انسانوں کو گدھوں اور کتوں کی طرح جنسی اختلاط کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

(۷)۔خاص خاص مقامات پر ایسی بلو فلمیں بڑی بڑی قیمتیں وصول کر کے دکھائی جاتی ہیں جن میں انسان کے جسم پر کپڑے نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی اور جنہیں دیکھ کر درندے بھی

شرما جائیں۔ اگرچہ اس قسم کی تصاویر قانوناً ممنوع ہیں اور بعض مرتبہ اس قسم کے اڈوں پر پولیس کے چھاپے بھی پڑتے رہتے ہیں لیکن اس قسم کے ہنگامی یا مصنوعی اقدامات سے اس انسانیت سوز بدکاری کے رواج میں کوئی کمی نہیں آ رہی، بلکہ اڑتی ہوئی خبریں شائع ہوئی تھیں کہ اس قسم کی فلمیں اب پاکستان میں بھی بننے لگی ہیں اور فلم اور ٹی وی کا کچھ عملہ اس میں ملوث ہے۔ اگرچہ بعد میں اس کی تردید بھی شائع ہوگئی لیکن اگر اس میدان میں ترقی کی رفتار یہی رہی تو کسی دن اس خبر کی تصدیق بھی ہو جائے تو بعید نہیں۔ اور ان خبروں کا نقد فائدہ تو شام کے اخبارات نے یہ حاصل کر ہی لیا کہ بلو فلموں کے تعارف اور ان کی تاریخ پر مضامین اور نمونے کے طور پر اس کی کچھ تصویریں شائع کرکے چند روز کے لئے زیادہ آمدنی کا سامان پیدا کر لیا۔

اِنا لله و انا الیه رٰجعون.

پھر یہ ساری رام کہانی تو صرف ان فحاشیوں کی ہے جو متوسط اور کم آمدنی والے حلقوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان سے آگے بڑھ کر دولت مند طبقوں اور نام نہاد "اونچی سوسائٹیوں" میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا تصور بھی لرزہ خیز ہے "ماڈل گرلز" اور "سنگر گرلز" کے ذریعہ عصمت فروشی تہذیب کا جزء بن گئی ہے پستی وذلت اور کمینگی کی انتہا ہے کہ ان "اونچے حلقوں" میں "تبادلہ ازواج" کے باقاعدہ کلب قائم ہیں جن میں دیوثی کو ایک فن بنالیا گیا ہے۔

ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم.

پھر حیرتناک اور افسوسناک بات یہ ہے کہ شرافت وانسانیت کی یہ قتل گاہیں اس ملک اور اس معاشرے میں سرگرم عمل ہیں جہاں صرف بداخلاق، آبرو باختہ اور بے حیا افراد نہیں بستے، بلکہ ان فحاشیوں کو سچے دل سے پسند کرنے والے بہت کم ہیں، اور ایک بھاری تعداد ان مسلمانوں کی ہے جو ان تمام بے راہیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن شرفاء کے اس انبوہ میں کوئی خدا کا بندہ ایسا نہیں جو فحاشی کے ان دلالوں سے یہ پوچھ سکے کہ تم اس ستم رسیدہ قوم اور مصیبت زدہ ملت کو تباہی کے کس غار کی طرف لے جا رہے ہو؟ ہماری بے حسی کا عالم یہ ہے کہ ہم صبح وشام اپنی آنکھوں سے اپنے بچوں اور نوجوانوں کو فحاشی کی بھینٹ چڑھتا دیکھتے ہیں، لیکن ان کو اس مصیبت سے بچانے کا کوئی جذبہ ہمارے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ نہ

ہمیں اس نوخیز نسل پر کوئی رحم آتا ہے، نہ ان کے مستقبل کی کوئی فکر دامن گیر ہوتی ہے، نہ تباہی کے اس سیلاب کو روکنے کے لئے سینوں میں عزم وعمل کی کوئی لہر اٹھتی ہے۔ کوئی بہت زیادہ حساس انسان ہے تو وہ اس صورت حال پر ایک ٹھنڈی آہ بھر کر خاموش ہو جاتا ہے زیادہ سے زیادہ کسی محفل میں اس کی برائیوں پہ تبصرہ کر لیتا ہے لیکن یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ اس سیلاب کو روکنے کی عملی صورت کیا ہے؟ ان تمام سوالات کے آگے ہماری عقل وفکر فہم وفراست، قوت عمل اور نیکی وتقویٰ کے تمام جذبات نے سپر ڈال رکھی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے صرف سینما، ٹی وی، ریڈیو، نشر واشاعت کے ذرائع اور حکومت کی بے حسی کا شکوہ کرنے سے بات نہیں بنتی۔ یہ سب چیزیں بلاشبہ اس تباہی کی ذمہ دار ہیں۔

لیکن ہمیں یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ اس کی بہت بڑی ذمہ داری خود ہم پر عائد ہوتی ہے۔ اگرچہ ہم خود اپنے جہد وعمل سے اس فحاشی وعریانی کے خلاف ایک عام مدافعانہ شعور پیدا کر سکتے تو ممکن نہیں کہ مذکورہ بالا ادارے جسارت اور ڈھٹائی کی اس حد پر اتر آئیں جو لوگ ہمارے معاشرے میں بے حیائی کی یہ لعنت پروان چڑھا رہے ہیں انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان کا یہ عمل صرف آخرت کے وبال ہی کو نہیں بلکہ دنیا میں عوامی غیظ وغضب کو بھی دعوت دے گا۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ اگر بسوں کے کرائے میں چند پیسوں کا اضافہ ہو جائے تو ہم ہاتھوں میں اینٹ پتھر لے کر سڑکوں پر نکل آتے ہیں ہماری تنخواہوں میں معمولی کمی رہ جائے تو ہم فریاد واحتجاج کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ اشیائے خوردنی کے دام چڑھ جائیں تو ہماری چیخ پکار سات سمندر پار تک پہنچتی ہے، اور ملک کا کوئی گوشہ ہمارے غم وغصہ کی یلغار سے سالم نہیں رہتا۔ لیکن جب نشر واشاعت کے یہ ادارے ہمارے نوجوانوں میں جنس پرستی کا کوڑھ پھیلاتے ہیں تو ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جب کوئی مال وزر کا پجاری نوجوانوں کو لوٹنے کے لئے کھلے چوراہوں پر عریاں تصویریں نصب کرتا ہے تو کوئی ہاتھ اسے روکنے کے لئے نہیں اٹھتا۔ جب کوئی جنس مریض ٹی وی کے عریاں پروگراموں کے ذریعہ ہمارے ایمان واخلاق پر ڈاکے ڈالتا ہے تو

کوئی زبان اس پر احتجاج کے لئے نہیں کھلتی اور جب اخبارات کے فلمی اشتہار ہمارے بچوں کو ڈھور ڈنگر بننے کا سبق دیتے ہیں تو ہمارے سینوں میں اشتعال کی کوئی لہر بیدار نہیں ہوتی۔

آج تو ایسے لوگ موجود ہیں جو کم از کم دل میں اس صورت حال سے نفرت کرتے ہیں لیکن اگر ہماری بے حسی کا یہی عالم رہا تو ڈریئے اس دن سے جب کوئی بھلا مانس ان بدعنوانیوں کو چیخ چیخ کر بھی برا کہے گا تو غلاظتوں کے ڈھیر میں پروان چڑھی ہوئی قوم اسے دیوانہ قرار دے گی۔ مغرب کے ''ترقی یافتہ'' ممالک ایک پیکر عبرت بن کر ہمارے سامنے جنہوں نے فحاشی کے عفریت کو کھلی چھوٹ دے کر اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا لیا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ آج ان کے مفکرین گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتے بھی ہیں تو ان کی شنوائی نہیں ہوتی' وجہ یہ ہے کہ جنسی جذبہ جب اعتدال سے بڑھتا ہے تو اسے کسی حد پر روکنا ممکن نہیں رہتا' موجودہ حالات اس بات کے گواہ ہیں کہ جنسی لذت کا شوق فطرت سلیمہ کی سرحد پار کرنے کے بعد ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ بجھنے والی پیاس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ انسان کو اس بیماری میں مبتلا ہونے کے بعد لطف و لذت کے کسی درجے پر صبر نہیں آتا' وہ انسانیت و شرافت کی ایک ایک قدر کو جھنجھوڑ ڈالتا ہے' پھر بھی اسے قناعت نصیب نہیں ہوتی' اور اس کی مثال صرف استسقا کے اس بھکائے ہوئے مریض کی سی ہوتی ہے جو آس پاس کے سارے گھڑے خالی کرنے کے بعد بھی پیاسا کا پیاسا دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ابھی وقت ہے کہ ہم بے راہ روی کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کریں۔ جب پانی سر سے اونچا ہو چکے گا تو قانون اور اخلاقیات کی ساری مشینریاں اس طوفان کو روکنے میں ناکام ہو جائیں گی۔

ہماری نظر میں فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ کچھ ملت کا درد رکھنے والے اصحاب صرف اس ایک انسداد فواحش کے مقصد کو لے کھڑے ہوں' اور اسی کو اپنی سوچ بچار اور جدوجہد کا موضوع بنائیں۔ دنیا میں چھوٹے چھوٹے مقاصد کے لئے بڑی بڑی انجمنیں اور جماعتیں قائم ہیں لیکن کوئی ایسی انجمن نظر نہیں آتی جو خالص انسداد فحاشی کے کام کر رہی ہو۔ اگر کوئی انجمن قائم ہو جائے اور اس کے اصحاب روزانہ کچھ وقت فارغ کر کے اس

مقصد میں صرف کریں تو ابھی اصلاح کی کافی توقع کی جاسکتی ہے۔اس انجمن کا طریق کار ہماری نظروں میں حسب ذیل ہونا چاہئے۔

(۱)۔عوام میں فحاشی وعریانی کے خلاف مدافعانہ بیدار کرنا اس غرض کے لئے تقریروں اور مذاکروں کا انعقاد اور تبلیغی لٹریچر کی تقسیم۔

(۲)۔اخبارات کے مدیروں سے ملاقات کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اپنے جرائد میں فحش تصویروں' عریاں اشتہارات اور غیر اخلاقی خبروں اور مضامین کا مکمل بائیکاٹ کریں۔ مدیرانِ عائد میں غالباً اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہیں ذاتی طور پر فحاشی کی ترویج کا شوق نہیں' لیکن وہ بے سوچے سمجھے زمانے کی رو پر بہہ رہے ہیں اور اگر انہیں افہام وتفہیم کے ذریعہ قائل کیا جاسکے۔تو شاید ان کے دل میں کوئی احساس پیدا ہو اور وہ اپنی اس روش کو بدل سکیں۔

(۳)۔جو اخبارات اپنی روش سے باز نہ آئیں' عوام میں ان کا بائیکاٹ کرنے کی مہم چلائی جائے۔

(۴)۔ریڈیو اور ٹی وی کے ذمہ داروں سے معزز شہریوں کے وفود ملاقات کریں اور انہیں فحاشی وبے حیائی کے پروگراموں سے روکنے کی کوشش کی جائے۔

(۵)۔عوامی وفود حکومت کے ذمہ داروں کے پاس پہنچیں اور انہیں اس سنگین صورت حال کے خلاف اپنے جذبات سے آگاہ کریں۔نشر واشاعت کے ذرائع سے ہر معاملے میں حکومت کی پالیسی کا رخ دیکھتے اور اس کے مطابق اپنے عمل کا ڈھانچہ تیار کرتے ہیں۔ موجودہ بے لگامی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان کو اس بات کا یقین ہے کہ حکومت اس قسم کے اقدامات کو ناپسند نہیں کرتی اس کے برخلاف اگر انہیں یہ احساس دلایا جائے کہ فحاشی وعریانی کا یہ انداز حکومت کی پالیسی کے خلاف ہے تو اس بے لگام ذہنیت میں ضرور کمی آئے گی۔

(۶)۔حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان سے ملاقات کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ''انسداد فواحش'' کے لئے ایک جامع قانون اسمبلی کے ذریعہ منظور کرائیں جس کے ذریعہ ملک بھر میں عریانی وفحاشی کے تمام اقدامات پر پابندی لگائی جاسکے۔

(۷) ۔عوام میں اس بات کی تحریک چلائی جائے کہ وہ ٹیلی ویژن کے ایسے پروگراموں کا قطعی بائیکاٹ کریں گے جو شرم وحیاء کی روایات کے خلاف ہیں۔

یہ کام ایک دو روز میں پورا ہو جانے والا نہیں ہے۔ اس کے لئے مسلسل جدوجہد متواتر عمل اور مستقل سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ جب تک کوئی معین جماعت اس کام کے لئے کھڑی نہیں ہوگی۔ اس وقت تک اس کی اہمیت محسوس کرنے والے حضرات بھی اسے آج سے کل اور کل سے پرسوں پر ٹلاتے رہیں گے لیکن یہ ضروری ہے کہ جو جماعت یا انجمن یا کام لے کر اٹھے اس پر کوئی سیاسی چھاپ نہ ہو اس میں ہر شعبہ زندگی کے افراد شامل ہوں اور وہ صرف اس محدود کام کو اپنا محور ومقصد بنا کر سرگرم ہو۔ کام شروع کرنے کے بعد خود اس کے نئے نئے راستے نظر آئیں گے اور دل میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق' اسلام کے لئے خلوص اور ملت کا سچا درد ہو تو ایسی کوشش رائیگاں نہیں جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ کچھ حساس دلوں میں اس کام کی اہمیت پیدا فرمادے اور وہ وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرسکیں۔ گر کسی صاحب دل کے سینے میں ان عاجزانہ گزارشات سے حرکت پیدا ہو اور وہ اس سلسلہ میں کوئی کام کرنے کا ارادہ کریں تو وہ مشورے کے لئے احقر کو بھی مطلع فرمادیں تو ممنون ہوں گا۔ وما توفیق الا باللہ۔

بے پردگی کا سیلاب

کچھ عرصے سے علماء مسلمان اہل فکر اور دینی جماعتوں کی بیشتر توجہ ملک کے سیاسی اور قانونی مسائل کی طرف اس شدت کے ساتھ مبذول رہی ہے کہ بہت سے اہم معاشرتی مسائل پیچھے چلے گئے ہیں اور ان کی طرف توجہ یا تو بالکل نہیں رہی یا بہت کم رہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف جس سست رفتاری سے سیاست اور قانون میں دین کا عمل دخل شروع ہوا ہے، دوسری طرف اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ معاشرت بالکل الٹی سمت میں بے دینی کی طرف دوڑ رہی ہے۔ بے پردگی اور بے حیائی گھر گھر پھیل چکی ہے۔ عریانی اور فحاشی نے حیاء عفت کا مفہوم تک ذہنوں سے محو کر دیا ہے، بڑوں کا احترام، خاندانی رشتوں کے اسلامی آداب قصۂ پارینہ بن چکے ہیں۔ دفتروں میں رشوت ستانی اور بازاروں میں سود، قمار اور دھوکہ فریب کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہے۔ اور اب ان برائیوں کی قباحت بھی دلوں سے مٹ چکی ہے۔ ان بہت سے مسائل میں سے آج کی نشست میں بے پردگی اور بے حیائی کے مسئلے پر چند دردمندانہ گذارشات قارئین کی خدمت میں پیش کرنی ہیں جن کا تعلق عام مسلمانوں سے بھی ہے، علماء اور اہل فکر سے بھی حکومت وقت سے بھی۔

اسلام نے خواتین کو عزت و حرمت کا جو مقام بخشا ہے اور اس کے تقدس کی حفاظت کے لئے جو تعلیمات دی ہیں وہ دنیا بھر کے مذاہب اور اقوام میں ایک منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔ اسلام نے ایک طرف عورت کی حرمت اور دوسری طرف اس کے جائز تمدنی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے جو احکام فرمائے ہیں ان کی حکمتوں کا احاطہ انسانی عقل کے ادراک سے بالاتر ہے، مسلمان عورت اپنی عزت کے تحفظ کے ساتھ تمام ضروری تمدنی حقوق رکھنے کے باوجود تلاش معاش میں ماری ماری پھرنے کے لئے نہیں بلکہ گھر کی ملکہ بننے کے لئے پیدا ہوئی ہیں، اسی لئے شریعت نے اس کی عمر کے کسی مرحلہ میں فکر معاش کا بوجھ اس کی گردن پر ڈالا نہیں، خال خال صورتیں تو مستثنیٰ ہیں لیکن عام حالات میں شادی سے پہلے

اس کے معاش کی ذمہ داری باپ پر اور شادی کے بعد شوہر یا اولاد پر ڈالی گئی ہے، لہٰذا ناگزیر ضرورتوں کو چھوڑ کر عام طور پر اسے معاش کے لئے سڑکیں چھاننے کی ضرورت نہیں، چنانچہ اس کی عزت و آبرو اور اس کی حرمت و تقدس کو سلامت رکھنے کے لئے حکم یہ دیا گیا ہے کہ:

وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولیٰ (سورۃ احزاب: ۳۳)

"اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور پچھلی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ پھرا کرو"

ضرورت کے موقع پر عورت کو گھر سے باہر جانے کی اجازت بھی اسلام نے دی ہے لیکن اس طرح کہ وہ پردے کے آداب و شرائط کو ملحوظ رکھ کر بقدر ضرورت باہر نکلے اور اپنے آپ کو ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بننے سے بچائے۔ اس غرض کے لئے مرد و عورت کے درمیان فطری تقسیم کار یہ رکھی گئی ہے کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے اور مرد کے لئے کما کر لانا عورت پر اس کا کوئی احسان نہیں، اس کا لازمی فریضہ ہے، بلکہ اس معاملے میں اسلام نے عورت کو یہ فضیلت اور امتیاز بخشا ہے کہ گھر کا انتظام بھی قانونی طور پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے، اخلاقی طور پر اس کو اس بات کی ترغیب ضرور دی گئی ہے کہ وہ شوہر کے گھر کی دیکھ بھال کرے لیکن اگر کوئی عورت اپنی اس اخلاقی ذمہ داری کو پورا نہ کرے تو مرد اس کو بزور قانون اس پر مجبور نہیں کر سکتا، اس کے برخلاف مرد پر عورت کے لئے کمانے کی ذمہ داری اخلاقی بھی ہے اور قانونی بھی اور اگر کوئی مرد اس میں کوتاہی کرے تو عورت بزور قانون اسے اس ذمہ داری کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے۔

اسلام نے عورت کو یہ امتیاز اس لئے عطا فرمایا ہے تاکہ وہ کسب معاش کی الجھنوں میں پڑ کر معاشرتی برائیوں کا سبب بننے کے بجائے گھر میں رہ کر قوم کی تعمیر کی خدمت انجام دے، گھر کا ماحول معاشرے کی وہ بنیاد ہے جس پر تمدن کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے اگر یہ بنیاد خراب ہو تو اس کا فساد پورے معاشرے میں سرایت کر جاتا ہے، اس کے برعکس اگر ایک مسلمان خاتون اپنے گھر کے ماحول کو سنوار کر ان نونہالوں کی صحیح تربیت کرے جنہیں آگے چل کر قوم و ملک کا بوجھ اٹھانا ہے تو ساری قوم خود کار طریقے پر سنور سکتی ہے اور اس طرح مرد و عورت کی عزت و آبرو کا پورا تحفظ ہوتا ہے۔

اور دوسری طرف ایک ایسا ستھرا گھریلو نظام وجود میں آتا ہے جو مل کر پورے معاشرے کی پاکیزگی کا ضامن بن سکتا ہے لیکن جس ماحول میں معاشرے کی پاکیزگی کوئی قیمت ہی نہ رکھتی ہو اور جہاں عفت وعصمت کے بجائے اخلاق باختگی اور حیا سوزی کو منتہائے مقصود سمجھا جاتا ہو، ظاہر ہے کہ وہاں اس تقسیم کار اور پردہ اور حیا کو نہ صرف غیر ضروری بلکہ راستے کی رکاوٹ سمجھا جائے گا چنانچہ جب مغرب میں تمام اخلاقی اقدار سے آزادی کی ہوا چلی تو مرد نے عورت کو گھر میں رہنے کو اپنے لئے دوہری مصیبت سمجھا۔ ایک طرف تو اس کی ہوس ناک طبیعت عورت کی کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر قدم قدم پر اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی اور دوسری طرف وہ اپنی قانونی بیوی کی معاشی کفالت کو بھی ایک بوجھ تصور کرتا تھا، چنانچہ اس نے دونوں مشکلات کا جو عیارانہ حل نکالا اس کا خوبصورت اور معصوم نام "تحریک آزادی نسواں" رکھا۔ عورت کو یہ پڑھایا گیا کہ تم اب تک گھر کی چار دیواری میں قید رہی ہو، اب آزادی کا دور ہے اور تمہیں اس قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے ہر کام میں حصہ لینا چاہیے۔ اب تک تمہیں حکومت وسیاست کے ایوانوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔ اب تم باہر آکر زندگی کی جدوجہد میں برابر کا حصہ بنو تو دنیا بھر کے اعزازات اور اونچے اونچے منصب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

عورت بے چاری ان دل فریب نعروں سے متاثر ہو کر گھر سے باہر آگئی اور پروپیگنڈے کے تمام وسائل کے ذریعہ شور مچا مچا کر اسے یہ باور کرادیا گیا کہ اسے صدیوں کی غلامی کے بعد آج آزادی ملی ہے، اور اب اس کے رنج ومحن کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ ان دلفریب نعروں کی آڑ میں عورت کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لایا گیا۔ اسے دفتروں میں کلرکی عطا کی گئی، اسے اجنبی مردوں کے پرائیویٹ سیکرٹری کا "منصب" بخشا گیا اسے "اسٹینو ٹائپسٹ" بننے کا اعزاز دیا گیا۔ اسے سینکڑوں انسانوں کی حکم برداری کے لئے "ایئر ہوسٹس" کا "عہدہ" عنایت کیا گیا۔ اسے تجارت چمکانے کے لئے "سیلز گرل" اور "ماڈل گرل" بننے کا شرف بخشا گیا اور اس کے ایک ایک عضو کو برسر بازار رسوا کر کے گاہکوں کو دعوت دی گئی کہ آؤ، اور ہم سے مال خریدو۔ یہاں تک کہ وہ عورت جس کے سر پر دین فطرت نے عزت

وآبرو کا تاج رکھا تھا اور جس کے گلے میں عفت وعصمت کے ہار ڈالے تھے، تجارتی اداروں کے لئے ایک شوپیس اور مرد کی تھکن دور کرنے کے لئے ایک تفریح کا سامان بن کر رہ گئی۔

نام یہ لیا گیا تھا کہ عورت کی ''آزادی'' دے کر سیاست وحکومت کے ایوان اس کے لئے کھولے جارہے ہیں۔ لیکن ذرا جائزہ لے کر تو دیکھئے کہ اس عرصے میں خود مغربی ممالک کی کتنی عورتیں صدر دو وزیر اعظم یا وزیر بن گئیں؟ کتنی خواتین کو جج بنایا گیا؟ کتنی عورتوں کو دوسرے بلند مناصب کا اعزاز نصیب ہوا؟ اعداد وشمار جمع کئے جائیں تو ایسی عورتوں کا تناسب بمشکل چند فی لاکھ ہوگا۔ ان گنی چنی خواتین کو کچھ مناصب دینے کے نام پر باقی لاکھوں عورتوں کو جس بے دردی کے ساتھ سڑکوں اور بازار میں گھسیٹ کر لایا گیا ہے وہ ''آزادی نسواں'' کے فراڈ کا المناک ترین پہلو ہے۔ آج یورپ اور امریکہ میں جا کر دیکھو تو دنیا بھر کے تمام نچلے درجے کے کام عورت کے سپرد ہیں۔ ریستورانوں میں کوئی مرد ویٹر شاذ ونادر ہی کہیں نظر آئے گا ورنہ یہ خدمات تمام تر عورتیں انجام دے رہی ہیں، ہوٹلوں میں مسافروں کے کمرے صاف کرنے اور ان کے بستر کی چادریں بدلنے اور ''روم اٹنڈنٹ'' کی خدمات تمام تر عورتوں کے سپرد ہیں دکانوں پر مال بیچنے کیلئے مرد خال خال نظر آئیں گے یہ کام بھی عورتوں ہی سے لیا جارہا ہے۔ دفاتر کے استقبالیوں پر عام طور سے عورتیں ہی تعینات ہیں اور بیرے سے لے کر کلرک تک تمام ''مناصب'' زیادہ تر اسی صنف نازک کے حصہ میں آئے ہیں۔ جسے گھر کی قید سے ''آزادی'' عطا کی گئی ہے۔

پروپیگنڈے کی قوتوں نے یہ عجیب وغریب فلسفہ ذہنوں میں مسلط کر دیا ہے کہ عورت اگر اپنے گھر میں اپنے اور اپنے شوہر، اپنے ماں باپ بہن بھائیوں اور اولاد کے لئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلت ہے لیکن وہی عورت اجنبی مردوں کے لئے کھانا پکائے ان کے کمروں کی صفائی کرے، ہوٹلوں اور جہازوں میں ان کی میزبانی کردے، دکانوں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے اور دفاتر میں اپنے افسروں کی نازبرداری کرے تو یہ ''آزادی'' اور اعزاز ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

پھر ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ عورت کسب معاش کے لئے آٹھ آٹھ گھنٹے کی یہ سخت

2 اور ذلت آمیز ڈیوٹیاں ادا کرنے کے باوجود اپنے گھر کے کام دھندوں سے اب بھی فارغ نہیں ہوئی، گھر کی تمام خدمات آج بھی پہلے کی طرح اسکی ذمہ ہیں اور یورپ اور امریکہ میں اکثریت ان عورتوں کی ہے جن کو آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی دینے کے بعد اپنے گھر پہنچ کر کھانا پکانے، برتن دھونے اور گھر کی صفائی کا کام اب بھی کرنا پڑتا ہے۔

یہ تو اس نام نہاد ''آزادی'' کے وہ نتائج ہیں جو خود عورت اپنی ذاتی زندگی میں بھگت رہی ہے اور مرد وزن کے بے محابا اختلاط سے پورے معاشرے میں بداخلاقی، جنسی جرائم، بے راہ روی اور آوارگی کی جو تباہ کن وبائیں وہاں پھوٹی ہیں وہ کسی بھی باخبر انسان سے پوشیدہ نہیں۔ عائلی نظام کی اینٹ سے اینٹ بج گئی ہے، حسب ونسب کا کوئی تصور باقی نہیں رہا۔ عفت وعصمت داستان پارینہ بن چکی ہے۔ طلاقوں کی کثرت نے گھر کے گھر اجاڑ دیئے ہیں جنسی جنون تصور کی خیالی سرحدیں بھی پار کر چکا ہے اور فحاشی کے عفریت نے انسانیت کی ایک ایک قدر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ یہ واقعات کسی خیالی دنیا کے نہیں ہیں، یہ مغربی ممالک کے وہ ناقابل انکار حالات ہیں جن کا ہر شخص وہاں جا کر مشاہدہ کرسکتا ہے اور جو لوگ وہاں نہیں جاسکتے۔ ان حالات کی خبریں لازماً ان تک بھی پہنچتی رہتی ہیں۔ تقلید مغرب کے جو شائقین شروع شروع میں وہاں جا کر آباد ہوئے کچھ عرصے تک وہاں کی چمک دمک کی سیر کرنے کے بعد جب خود صاحب اولاد ہوئے اور اپنی بچیوں کا مسئلہ سامنے آیا تو ان کی پریشانی اور بے چینی کا یہاں رہ کر اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔

سوال یہ ہے کہ کیا کوئی مسلمان جس کے دل میں ایمان کی کوئی رمق موجود ہو یہ پسند کرسکتا ہے کہ خدانخواستہ یہ گھناؤنے حالات ہمارے اپنے ملک اور اپنے معاشرے میں بھی دہرائے جائیں؟ اگر نہیں! اور یقیناً نہیں تو یہ کیسا ستم ہے کہ ہم بھی رفتہ رفتہ بے پردگی اور بے حجابی کے اسی راستے پر چل رہے ہیں جس نے مغرب کو معاشرتی تباہی اور اخلاقی دیوالیہ پن کے آخری سرے تک پہنچا دیا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمان خاندان کی خواتین کی سواریوں پر بھی پردے بندھے ہوئے ہوتے تھے اور پردہ شرافت و عالی نسبی کا نشان سمجھا جاتا تھا، لیکن آج انہیں شریف گھرانوں کی

بیٹیاں بازاروں میں برہنہ سر گھوم رہی ہیں۔ بڑے شہروں میں تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ شہر میں برقعے کی شکل خال خال ہی کہیں نظر آتی ہے، بے پردگی کے سیلاب نے حیاء وغیرت کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے اور دیندار گھرانوں میں بھی پردے کی اہمیت کا احساس روز بروز گھٹ رہا ہے۔

بعض لوگ بے پردگی کی حمایت میں کہتے نظر آتے ہیں کہ ہماری بے پردگی کو یورپ اور امریکہ کی بے پردگی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور یہاں کی بے پردگی وہ نتائج پیدا نہیں کرے گی جو مغرب میں پیدا ہو چکے ہیں لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ جو کچھ مغرب میں ہوا یا ہو رہا ہے وہ فطرت کے ساتھ بغاوت کے لازمی اور منطقی نتائج ہیں، یہ بغاوت جہاں کہیں ہوگی، اپنے انہی منطقی نتائج تک پہنچ کر رہے گی، ان نتائج کو کھوکھلے فلسفوں سے نہیں روکا جاسکتا اور جو لوگ بے پردگی کو فروغ دینے کے بعد معاشرے میں عفت وعصمت باقی رکھنے کے دعوے کرتے ہیں یا تو خود احمقوں کی جنت میں بستے ہیں یا دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں۔ واقعات اس بات کے گواہ ہیں کہ جب سے ہمارے معاشرے میں بے پردگی کا رواج بڑھا ہے اس وقت سے اغوا، زنا اور دوسرے جرائم کی شرح کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے، اور اس طرح جس مقدار میں ہم بے پردگی کی طرف بڑھے اسی تناسب سے مغربی معاشرے کی لعنتیں بھی ہمارے یہاں سرایت کر گئی ہیں۔

ان لعنتوں کے سدباب کا اگر کوئی راستہ ہے تو صرف یہ کہ ہم پردے کے سلسلے میں اپنے طرز عمل کو بدل کر دین فطرت کی انہی تعلیمات کی طرف لوٹیں جنہوں نے ہمیں پاکیزہ زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ پروپیگنڈے اور خراب ماحول کے زیر اثر رفتہ رفتہ بے پردگی کی برائی ذہنوں سے محو ہوتی جارہی ہے اور جن گھرانوں کے بارے میں کبھی بے پردگی کا تصور بھی نہیں آسکتا تھا، اب وہاں بھی وہ ختم ہو رہا ہے گھر کے وہ بڑے جو بذات خود بے پردگی کو برا سمجھتے ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ اس سیلاب کے آگے سپر ڈال رہے ہیں، اور ہمارے نزدیک اس سیلاب کی تیز رفتاری کا بڑا سبب یہی ہے۔ اگر یہ لوگ سپر ڈالنے کے بجائے اپنے گھروں کا ذہن بنانے کی فکر کریں، انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام یاد دلائیں، ان احکام کی نافرمانی کے سنگین نتائج سے آگاہ

کریں اور انہیں یہ باور کرادیں کہ وہ اپنی موجودگی میں اپنے گھر کی خواتین کو بے پردہ نہیں دیکھیں گے تو ان شاء اللہ اس سیلاب پر روک ضرور قائم ہوگی۔

ہمارے خطباء اور واعظ حضرت نے بھی ایک مدت سے اس مسئلے کی وضاحت چھوڑ رکھی ہے اور اس اسلامی حکم کی تعلیم و تبلیغ میں بھی بہت سستی آ گئی ہے۔ شاید یہ خیال ہونے لگا ہے کہ اس معاملے میں وعظ و نصیحت بے اثر ہو چکی ہے۔ لیکن خوب سمجھ لینا چاہئے کہ داعی حق کا کام یہ ہے کہ وہ تھکنے اور مایوس ہونے کے بجائے اپنے حصے کا کام انجام دیتا رہے، نتائج تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں لیکن داعی کا کام یہ ہے کہ وہ دعوت کو سست نہ پڑنے دے، تجربہ اس بات کا گواہ ہے کہ اخلاص کیساتھ جو بات کہی جاتی رہے وہ ایک نہ ایک دن اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔ یہ قرآن کریم کا وعدہ ہے:

وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین

"اور نصیحت کرو، کہ بلاشبہ نصیحت مومنوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔"

حالات بلاشبہ تشویشناک ہیں، لیکن بفضلہ تعالیٰ ابھی ہمارا معاشرہ اس مقام پر نہیں پہنچا جہاں اصلاح کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی، ہزار غفلتوں اور کوتاہیوں کے باوجود بحمداللہ ابھی لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور یوم آخرت پر ایمان موجود ہے اور اس دولت ایمان کی وجہ سے ابھی دعوت و تبلیغ کرنے کے لئے لوگوں کے کان بالکل بند نہیں ہوئے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اخلاص اور حکمت کے ساتھ مؤثر انداز میں حق کی دعوت متواتر پہنچتی رہے۔ اگر خدانخواستہ اس مرحلہ پر اس فریضے میں کوتاہی جاری رہی تو اصلاح کی کوششیں روز بروز مشکل تر ہوتی جائیں گی اور خدا نہ کرے کہ ہمارے معاشرت میں وہ صورت حال پیدا ہو جس سے آج مغربی ممالک دوچار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ روز بد نہ دکھائے، اور اصلاح حال کے لئے اپنے حصے کا کام صدق و اخلاص اور لگن کے ساتھ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔ (اصلاحی مضامین)

فحاشی کا عذاب

''ایڈز''

ایک حدیث میں نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جب کبھی کسی قوم میں فحاشی کا رواج بڑھتا ہے، یہاں تک کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کرنے لگتے ہیں تو ایسے لوگوں کے درمیان طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے گذرے ہوئے اسلاف کے زمانے میں موجود نہیں تھیں۔'' (سنن ابن ماجہ)

آج دنیا میں نئی سے نئی بیماریاں سامنے آ رہی ہیں، بہت سی بیماریاں تو ایسی ہیں جن کا پہلے نہ کوئی تصور تھا، نہ ان کا نام کہیں سنا گیا تھا اور بہت سی ایسی ہیں کہ پہلے کہیں اِکا دُکا کسی کو ہو جاتیں تو ایک انہوتے عجوبے کی طرح اس کا شور مچ جاتا تھا لیکن آج بیماریاں بستی بستی پھیل گئی ہیں اور ان میں مبتلا ہونے والوں کی تعداد روز افزوں ہے۔ ان تمام ہی بیماریوں کو مذکورہ بالا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ دنیا میں جس رفتار سے فحاشی بڑھ رہی ہے، اسی رفتار سے ان بیماریوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

لیکن حال ہی میں ۱۹۸۱ء کے بعد ایک خوفناک بیماری امریکہ وغیرہ میں ایسی پیدا ہوئی ہے جسے سوائے فحاشی کے عذاب سماوی کے کسی اور عنوان سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ''ایڈز'' کی وہ مہلک بیماری ہے جس کا چرچا آج کل اخبارات و رسائل میں بکثرت ہوتا رہتا ہے۔ یوں تو اس بیماری میں یکایک وزن گھٹتے جانا، بخار، دست وغیرہ کی علامت نمایاں ہوتی رہتی ہیں، دماغ بھی اس سے متاثر ہوتا ہے لیکن اس بیماری کی خوفناک ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مریض کے جسم سے ہر قسم کی قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد خفیف سے خفیف بیماری کا بھی اس میں تحمل نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک معمولی سا عارضہ بھی جان لیوا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ اس بیماری میں مبتلا ہونے کو موت کا یقینی ہونا سمجھا جاتا ہے۔ اس بیماری

کا کوئی علاج ابھی تک دریافت نہیں ہوا اور اطباء اب تک کی تحقیق و جستجو سے جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ اس بیماری کا سب سے بڑا سبب رگ کے انجکشن کے ذریعے منشیات کا استعمال اور جنسی اختلاط کی کثرت ہے اور یہ یا تو ہم جنسی (غیر فطری عمل) سے پیدا ہوتی ہے، یا ایسے مردوں کو لگتی ہے جو کسی امتیاز کے بغیر زیادہ عورتوں سے جنسی تعلق قائم رکھتے ہوں نیز ایسی عورتوں کو جو زیادہ مردوں سے جنسی تعلق استوار کرتی ہوں۔

جب سے امریکہ میں یہ بیماری پیدا ہوئی ہے، وہاں کے اخبارات و رسائل میں اس موضوع پر ایک کہرام مچا ہوا ہے، ان کے تقریباً ہر دوسرے تیسرے شمارے میں ایڈز کی خبریں، اس پر تبصرے اور اس سلسلے میں لوگوں کے تاثرات شائع ہوتے رہتے ہیں لیکن اس مرتبہ امریکہ کے ایک رسالے "ٹائم" نے اپنی ۱۶ر فروری کی اشاعت میں اس موضوع پر تین بہت مفصل مقالے شائع کئے ہیں اور ان کی اہمیت کے پیش نظر انہی میں سے ایک مقالے کے عنوان کو اپنے ٹائٹل پر جلی الفاظ میں چھاپا ہے۔ عنوان یہ ہے:

"لرزہ خیز خطرہ" "زیادہ مخلوط جنسی تعلقات رکھنے والے کس طرح ایڈز کے منہ میں جا رہے ہیں؟"

ایک مضمون "ٹائم" کی ایک خاتون ایسوسی ایٹ ایڈیٹر مرتھا سمیلجس نے لکھا ہے اور دوسرا ایک اور ایسوسی ایٹ ایڈیٹر کلاڈیا والٹس کا لکھا ہوا ہے ، ان دونوں نے یہ مضامین "ایڈز" اور اس کے اثرات کے ایک صحافیانہ سروے کے بعد لکھے ہیں تیسرا مضمون مائیکل ایس سیرل کا ہے جس نے افریقہ میں اس بیماری کی تباہ کاریوں کا جائزہ لیا ہے۔ ان مضامین میں دیئے گئے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت امریکہ میں تیس ہزار سے زائد افراد ایڈز کے مرض میں مبتلا ہیں۔ اٹلانٹا کے طبی مرکز کے مطابق جو لوگ بلا امتیاز مختلف افراد سے جنسی تعلق قائم رکھتے ہیں، ان میں اس بیماری کی بنا پر اموات کی شرح ۱۹۸۶ء کے مقابلے میں دگنی ہوگئی ہے لیکن اس بیماری کا تشویشناک پہلو یہ ہے کہ اس کا جرثومہ جسم میں داخل ہونے کے بعد ظاہری مرض کی شکل اختیار کرتے کرتے مختلف افراد میں مختلف مدتیں لے لیتا ہے۔

بعض ماہرین کے خیال کے مطابق یہ مدت دس سال تک وسیع ہوسکتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس جنسی عمل کے ذریعے بیماری کا جرثومہ جسم میں داخل ہوا، ضروری نہیں کہ

اس کے بعد جلدی ہی اس کے اثرات بیماری کی شکل میں ظاہر ہو جائیں، بلکہ بعض اوقات یہ اثرات دس سال بعد بھی ظاہر ہو سکتے ہیں، اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے محکمہ صحت کا اندازہ یہ ہے کہ اس وقت امریکہ میں دس لاکھ سے زیادہ افراد ایڈز کے جراثیم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں جن میں سے نوے فیصد افراد کو اپنے بارے میں اس ہولناک حقیقت کا علم بھی نہیں ہے۔ امریکہ کے علاوہ براعظم افریقہ میں بھی یہ بیماری تیزی سے پھیل رہی ہے اور افریقہ میں بیس لاکھ سے پچاس لاکھ تک کی تعداد ایڈز میں مبتلا ہو چکی ہے، امریکہ کے محکمہ" صحت وانسانی خدمات" کے سیکرٹری اوٹس باؤن کا کہنا ہے کہ:

"اگر ہم بیماری کی روک تھام میں کوئی مؤثر پیش رفت نہ کر سکے تو آئندہ دس سال کے اندر دنیا کے کروڑوں افراد کے لئے ایک عالمگیر پیغام موت کا خوفناک اندیشہ پیدا ہو جائے گا۔"

اور جان ہاپ کنس یونیورسٹی کے ماہر وبائی امراض بی فرینک پاک نے کہا ہے کہ:

"بعض ملک اپنی آبادی کا ۲۵ فیصد حصہ اس وبائی مرض میں گنوا بیٹھیں گے۔"

ابھی تک اس بیماری کا کوئی علاج دریافت نہیں ہوا، بڑی کدوکاش کے بعد جو چند دوائیں ایجاد ہوئی ہیں وہ صرف عارضی تدابیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن سے عوارض کی شدت میں وقتی افاقہ ہو جاتا ہے لیکن مرض ختم نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے بعض دوائیں کچھ اور پیچیدگیاں پیدا کر دیتی ہیں، جن میں خون کی بے حد کمی اور غشی وغیرہ داخل ہیں۔ بعض دواؤں کے استعمال کے دوران ہر ہفتے مریض کے جسم کا سارا خون تبدیل کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف یہ عارضی اور وقتی علاج بھی اس قدر مہنگا ہے کہ امریکہ میں ایڈز کے مریضوں کی دیکھ بھال پر آنے والے اخراجات کا تخمینہ دس کروڑ ڈالر سے زیادہ ہے اور اندازہ یہ ہے کہ یہ اخراجات ۱۹۹۱ء تک ایک ارب چار کروڑ ڈالر سالانہ تک پہنچ جائیں گے۔

(ٹائم کا مذکورہ شمارہ صفحہ ۲۸، کالم ۳)

ایک اور تحقیق کے مطابق امریکہ میں ایڈز کے دس مریضوں کے علاج پر چار لاکھ پچاس ہزار ڈالر کا خرچ آیا۔ یہ رقم افریقی ملک زائر کے سب سے بڑے ہسپتال کے پورے سال کے بجٹ سے بھی زائد ہے۔ (ص ۳۳ کالم ۲) اس طرح ایڈز کی بیماری میں مبتلا ملکوں

کے لئے ایک معاشی چیلنج بھی بنتی جارہی ہے۔ اس بیماری سے حفظ ماتقدم کا بھی کوئی یقینی طریقہ دریافت نہیں ہوا، امریکی محکمہ صحت کے مطابق:

"ہر وہ شخص جو کسی نئی ساتھی کے ساتھ جنسی عمل میں مشغول ہو، یا کسی ایسے پرانے ساتھی کے ساتھ جس کا ماضی نامعلوم ہے، ایڈز کے خطرے کا شکار ہے۔" (ص ۲۵ کالم ۲)

امریکی معاشرے میں بلا امتیاز جنسی تعلقات کا جو گھناؤنا سیلاب امڈ آیا ہے، اس کی بناء پر بسا اوقات شوہر اور بیوی کو بھی ایک دوسرے کا "جنسی ماضی" معلوم نہیں ہوتا، اس لئے یہ خطرہ گھر گھر پھیل رہا ہے، اور جب تک دونوں رفیق زندگی مکمل طور پر اپنا ٹیسٹ نہ کرائیں، اس وقت تک ایک شادی شدہ جوڑا بھی، جو آئندہ بدکاری سے تائب ہو چکا ہو، اس خطرے سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اٹلانٹا کا طبی مرکز اس وقت ایڈز کے سدباب کے سلسلے میں سب سے زیادہ سرگرم ہے اور مارتھا سمیلجس نے اپنے مضمون میں اس کے ایک ذمہ دار افسر کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ:

"ہم اپنے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں کیے ہوئے گناہوں کی قیمت ادا کر رہے ہیں، جب حالت یہ تھی کہ ایک رات آتی تو کوئی ذمہ داری قبول کیے بغیر جنسی عمل کا ارتکاب ایک دلکش فیشن سمجھا جاتا۔" (ص ۲۵ کالم ۴)

بعض لوگ اب اس نہج پر سوچنے لگے ہیں اور اس صورت حال کا دیرپا علاج اسی میں سمجھتے ہیں کہ بلا امتیاز جنسی تعلقات قائم کر کے فطرت کے ساتھ اس بغاوت کا سلسلہ اب ختم ہونا چاہیے۔ مارتھا سمیلجس لکھتی ہے:

"تاہم ہر سطح پر محکمہ صحت کے افسران اس بات کی وکالت کر رہے ہیں جو قریب قریب ایک سماجی انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے، امریکہ محکمہ "صحت وانسانی خدمات" کے سیکرٹری اوٹس، آر بادن کہتے ہیں کہ طریق زندگی میں تبدیلی لانے کی ناگزیر ضرورت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے" ۱۹۸۰ء کے بعد کے امریکہ کے لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ گذشتہ ربع صدی میں جو جنسی انقلاب آیا تھا اسے منسوخ کر دیا جائے۔" (ص ۲۵ کالم ۱)

"جن لوگوں کے بے امتیاز جنسی اختلاط کے نتیجے میں اپنے اندر اس بیماری کا شبہ پیدا ہو گیا ہے، اب وہ ہر جنسی عمل سے انتہائی خوفزدہ ہیں۔ بعض افراد نے اپنے اندر ایڈز کی

بیماری موجود ہونے کی خبر سنتے ہی اس کی اذیتوں کے خوف سے خودکشی کرلی ہے۔ اٹلانٹا کا طبی مرکز جو ایسے لوگوں کی پناہ گاہ بنا ہوا ہے، اس میں صبح وشام ایسے لوگوں کے فون آتے رہتے ہیں۔ مرکز کی ڈائریکٹر میری ہلیمنگ کہتی ہیں کہ "میں جنسی اختلاط رکھنے والی عورتوں میں شدید خوف کے اثرات دیکھتی ہوں۔ جو اب باقی ماندہ زندگی میں تجرد اختیار کرنے کا فیصلہ کررہی ہیں۔" (ص ۲۵ کالم ۳)

"لیکن امریکی معاشرے میں جنسی بے راہ روی جس بری طرح رچ بس گئی ہے اور وہ اس سلسلے میں جس مقام پر پہنچ چکا ہے، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے اصلاح حال کی کوشش کرنے والے اس بات سے تقریباً مایوسی کا اظہار کررہے ہیں کہ معاشرے کے جنسی طرزعمل میں کوئی نمایاں تبدیلی آسکے گی، کیونکہ جن لوگوں کو ابھی اس وباء سے براہ راست واسطہ نہیں پڑا، وہ اپنے جنسی طرزعمل میں ادنیٰ تبدیلی لانے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں، بلکہ اس تصور کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، جس کی کئی مثالیں "ٹائم" کے زیرنظر مضامین میں دی گئی ہیں لہٰذا محکمہ صحت کی دوسری کوشش یہ ہے کہ کم ازکم لوگ جنسی عمل کے دوران ایسی احتیاطی تدابیر کریں جو ایڈز کی روک تھام کرسکیں۔ ان احتیاطی تدابیر میں کنڈوم (مانع حمل غلاف) کا استعمال بھی شامل ہے چنانچہ "محفوظ جنسی عمل" (SAFE SEX) کے عنوان سے ان تدابیر کی تعلیم وتبلیغ ہر جگہ جاری ہے۔"

"لیکن ان تدابیر کی تعلیم وتبلیغ سے فحاشی میں کوئی کمی آنے کے بجائے اس میں اضافہ ہوگیا ہے کیونکہ مارتھا سمِلجس کے الفاظ میں اس طرح پریس میں اور ٹیلی ویژن پر انسان کی جسمانی حرکات اور کنڈوم جیسے جنسی تحفظات کے استعمال پر مفصل مذاکرے ہونے لگے ہیں اور ان کے نتیجے میں جنسی عمل کے طریقے عوام میں اتنے الم نشرح ہوکر پھیل گئے ہیں کہ ایک سال پہلے ان کے اس طرح گھر گھر پھیلنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔" (ص ۲۵ کالم)

"اس کے باوجود جن لوگوں کو اس بیماری سے کوئی قریبی واسطہ نہیں پڑا، وہ ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہیں۔ جب انہیں ایڈز کے خطرات کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ "ہم تو ایسا کرتے ہیں ہمیں کچھ نہیں ہوگا" حد یہ ہے کہ نیو یارک کی کولمبیا یونیورسٹی میں "خدمات صحت" کے ڈائریکٹر نے طلبا اور طالبات کی سہولت کی

خاطر خدمات صحت کی عمارت کے بیت الخلاؤں میں ''کنڈوم'' کی فراہمی کا انتظام کر دیا۔ نیز ۳۱ صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ تقسیم کرایا جس میں ''محفوظ جنسی عمل'' کے بارے میں معلومات اتنی وضاحت کے ساتھ درج تھیں کہ اس کے جو فقرے ''ٹائم'' کے مضمون میں نقل کئے گئے ہیں۔ انہیں نقل کرنے کی راقم الحروف کے قلم میں سکت نہیں ہے۔ کیلیفورنیا کی مشہور یونیورسٹی میں دو ہفتے قبل ''ایڈز اور کالج کا احاطہ'' کے موضوع پر ایک سمپوزیم کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس میں 90 کالجوں کے 435 نمائندوں نے شرکت کی اس سمپوزیم کے دوران ایک فلم دکھائی گئی جس میں ''محفوظ جنسی عمل'' کا عملی مظاہرہ پیش کیا گیا تھا۔''

''لیکن طلباء ان خدمات سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار نہیں وہ مذکورہ کتابچے ردی کے ٹوکروں میں پھینک جاتے ہیں، اور کنڈوم ''کو'' کو بے آرامی کا ذریعہ (INCDNUENIENCE) قرار دیتے ہیں۔ ایک اکیس سالہ طالب علم سے جب اس طرز عمل کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ'' جذبات کے برانگیختہ ہونے کے بعد انسان ایسے مراحل پر پہنچ جاتا ہے جہاں رکنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس وقت پانچ سال بعد کی بات نہیں سوچی جا سکتی۔ اس وقت تو صرف اسی وقت کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔'' (ص ۶۲ کالم ۲، ۳)

ایک ناول نگار خاتون اریکا جونگ جو جنسی آزادی کی سرگرم پرچار کر رہی ہے، واشنگٹن پوسٹ کے ایک کالم میں ان احتیاطی تدابیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہے:

''اب یہ کام بہت مشکل ہے کہ کوئی دلکش تنہا مرد اس سے یہ تحقیق کئے بغیر حاصل کیا جا سکے کہ اس کے جنسی تعلقات اور منشیات کے استعمال کی تاریخ کیا رہی ہے؟ نیز اس کے خون کے معائنے کے نتائج بھی معلوم کرنے ہوں گے پھر اس کے ہاتھ میں کنڈوم بھی تھمانا ہوگا۔ کیا اس سارے جھنجھٹ کے مقابلے میں جنسی عمل سے بالکلیہ دستبردار ہو کر کسی مذہبی تنظیم میں شامل ہو جانا زیادہ آسان نہیں؟'' (ص ۲۵ کالم)

یہ ہیں وہ حالات جن میں صحت کی ایک معلمہ میری شرمن کا کہنا ہے کہ'' ہمارے اور کنڈوم کو قبول کرنے کے درمیان پوری ایک نسل کا فاصلہ ہے۔ چنانچہ ساری کوششوں کے

باوجود لاس اینجلز کے ''ایڈز پروجیکٹ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر جرمن میسونٹ کا تخمینہ یہ ہے کہ اوسطاً ہر پانچ سیکنڈ بعد ایک امریکی انتہائی خطرناک جنسی عمل میں مصروف ہوتا ہے۔''

امریکن کالج ہیلتھ ایسوسی ایشن نے ایک ٹاسک فورس ایڈز کے مقابلے کے لئے بنائی ہے اس کے چیئرمین میں ڈاکٹر رچرڈ کیلنگ نے تعلیمی جدوجہد کے نتائج سے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''تعلیم صحت کے بارے میں ایک یاس انگیز نظریہ یہ ہے کہ جب تک مرنے والوں کی تعداد ہولناک حد تک نہ بڑھ جائے، ایڈز کا مرض اس کے باقی ماندہ افراد کے لئے ذاتی مسئلہ نہیں بنے گا اور وہ سنجیدگی کے ساتھ اپنے طرز عمل میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں لائیں گے۔'' (ص ۶۷ کالم ۱)

یہ تھا ''ٹائم'' کے مذکورہ تین مضامین کے اہم حصوں کا نہایت مختصر خلاصہ۔ اس خلاصے کے بعض حصوں کو نقل کرتے وقت بھی آخر تک قلم جھجکتا ہی رہا اور انہیں اپنے قلم سے لکھنا کافی صبر آزما معلوم ہوا، لیکن اس خیال سے انہیں لکھ دیا کہ امریکی تہذیب کے یہ حقائق ہماری قوم کے ان لوگوں کے سامنے ضرور آنے چاہئیں جو زندگی کے ہر شعبے میں مغرب کے پیچھے پیچھے چلنے کو اپنے لئے راہ نجات تصور کرتے ہیں۔ (اصلاحی مضامین)

موجودہ حالات میں ہمارا طرز عمل

''زمانہ بڑا خراب آ گیا ہے''...... ''بے دینی کا سیلاب بڑھتا جا رہا ہے''...... ''لوگوں کا دین وایمان سے کوئی واسطہ نہیں رہا''...... ''مکروفریب کا بازار گرم ہے''...... ''عریانی و بے حیائی کی انتہاء ہو چکی ہے۔''

اس قسم کے جملے ہیں جو ہم دن رات اپنی مجلسوں میں کہتے اور سنتے رہتے ہیں اور بلاشبہ یہ تمام باتیں سچی بھی ہیں۔ ہر سال کا موازنہ پچھلے سال سے کیجئے تو دینی اعتبار سے انحطاط نظر آتا ہے لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم اپنی مجلسوں میں ان باتوں کا تذکرہ اس لئے نہیں کرتے کہ ہمیں اس صورت حال پر کوئی تشویش ہے اور ہم اسے بدلنا چاہتے ہیں، بلکہ یہ تذکرہ محض برائے تذکرہ ہو کر رہ گیا ہے اور یہ بھی ایک فیشن سا بن چکا ہے کہ جب کوئی بات نکلے تو زمانے اور زمانے کے لوگوں پر دو چار فقرے چلتے کر کے ان کی حالت پر محض زبانی اظہار فسوس کر دیا جائے لیکن یہ صورت حال کیوں پیدا ہوئی ہے؟ اس کا علاج کیا ہے؟ اور اسے بدلنے کے لئے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ یہ سوالات ہم میں سے اکثر لوگوں کی سوچ کے موضوع سے یکسر خارج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ زمانے کے بارے میں اس قسم کی باتیں پوری بے پروائی سے کہہ کر نہ صرف خاموش ہو جاتے ہیں بلکہ خود بھی انہی لوگوں کے پیچھے ہو لیتے ہیں جنہیں مختلف صلواتیں سنا کر فارغ ہوئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آپ کو اس صورت حال پر کوئی تشویش اور اسے بدلنے کی خواہش ہے یا نہیں؟ اگر کوئی تشویش نہیں ہے تو پھر خواہ مخواہ اس قسم کے جملے کہہ کر فضا کو مکدر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اگر واقعتاً آپ کو ان حالات پر تشویش ہے اور آپ دل سے چاہتے ہیں کہ ان کا سدباب ہو تو پھر صرف دو چار جملے زبان سے کہہ کر فارغ ہو جانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ فرض کیجئے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ہولناک آگ بھڑک رہی ہو اور ہم یقین سے جانتے ہوں کہ اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو یہ پورے خاندان اور پوری بستی

کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی تو کیا پھر بھی ہمارا طرزِ عمل یہی ہوگا کہ اطمینان سے بیٹھ کر صرف اظہارِ افسوس کرتے رہیں اور ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش نہ کریں۔؟

اگر ذہن و دماغ عقل و ہوش سے بالکل ہی خالی نہیں ہیں تو ہم آگ کے بھڑکنے اور پھیلنے کا تذکرہ اس بے پروائی سے نہیں کرسکتے۔ ایسے موقع پر بے وقوف سے بے وقوف شخص بھی آگ کا مقصد لوگوں کو سنانے سے قبل فائر بریگیڈ کو فون کرے گا اور جب تک وہ نہ پہنچے خود آگ پر پانی یا مٹی ڈالے گا اور دوسروں کو بھی اس کام میں شریک ہونے کی دعوت دے گا اگر اس پر بھی قابو پانا ممکن نہ ہو تو ایسی چیزیں آس پاس سے ہٹائے گا جس کو آگ پکڑ سکتی ہو، پھر بھی آگ بڑھتی نظر آئے تو لوگوں کی جان بچانے کے لئے انہیں دوسری جگہ منتقل کرنے کی کوشش کرے گا اور کسی کو وہاں سے نہ ہٹا سکے تو اپنے بیوی بچوں اور گھر والوں کو وہاں سے اٹھا لے جائے گا اور اگر اتنی بھی مہلت نہ ہو تو کم از کم خود تو بھاگ ہی کھڑا ہوگا لیکن یہ بات کسی انسان سے ممکن نہیں ہے کہ آگ لگنے پر زبانی اظہارِ افسوس کرکے بدستور اپنے کام میں منہمک ہو جائے یا یہ سوچ کر کہ آگ بے شمار انسانوں کو نگل چکی ہے، خود بھی اس میں کود پڑے؟ یہ تو انسانی کی فطرت ہے کہ آگ خواہ کتنی تیز رفتار ہو اور اسے یقین ہو کہ اس سے بچ کر نہیں جاسکتا، تب بھی جب تک اس کے دم میں دم ہے وہ اس کے آگے بھاگتا رہے گا تاوقتیکہ وہ خود ہی آ کر اسے دبوچ نہ لے۔

سوال یہ ہے کہ اگر واقعتاً ہمارے اردگرد بے دینی اور خدا کی نافرمانی کی آگ بھڑک رہی ہے اور ہم اپنے گھروں، اپنے خاندانوں اور اپنے بیوی بچوں پر اس کی آنچ محسوس کر رہے ہیں تو پھر اس آگ کا محض تذکرہ کرکے کیسے چپ ہو رہتے ہیں؟ بلکہ اس آگ پر کچھ مزید تیل چھڑکنے کی جرأت ہمیں کیسے ہو جاتی ہے؟

ہم اگر اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں تو ہمارا طرزِ عمل اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہم اپنے زمانے اور زمانے کی ساری برائیوں کا تذکرہ تو اس انداز سے کرتے ہیں جیسے ہم ان تمام برائیوں سے معصوم اور محفوظ ہیں، لیکن اس تذکرے کے بعد جب عملی زندگی میں پہنچتے ہیں تو صبح سے لے کر شام تک ہم خود ان تمام کاموں کا جان بوجھ کر ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں جن کی قباحتیں بیان کرنے میں ہم نے اپنے زورِ بیان کی ساری صلاحیتیں

صرف کردی تھیں اور جب اس طرز عمل پر کوئی تنبیہ کرتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہوتا ہے کہ ساری دنیا بے دینی کی آگ میں جل رہی ہے تو ہم اس سے کس طرح بچیں؟ لیکن کیا اس طرز فکر میں ہماری مثال بالکل اس شخص کی سی نہیں ہے جو آگ بھڑکتی دیکھ کر اس سے بھاگنے کے بجائے خود جان بوجھ کر اس میں کود جائے؟

سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے بے دینی کی اس آگ کو بجھانے یا لوگوں کو اس سے بچانے کی کوئی ادنیٰ کوشش کی؟ اور لوگوں کو بھی چھوڑ یئے، کیا کبھی اپنے گھر، بیوی، بچوں، اپنے اہل خاندان اور اپنے دوست احباب کو ایسی ہمدردی اور لگن سے ان کو دین پر عمل پیرا کرنے کی ترغیب دی جیسے ہمدردی اور لگن سے ان کو آگ سے بچایا جاتا ہے؟ کیا کبھی ان کو دینی فرائض کی اہمیت سے آگاہ کیا؟ کیا کبھی انہیں گناہوں کی حقیقت سمجھائی؟ کیا کبھی ان کی توجہ مرنے کے بعد والے حالات کی طرف مبذول کرائی؟ کیا ان میں نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے نفرت پیدا کرنے کے لئے کوئی اقدام کیا؟

اور گھر والوں کا معاملہ بھی پھر بعد کا ہے کیا خود اپنے آپ کو بے دینی کی آگ سے محفوظ رکھنے کے لئے کچھ ہاتھ پاؤں ہلائے؟ اپنی کسی حد تک دینی فرائض کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے کا کوئی اہتمام کیا؟ اگر تمام احکام پر عمل کرنے میں مشقت معلوم ہوتی ہے تو اپنے عمل میں جو کم سے کم تبدیلی پیدا کی جاسکتی تھی، کیا اس پر بھی عمل کیا؟ سینکڑوں گناہوں میں سے کوئی ایک گناہ خدا کے خوف سے چھوڑا؟ بیسیوں فرائض میں سے کسی ایک فریضے کی پابندی شروع کی؟

اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ہم خود اندر سے اس آگ کو بجھانا ہی نہیں چاہتے اور دنیا میں پھیلی ہوئی بے دینی کا شکوہ محض بہانہ ہی بہانہ ہے۔ پھر تو حقیقت یہ ہے کہ نہ زمانے کا کوئی قصور ہے، نہ دوسرے اہل زمانہ کا قصور، سارا قصور ہماری اس نفسانیت کا ہے، جو خود بے دینی کی راہ اختیار کر کے اس کا سارا الزام زمانے کے سر پر ڈال دینا چاہتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم واقعتاً بے دینی کی موجودہ فضا سے بے زار ہیں اور اس کا مداوا کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا طرز عمل بالکل ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا کہ ایک شریف انسان بھڑکی ہوئی آگ کو دیکھ کر اختیار کرتا ہے۔ ہمیں ان گناہوں سے بچنے کی توفیق مانگنی چاہیے۔

اگر اس تدبیر پر عمل کیا جاتا رہے تو ممکن نہیں ہے کہ رفتہ رفتہ انسان کے اعمال بد میں نمایاں کمی نہ آتی چلی جائے۔ مثلاً کوئی شخص بیک وقت سود خوری، رشوت خوری، مکر و فریب، جھوٹ، غیبت اور بدنگاہی اور بدزبانی اور اس طرح کے سو گناہوں میں مبتلا ہے اور وہ سارے گناہوں کو بیک وقت نہیں چھوڑ سکتا لیکن کیا یہ بات اس کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ ان گناہوں میں سے کسی ایک آسان چیز کا انتخاب کر کے اسے چھوڑنے کا عزم کر لے اور باقی پر استغفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور ان سے نجات کی دعا کرتا رہے؟ اگر وہ دن بھر میں پچاس جگہوں پر جھوٹ بولتا ہے تو آئندہ کم از کم دس مقامات پر جھوٹ چھوڑ دے؟ اگر روزانہ پانچ سو روپے ناجائز طریقوں سے حاصل کرتا ہے تو ان میں سے جتنے کم سے کم آسانی سے چھوڑ سکتا ہو، کم از کم انہیں فوراً چھوڑ دے؟ اگر دن بھر میں کبھی ایک نماز نہیں پڑھتا تو پانچوں اوقات میں سے جو وقت آسان تر معلوم ہو، کم از کم اس میں نماز شروع کر دے؟ اور باقی کے لئے دعا و استغفار کرتا رہے؟

مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھڑکی ہوئی آگ سے بھاگتے وقت انسان یہ نہیں دیکھتا کہ بھاگ کر میں کتنی دور جا سکوں گا؟ بلکہ وہ بے ساختہ بھاگ ہی پڑتا ہے اور اگر آگ اسے دبوچ ہی لے تو جب تک اس کے دم میں دم ہے وہ جسم کے جتنے زیادہ سے زیادہ حصے کو اس سے بچا سکتا ہے، بچاتا ہی رہتا ہے، اسی طرح دین کے معاملے میں بھی فکر یہ ہونی چاہیے کہ جس گناہ سے جس وقت بچ سکتا ہوں بچ جاؤں اور جس نیکی کی توفیق جس وقت مل رہی ہے، کر گزروں، اگر ہم اور آپ اس طرز پر عمل پیرا ہوں تو ان شاء اللہ ایک نہ ایک دن اس آگ سے نجات مل کر رہے گی۔ لیکن ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر اس آگ کو زبانی صلواتیں ہی سناتے رہیں تو پھر اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔

یہ ہرگز نہ سوچئے کہ کروڑوں بدعمل انسانوں کے انبوہ میں کوئی ایک شخص سدھر گیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ یا ہزار گناہوں میں سے کسی ایک گناہ کی کمی واقع ہو گئی تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ یاد رکھئے کہ اطاعت خداوندی ایک نور ہے اور نور کتنا ہی مدہم اور اس کے مقابلے میں تاریکی کتنی ہی گھٹا ٹوپ ہو، لیکن وہ بے فائدہ کبھی نہیں ہوتا، اگر آپ ایک

ظلمت کدے میں ایک دم سرچ لائٹ روشن نہیں کر سکتے تو ایک چھوٹا سا چراغ ضرور جلا سکتے ہیں اور بعید نہیں کہ اس چھوٹے سے چراغ کی روشنی میں آپ وہ سوئچ تلاش کر لیں جس سے سرچ لائٹ روشن ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو احمق سرچ لائٹ سے مایوس ہو کر چھوٹا سا دیا بھی نہ جلائے، اس کی قسمت میں ابدی تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو بالکل تنہا ہوتے ہیں اور ان کے چاروں طرف گمراہی کا اندھیرا چھایا ہوا ہوتا ہے، لیکن اسی اندھیرے میں وہ ہدایت کا چراغ جلاتے ہیں پھر چراغ سے چراغ جلتا ہے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں اور اُجالا پھیل جاتا ہے۔

لٰہذا خدا کے لئے اپنی مجلسوں میں یہ مایوسی کے جملے بولنے چھوڑ یئے کہ ''بے دینی کا سیلاب ناقابل تسخیر ہو چکا ہے'' اس کے بجائے اس سیلاب کو روکنے اور اس سے بچنے کے لئے جو کچھ آپ کر سکتے ہیں کر گزریئے، کوئی بڑی خدمت اگر بن نہیں پڑتی تو جو چھوٹی سی چھوٹی نیکی آپ کے بس میں ہے اس سے دریغ نہ کیجئے اور باقی کے لئے کوشش اور دعا سے ہمت نہ ہاریئے، قوم اور ملک افراد ہی کے مجموعے کا نام ہے اور اگر ہر فرد اپنی جگہ یہ طرز عمل اختیار کر لے تو بہت سے چھوٹے چھوٹے چراغ مل کر سرچ لائٹ کی کمی یوں بھی ایک حد تک پوری کر دیتے ہیں اور پھر عادت اللہ یوں ہے کہ جس قوم کے افراد اپنے آپ کو مقدور بھر بدلنے کا عزم کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حمایت ونصرت ان کے شامل حال ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں سدھار پیدا کر ہی دیتا ہے:

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

''اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے، ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے۔'' اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں مایوسی کے عذاب سے بچا کر اپنی حقیقی اصلاح کی طرف متوجہ فرمائے اور زمانے کے طوفانوں سے مرعوب ہونے کے بجائے ہمیں ان کے مقابلے کا حوصلہ اور اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ وما علینا الا البلاغ

(اصلاحی مضامین)

اپنے گھروں کو بچایئے

زمانہ اس تیزی سے بدل رہا ہے کہ جس انقلاب کو پہلے ایک طویل مدت درکار ہوتی تھی اب وہ دیکھتے ہی دیکھتے رونما ہو جاتا ہے۔ آج کے ماحول کا زیادہ نہیں پندرہ بیس سال پہلے کے وقت سے موازنہ کر کے دیکھئے۔ زندگی کے ہر شعبے میں کایا ہی پلٹی ہوئی نظر آئے گی' لوگوں کے افکار و خیالات' سوچنے سمجھنے کے انداز' معمولات زندگی' معاشرے' رہن سہن کے طریقے' باہمی تعلقات' غرض زندگی کے ہر شعبے میں ایسا انقلاب برپا ہو گیا ہے کہ بعض اوقات سوچنے سے حیرت ہو جاتی ہے۔

کاش یہ برق رفتاری کسی صحیح سمت میں ہوتی تو آج یقیناً ہماری قوم کے دن پھر چکے ہوتے لیکن حسرت اور شدید حسرت' افسوس اور ناقابل افسوس بات کا ہے کہ یہ ساری برق رفتاری الٹی سمت میں ہو رہی ہے' کسی شاعر حکیم نے یہ مصرعہ مغرب کے لئے کہا تھا' مگر آج یہ ہمارا اپنا حال بن چکا ہے کہ:

تیز رفتاری ہے' لیکن جانب منزل نہیں

اس بات کو کب اور کس کس عنوان سے کہا جائے کہ پاکستان اسلام کے لئے بنا تھا اس لئے بنا تھا کہ یہاں کے باشندے احکام الٰہی کا عملی پیکر بن کر دنیا بھر کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم کریں لیکن ہماری ساری تیز رفتاری اس کی بالکل مخالف سمت میں صرف ہوتی رہی اور آج تک ہو رہی ہے۔ جن گھروں سے کبھی کبھی تلاوت قرآن کی آواز آ جایا کرتی تھی اب وہاں صرف فلمی نغمے گونجتے ہیں۔ جہاں کبھی اللہ و رسول اور اسلاف اُمت کی باتیں ہو جایا کرتی تھیں' اب وہاں باپ بیٹوں کے درمیان بھی ٹی وی فلموں پر تبصرے ہی زیر بحث رہتے ہیں۔ جن گھرانوں میں کبھی کسی اجنبی عورت کی تصویر کا داخلہ محال تھا' اب وہاں باپ بیٹیاں اور بہن بھائی ایک ساتھ بیٹھ کر نیم برہنہ رقص دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ جن خاندانوں میں کبھی حرام آمدنی سے آگ کے انگاروں کی طرح پرہیز کیا جاتا تھا ' اب وہاں نسلیں کی نسلیں سود'

22 رشوت اور قمار سے پروان چڑھ رہی ہیں۔ جو خواتین پہلے برقعے کے ساتھ باہر نکلتی ہوئی ہچکچاتی تھیں اب وہ دوپٹے کی قید سے آزاد ہو رہی ہیں۔ غرض اسلامی احکام سے عملی اعراض اس تبدیلی سے بڑھ رہا ہے کہ مستقبل کا تصور کر کے بعض اوقات روح کانپ اٹھتی ہے۔

اس تشویشناک صورت حال کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں لیکن اس وقت اس کے صرف ایک سبب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے خدا کرے کہ اسے اسی توجہ اور اہتمام کے ساتھ سنا اور سمجھ لیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔

وہ سبب یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو لوگ دیندار سمجھے جاتے تھے وہ بھی اپنے گھر والوں کی دینی اصلاح و تربیت سے بالکل بے فکر بیٹھ گئے ہیں۔ اگر آپ اپنے گردوپیش کا جائزہ لیں تو ایسی بیسیوں مثالیں آپ کو نظر آجائیں گی کہ ایک سربراہ خاندان اپنی ذات میں بڑا نیک اور دیندار انسان ہے' صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے' سود' رشوت' قمار اور دوسرے گناہوں سے پرہیز کرتا ہے' اچھی خاصی دینی معلومات رکھتا ہے' اور مزید معلومات حاصل کرنے کا شوقین ہے۔ لیکن اس کے گھر کے دوسرے افراد پر نگاہ ڈالیے تو ان میں ان اوصاف کی کوئی جھلک خوردبین لگا کر بھی نظر نہیں آتی۔ دین' مذہب' خدا' رسول صلی اللہ علیہ وسلم' قیامت اور آخرت جیسی چیزیں سوچ بچار کے موضوعات سے یکلخت خارج ہو چکی ہیں۔ ان کی بڑی سی بڑی عنایت اگر کچھ ہے تو یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کے مذہبی طرز عمل کو گوارا کر لیتے ہیں۔ اس سے نفرت نہیں کرتے۔ لیکن اس سے آگے نہ وہ کچھ سوچتے ہیں' نہ سوچنا چاہتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اولاد کی مکمل ہدایت ماں باپ کے قبضہ قدرت میں نہیں ہوتی۔ نوح علیہ السلام کے گھر میں بھی کنعاں پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ فریضہ تو ہر مسلمان کے ذمہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے۔ اگر کوشش کے باوجود راہ راست پر نہیں آتے تو بلاشبہ وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہے لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد کی طرف کوئی دلی توجہ نہیں کرتا اور اس نے اپنے تیئں دین پر عمل کر کے اپنے گھر والوں کو حالات کے دھارے پر بے فکری سے چھوڑ دیا ہے تو وہ ہرگز اللہ کے نزدیک بری نہیں ہے۔ اس کی مثال اس احمق کی سی ہے جو اپنے بیٹے کو خودکشی کرتے

ہوئے دیکھے اور یہ کہہ کر الگ ہو جائے کہ جوان بیٹا اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔

کنعاں بلاشبہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا اور آخر دم تک اس کی اصلاح نہ ہو سکی' لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ اس کے جلیل القدر باپ نے اسے راہ راست پر لانے کے لئے کیا کیا جتن کئے؟ کیسے کیسے پاپڑ بیلے؟ کس کس طرح خون کے گھونٹ پی کر اسے تبلیغ کی؟ اس کے بعد بھی اس نے اپنے لئے سفینہ ہدایت کے بجائے کفر و ضلالت کی موجیں ہی منتخب کیں تو بے شک حضرت نوح علیہ السلام اس کی ذمہ داری سے بری ہو گئے لیکن کیا آج کوئی جوانی اولاد کی اصلاح کے لئے فکر و عمل کی اتنی توانائیاں صرف کر رہا ہو۔

قرآن کریم نے ایک مسلمان پر صرف اپنی اصلاح کی ذمہ داری عائد نہیں کی بلکہ اپنے گھر والوں' اپنی اولاد' اپنے عزیز و اقارب' اور اپنے اہل خاندان کو راہ راست پر لانے کی کوشش بھی اس پر ڈالی ہے۔ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ احکام الٰہی پر کاربند کون ہوگا ؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی نبوت کے بعد جو سب سے پہلا تبلیغی حکم نازل ہوا وہ یہ تھا کہ:

وانذر عشیر تک الاقربین

''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریبی اہل خاندان کو (عذاب الٰہی) سے ڈرایئے۔''

چنانچہ اسی حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خاندان کو کھانے پر جمع فرمایا اور کھانے کے بعد ایک موثر خطبہ دیا جس کے مندرجہ ذیل جملے روایات میں محفوظ رہ سکے ہیں۔

يا فاطمه بنت محمد' يا صفية بنت عبدالمطلب' يابني عبدالمطلب لا أملك لكم من الله شيئاً' سلوني ماشئتم يا بني عبدالمطلب انى والله ماأعلم شاباً من العرب جاء قومه بأفضل مما جئتكم به' انى قد جئتكم بخير الدنيا والاخرة وقد امرنى الله ان ادعو كم اليه فايكم يوازرنى على هذا الامر على ان يكون اخى.

''اے فاطمہ بنت محمدؐ! اے صفیہ بنت عبدالمطلب! اے بنی عبدالمطلب! مجھے اللہ کی طرف سے تمہارے حق میں کوئی اختیار نہیں۔ تم (میرے مال میں سے) جتنا چاہو مجھ سے

مانگ لو۔ اے بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم جو چیز میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں۔ مجھے عرب میں کوئی جوان ایسا معلوم نہیں جو اپنی قوم کے پاس اس چیز سے بہتر کوئی شے لایا ہو۔ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرے ہاتھ مضبوط کرے اور اس کے نتیجے میں میرا بھائی بن جائے۔'' (تفسیر ابن کثیرؒ ۳۵۰ و ۳۵۱ ج ۳ المکتبۃ التجارۃ۔ مصر ۱۳۵۶ھ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت یہی رہی ہے کہ انہوں نے اپنی تبلیغ کا آغاز اپنے گھر والوں سے کیا اور خود احکام الٰہی پر کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اہل خانہ کی دینی تربیت پر اپنی پوری توجہ صرف فرمائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کر کے وصیت فرمائی اور اس کا تذکرہ قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے:

اذقال لبنیه ماتعبدون من بعدی قالوانعبد الٰهک واله اٰبآئک ابراهیم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰها واحدًا ونحن له مسلمون. (البقرۃ ۱۳۳)

''جب (یعقوب علیہ السلام نے) اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس ذات پاک کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے آباء و اجداد ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق (علیہم السلام) پرستش کرتے آئے ہیں، یعنی وہی معبود جو وحدہٗ لاشریک ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرماتے ہیں کہ:

رب اجعلنی مقیم الصلوٰة ومن ذریتی ربنا وتقبل دعآء. (ابراہیم:۴۰)

''اے میرے پروردگار مجھے بھی نماز کا پابند بنائیے اور میری اولاد کو بھی۔ اے ہمارے پروردگار! میری دعا قبول کر لیجئے۔''

انبیاء علیہم السلام کی ایسی دو نہیں دسیوں دعائیں منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اولاد اور اہل خاندان کی دینی اصلاح کی فکر ان حضرات کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں تمام مسلمانوں کو خود عذاب الٰہی سے بچنے کی تاکید فرمائی وہاں

گھر والوں کو بھی اس سے بچانے کی ذمہ داری ان پر عائد کی ہے۔ ارشاد ہے:

یاایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا. (تحریم:۶)

''اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

نیز ارشاد فرمایا:

وأمر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا. (طٰہٰ: ۱۳۲)

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کی پابندی کرو۔''

قرآن و حدیث کے یہ واضح احکام اور انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت جاریہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایک مسلمان کے ذمہ صرف اپنی ذات تک ہی دینی اصلاح ہی نہیں ہے بلکہ اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں کی دینی تربیت بھی اس کے فرائض میں داخل ہے اور در حقیقت اس کے بغیر انسان کا خود دین پر ٹھیک ٹھیک کاربند رہنا ممکن ہی نہیں۔ اگر کسی شخص کا سارا گھریلو ماحول دین سے بیزار اور خدا نا آشنا ہو تو خواہ وہ اپنی ذات میں کتنا دیندار کیوں نہ ہو، ایک نہ ایک دن اپنے ماحول سے ضرور متاثر ہوگا' اس لئے خود اپنے آپ کو استقامت کے ساتھ صراط مستقیم پر رکھنے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اپنے گردوپیش کو فکر و عمل کے اعتبار سے اپنا ہم مشرب بنایا جائے۔

آج ہمارے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے اس فریضے سے یکسر غافل ہو چکے ہیں۔ بڑے بڑے دیندار گھرانوں میں نئی نسل کی دینی تربیت بالکل خارج از بحث ہو گئی ہے اور اگلے وقتوں کے لوگ حالات کے آگے سپر ڈال کر اپنی اولاد کو زمانہ کے بہاؤ پر چھوڑ چکے ہیں۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ ہم تو اپنے اہل خانہ کو دینی رنگ میں رنگنے میں بڑی کوشش کی، لیکن زمانے کی ہوا ہی ایسی ہے کہ ہمارے وعظ و نصیحت کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ مگر بعض اوقات یہ خیال شیطان کے دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کتنی لگن، کتنے اضطراب اور کتنی دلسوزی کے ساتھ یہ کوششیں کی ہیں۔ اگر آپ کی اولاد جسمانی طور پر بیمار ہو جائے یا اس کا کوئی عضو خدا نہ کرے آگ میں جلنے لگے تو آپ اپنے دل میں کتنی تڑپ محسوس کرتے ہیں اور یہ تڑاپ سے کیسے کیسے مشکل کام کرا لیتی ہے۔ سوال

یہ ہے کہ کیا اپنی اولاد کو گناہوں میں مبتلا دیکھ کر بھی کبھی آپ نے اتنی تڑپ محسوس کی ہے؟ اگر واقعتاً اولد کی دینی اور اخلاقی تباہی کو دیکھ کر آپ میں اتنی ہی تڑپ پیدا ہوئی ہے جتنی اسے بیمار دیکھ کر ہوتی ہے اور آپ نے اسے دینی تباہی سے بچانے کی ایسی ہی کوشش کی ہے جتنی جسمانی ہلاکت سے بچانے کے لئے کرتے ہیں تو بلاشبہ آپ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔

لیکن اگر آپ نے اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اتنی لگن، ایسے جذبے اور اتنی کاوش کا مظاہرہ نہیں کیا تو کیا وجہ ہے کہ ایک معمولی سی آگ اپنے بچے کو قریب دیکھ کر آپ کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے ہیں اور جہنم کی ابدی آگ جس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں، اسے آپ اپنی اولاد کے سامنے منہ کھولے دیکھتے ہیں، مگر آپ کی محبت و شفقت کوئی جوش نہیں مارتی؟ اگر آپ اپنے ننھے سے بچے کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول دیکھ لیتے ہیں تو اس کے رونے دھونے کی پروا کیے بغیر جب تک اس کے ہاتھ سے وہ پستول چھین نہ لیں، چین سے نہیں بیٹھ سکتے، لیکن کیا وجہ ہے کہ جب وہی اولاد آپ کو دینی تباہی کے آخری سرے پر نظر آتی ہے تو آپ صرف ایک دو مرتبہ زبانی وعظ و نصیحت کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ آپ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی سنجیدگی اور اہتمام کے ساتھ اپنے گھر کی اصلاح کی موثر تدبیریں سوچی ہیں، جس لگن اور دلچسپی کے ساتھ آپ اپنی اولاد کے لئے روزگار تلاش کرتے ہیں کیا اتنی لگن کے ساتھ اس کی تربیت کے راستے تلاش کئے ہیں؟ جس خضوع و خشوع اور سوز قلب کے ساتھ آپ ان کی صحت کے لئے دعائیں کرتے ہیں کیا اسی طرح آپ نے ان کے لئے اللہ سے صراط مستقیم طلب کی ہے؟ اگر ان میں سے کوئی کام آپ نے نہیں کیا تو آپ کو اہل خانہ کی ذمہ داری سے سبکدوش سمجھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

ان ساری گزارشات کا منشاء صرف یہ ہے کہ نئی نسل جس برق رفتاری کے ساتھ فکری گمراہی اور عملی بے راہ روی کی طرف بڑھ رہی ہے اس کا پہلا موثر علاج خود ہمارے گھروں میں ہونا چاہیے۔ اگر مسلمانوں میں اپنے گھر کی اصلاح کا خاطر خواہ جذبہ، اس کی سچی لگن اور اس کی حقیقی تڑپ پیدا ہو جائے تو یقین سمجھئے کہ آدھی سے زائد قوم خود بخود سدھر سکتی ہے۔

اگر کوئی دیندار شخص یہ سمجھتا ہے کہ میری اولاد خدا بیزاری کی جس راہ پر چل رہی ہے

حقیقت میں اس کے لئے وہی راہ راست ہے اور ہم نے اپنے گرد مذہب واخلاق کے بندھن باندھ کر غلطی کی تھی تو ایسے "دیندار" کے حق میں تو دنیا وآخرت دونوں کے خسارے پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ آپ کا دین دینِ برحق ہے اور مرنے کے بعد جزا وسزا کے دن کے واسطے تیار کیجئے۔ اسے ضروری دینی تعلیم دلوایئے' اس کے ذہن کی شروع ہی سے ایسی تربیت کیجئے کہ اس میں نیکیوں کا شوق اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو' اس کی صحبت اور اس کا ماحول درست رکھنے کا اہتمام کیجئے' اپنے گھروں کو تلاوت قرآن اور اسلاف اُمت کے تذکروں سے آباد کیجئے۔ گھر میں کوئی ایسا وقت نکالیے جس میں سارے گھر والے اجتماعی طور پر دینی کتب کا مطالعہ کریں' اپنے ذاتی عمل کو ایسا دلکش بنایئے کہ اولاد اس کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کرے۔ اپنے اہل وعیال اور اقارب واحباب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صراط مستقیم پر گامزن ہونے اور رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس کے بعد بھی ہو سکتا ہے کہ چند مثالیں ایسی باقی رہ جائیں جو اپنی بدخمیری کی وجہ سے اصلاح پذیر نہ ہو سکیں' لیکن یقین ہے کہ اگر اس مقصد کے لئے اتنا اہتمام کر لیا گیا تو نئی نسل کی ایک بھاری اکثریت راہ راست پر آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی محنت اور کوشش میں برکت دی ہے اور دین کی دعوت وتبلیغ میں جو محنت کی جائے اس کی کامیابی کا خصوصی وعدہ کیا گیا ہے اس لئے ناممکن ہے کہ اپنے گھر کی اصلاح کی یہ کوشش بالکل بار آور نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

علماء کیلئے لمحہ فکریہ!

یوں تو ہر زمانے کے لوگ ہمیشہ اپنے حال کو ماضی سے بدتر قرار دیتے آئے ہیں اور ایسا بہت کم ہوا ہے کہ لوگوں نے اپنے زمانے کو دینی اور اخلاقی معیار کے لحاظ سے ماضی سے بہتر قرار دیا ہو۔ بحیثیت مجموعی یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد ہر آنے والا دور پہلے کے مقابلہ میں کچھ پستیاں ہی لے کر آیا ہے۔ لیکن جس دور میں ہم گزر رہے ہیں، اس میں دینی اور اخلاقی زوال کی رفتار اتنی تیز اور ماضی سے ان کے فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ شاید تاریخ میں پہلے کبھی ایسا نہ ہوا ہو۔ حدیث میں ہے کہ قیامت سے پہلے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس کے سال مہینوں اور مہینے ہفتوں کی رفتار سے گزریں گے۔ آج ہماری نگاہیں اس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کو حرف بہ حرف پورا ہوتے دیکھ رہی ہیں۔ ایسا معاشرہ زوال کی طرف اس تیزی سے جا رہا ہے کہ سالوں کی مسافت مہینوں اور ہفتوں میں طے ہو جاتی ہے، جس انقلاب کے لئے پہلے صدیاں درکار تھیں اب وہ دیکھتے ہی دیکھتے رونما ہو جاتا ہے اور آج کے ماحول کا صرف دس پندرہ سال پہلے کے حالات سے موازانہ کیجئے تو زندگی کے ہر شعبہ میں کایا ہی پلٹی نظر آتی ہے۔

یہ تیز رفتار دینی واخلاقی زوال سالہا سال سے ہمارے مقالوں، تقریروں، مذاکروں اور نشستوں کا موضوع بنا ہوا ہے۔ بے شمار جماعتیں، انجمنیں اور تنظیمیں اس پر بند باندھنے کا مقصد لے کر اٹھ رہی ہیں۔ لیکن ان ساری کاوشوں کے باوجود نہ صرف یہ کہ زوال میں کمی نہیں آئی بلکہ اس کی رفتار ہر لحظہ بڑھ رہی ہے۔ کسی بھی دیندار گھرانے کے باپ اور بیٹوں کے حالات کا موازنہ کر کے دیکھئے، اندازہ ہو جائے گا کہ صرف ایک نسل کے فرق سے زندگی میں عظیم انقلاب پیدا ہو چکا ہے۔

کرنے کو اس صورت حال کے بہت سے اسباب بیان کئے جا سکتے ہیں اور کئے جاتے رہے ہیں۔ لیکن نظر میں اس کا سیدھا سادھا سبب یہ ہے کہ دین کی دعوت یا مفقود ہو

چکی ہے یا غلط طریقہ کار کی وجہ سے بے اثر ہے۔ پچھلے کچھ سالوں میں اپنے نظام تعلیم کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش ہمارے یہاں نہیں ہوئی۔ جو نئی نسل کو اسلام سے نظری اور عملی طور پر قریب کر سکتی، اس لئے اس نسل کو اسلام سے روشناس کرانے کا مقصد صرف ایک دعوت تبلیغ کے مؤثر نظام ہی کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہم نے اس اہم فیصلے کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی اور اس سمت میں جو تھوڑا بہت کام ہوا وہ محدود، مختصر اور ناکافی تھا، دعوت حق کے ضمن میں زبردست خلا نے باطل کے محرکات کے لئے راستہ پوری طرح ہموار کر دیا اور نئی نسل اسلام سے بالکلیہ بے بہرہ ہو کر رہ گئی۔

اس دوران کئی ادارے اور کئی جماعتیں دعوت و تبلیغ ہی کے مقصد سے سرگرم عمل ہوئیں اور ان میں سے بعض نے بلا شبہ اپنے اپنے حلقوں میں گرانقدر خدمات انجام دیں، لیکن اب وہ بھی روبہ زوال معلوم ہوتی ہیں اور ان کا حلقہ اثر روز بروز سکڑتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام قومی زوال کا اثر خود ہمارے علماء، دینی درس گاہوں، تبلیغی جماعتوں اور تعلیمی اداروں تک جا پہنچا ہے۔ اب تک دعوت وتبلیغ کا جتنا کام بھی ہوا وہ کچھ ایسی دلکش شخصیتوں کی وجہ سے ہوا جو عمومی اعتبار سے ہمارا بہترین سرمایہ تھیں، لیکن اب یہ شخصیتیں اٹھتی جا رہی ہیں اور ہر اٹھنے والا اپنے پیچھے اتنا زبردست خلا چھوڑ جاتا ہے کہ اس کے پُر ہونے کا دور دور تک امکان نظر نہیں آتا۔ افراد کی تیاری بند ہو چکی ہے۔ درسگاہیں بانجھ ہوتی جا رہی ہیں اور دعوت دینے کا صحیح جذبہ اور سلیقہ رکھنے والے مفقود ہو رہے ہیں۔

ان حالات میں نئی تبلیغی جماعتیں بنانے سے ہماری اصل ضرورت یہ ہے کہ دعوت دین کے موجودہ مراکز اپنے اپنے حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر ان اسباب کا کھوج لگائیں جن کی وجہ سے ان کا کام محدود سے محدود تر ہوتا جا رہا ہے۔ ہماری نظر میں یہ وقت نئی جماعتیں بنانے کا نہیں، اس لئے کہ بحالت موجودہ ہر نئی جماعت کا قیام افتراق کا ایک نیا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اس کے بجائے اس وقت جتنے دینی مدارس، جتنی مؤثر شخصیتیں اور جتنی تبلیغی جماعتیں دین کی کوئی خدمت انجام دے رہی ہیں، ان میں سے ہر ایک کو یہ سوچنا چاہیے کہ اس کا کام اس ہمہ گیر زوال سے کس حد تک متاثر ہوا ہے اور اسے

کس طرح مزید مؤثر اور زیادہ تیز رفتار بنایا جا سکتا ہے؟

ہمارا تعلق چونکہ دینی درس گاہوں سے ہے اس لئے ہم آج اس تغیر کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جو ان درسگاہوں کے نظام میں واقع ہوا ہے اور جس کی وجہ سے علم و دین کے میدان میں مؤثر شخصیتوں کی تیاری تقریباً بند ہوگئی ہے۔

علوم دینی کی تدریس درحقیقت دعوت دین کا ایک اہم شعبہ ہے اور اسی کے ذریعہ ایسی شخصیات اُبھر سکتی ہیں جنہیں صحیح معنی میں دین کا داعی کہا جا سکے۔ اس لئے ایک مدت تک علماء کا یہ خیال رہا ہے کہ تعلیم دین پر اُجرت کا لین دین جائز نہیں، لیکن جب متاخرین نے یہ دیکھا کہ دین کی تدریس و تعلیم ایسا کام ہے کہ اسے خاطر خواہ طریقے سے انجام دینے کے لئے پورا وقت وقف کرنا ضروری ہے اس لئے جب تک ایسے طبقے کا معاش بھی اسی تعلیم و تدریس کے ساتھ وابستہ نہ کیا جائے گا، اسلامی علوم کی کما حقہ حفاظت ممکن نہیں تو آخر زمانے کے علماء نے یہ فتویٰ دے دیا کہ جو شخص اپنے تمام اوقات اس کام میں صرف کرتا ہو اور اسے اس کی وجہ سے دوسرے مسائل معاش سے استفادہ کا موقع نہ ملتا ہو وہ اپنے اوقات کا معاوضہ لے سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں منظم دینی درسگاہیں وجود میں آئیں اور ملت کے ایک بڑے طبقے نے تحصیل معاش کی طرف سے بے فکر ہو کر اپنی ساری توانائیاں اس کام میں صرف کر دیں۔ لیکن یہ بات اس راہ کا ہر مسافر جانتا تھا کہ اس راستے میں معاش ایک ضرورت ہے، مقصد نہیں۔ اس کا اصل مقصد دین کی خدمت، افراد کی تعلیم و تربیت اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت ہی تھی۔ فکر و عمل کی ساری توانائیاں اسی کے لئے وقف تھیں، دل میں اسی مقصد کی لگن اور اسی کا جذبہ جاری وساری تھا اور دنیا کی کوئی مزید لالچ اسے اپنے اصل مقصد سے دور نہیں کر سکتی تھی۔

جن لوگوں نے اس طرح دینی مدارس قائم کئے یا ان میں تدریس کی خدمات انجام دیں ان کے نزدیک تنخواہ، معاشی ترقی اور دنیوی منافع کے مسائل بالکل ثانوی حیثیت رکھتے تھے، ان کی اصل وجہ اس طرف تھی کہ وہ سراپا تبلیغ و دعوت دین بن کر اپنے ہر قول و فعل سے اپنے زیر تربیت افراد کو مثالی مسلمان بنائیں۔ انہیں علم صحیح کی دولت سے مالا مال کریں، ان کے اعمال و اخلاق سنواریں، ان میں ایک داعی دین کی روح پھونکیں اور ان کے سینوں

میں اللہ کے لئے جینے اور مرنے کا جذبہ بے تاب کوٹ کوٹ کر بھر دیں۔

یہ درسگاہیں درحقیقت صرف کتابی تعلیم گاہیں نہیں تھیں بلکہ عملی اور اخلاقی تربیت کی خانقاہیں بھی تھیں۔ دارالعلوم دیوبند کو اللہ نے جو غیر معمولی امتیاز بخشا اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ وہ ایک رسمی درسگاہ نہیں تھی جس میں طلباء کو پڑھایا جاتا ہو۔ اس کے بجائے وہ ایک ایسی تربیت گاہ تھی جس میں مسلمان داعی تیار کئے جاتے تھے۔ عملے کا ہر فرد اسی مقصد کی لگن سے سرشار تھا اور اسی لگن نے ایسی شخصیتیں پیدا کر دیں جنہوں نے برصغیر کی تاریخ کا رخ موڑ کر رکھ دیا۔

لیکن رفتہ رفتہ ان درسگاہوں سے اصل مقصد کی وہ لگن کم ہوتی چلی گئی۔ ترجیحات کی ترتیب الٹ گئی اور جذبہ کمزور پڑ گیا۔ استاد اور شاگرد کے درمیان ایک خشک، کھردرا اور رسمی تعلق باقی رہ گیا۔ اعمال و اخلاق کی ترتیب کی فہرست سے خارج ہو گئی، یہاں تک کہ تعلیم و تعلم محض ایک رسم بن کر رہ گیا۔ جس کے اصل مقاصد سے استاد اور شاگرد دونوں غافل ہیں۔

چند گرانقدر مستثنیات کو چھوڑ کر اس وقت ہماری کیفیت یہ ہے کہ دین کی تعلیم و تدریس ہمارے نزدیک دوسرے پیشوں کی طرح ایک پیشہ بن چکی ہے۔ جس کا اصل مقصد حصول معاش اور ثانوی مقصد خدمت خلق ہے۔ معلم ایک معین وقت میں درسگاہ پہنچتا ہے اور گھنٹے بھر کی ڈیوٹی ادا کر کے چلا آتا ہے۔ طلباء کس حال میں ہیں ان کی قابلیت کیوں کمزور ہو رہی ہے؟ ان کے اخلاق کیوں خراب ہو رہے ہیں؟ ان کی اصلاح کی کیا صورت ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن پر سوچنا استاد کے فرائض سے غافل ہو چکا ہے۔

جب استاد کو طلباء کی تعلیمی استعداد ہی کی کوئی فکر نہیں ہے تو وہ ان کے اعمال و اخلاق کی طرف توجہ کیوں دے گا؟ رہا انہیں دعوت دین کی تربیت دینا اور ان میں دین کے لئے قربانی کا جذبہ ابھارنا، سو یہ تو بہت دور کی چیز ہے، اس پہلو پر تو سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان حالات میں جو لوگ ہمارے قوم کے رہنما بننے کے لئے تیار ہوں گے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں دینی رہنمائی کی کتنی صلاحیت ہو گی؟ وہ کیسی دعوت اور کیسی تبلیغ کر سکیں گے؟ اور ان کی دعوت و تبلیغ کس حد تک مؤثر ہو سکے گی؟ اسلام کبھی رسمی جماعتوں اور انجمن سے نہیں پھیلا، وہ زیادہ تر افراد کے کردار و عمل سے پھیلا ہے۔ نہ ہمارے یہاں افراد تیار

نہیں ہو رہے، اگر ہماری درسگاہیں بانجھ ہو رہی ہیں اور ان میں شخصیتوں کی تعمیر کا کام بند ہو چکا ہے تو آپ ہزار جماعتیں بنا لیجئے، لاکھ کتابیں لکھ ڈالیے، آپ کی دعوت و تبلیغ کبھی مؤثر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس وقت کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے تعلیم و تربیت کے نظام پر نظر ثانی کر کے اس کے جسم مردہ میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کریں۔

آج کل دینی مدرس کے نصاب میں ترمیم کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں اور کوئی شک نہیں کہ بحالت دور نصاب بھی ضروری ترمیم واضا کا متقاضی ہو چکا ہے لیکن ہماری نظر میں اس سے کہیں زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی مدارس کے ماحول میں اس جذبے کو دوبارہ پیدا کیا جائے جس کے تحت یہ درس گاہیں قائم ہوئی تھیں اور جو اب مرور ایام سے سرد پڑ چکا ہے۔ بنیادی ضرورت اس کی ہے کہ ہم میں اپنے مقصد زندگی پر مرمٹنے والی لگن پیدا ہو، ہم تعلیم و تدریس کے فرائض پیشے کے طور پر نہیں، زندگی کے عزیز ترین مشن کے طور پر انجام دیں اور اپنے فکر و عمل کی تمام طاقتیں اس کام میں صرف کریں کہ زیر تعلیم و تربیت افراد صحیح اور سچا مسلمان، عالم دین اور داعی و مبلغ بن سکیں، اگر یہ نہیں ہوتا تو بہتر سے بہتر نصاب بھی حالات میں خوشگوار تبدیلی نہیں لا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو جماعت اپنے آپ کو علم دین کے لئے وقف کرے، ان کا نہ صرف پڑھنا، پڑھانا یا سمجھنا سمجھانا جائز ہی نہیں بلکہ قرآنی ارشاد کے مطابق اس کی پوری زندگی کے صرف یہی مقصد ہیں یہی ان درسگاہوں کا مکمل نصاب ہے جس کو قرآن کریم نے دو لفظوں میں بیان فرمایا:

لیتفقهوا فی الدین و لینذروا قومهم

جس کا حاصل دو چیزیں ہیں۔ اول دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا جس میں صرف کتابوں کا سمجھ لینا کافی نہیں، بلکہ اس کے مقتضیٰ پر عمل اور اپنے اعمال واخلاق میں دینی رنگ بھرنا بھی شامل ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے تفقه فی الدین کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ دوسرے قوم کو مشفقانہ انداز میں دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ان کو علم صحیح اور عمل مستقیم کی ہدایت دینا اور اس کے اعمال واخلاق کی اصلاح کرنا۔ مگر افسوس ہے کہ عرصہ دراز سے ہماری درس گاہیں ان قرآنی مقاصد کو بھلا بیٹھی ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں۔

درسگاہوں کی فضا میں یہ تجدیدی انقلاب لانے کے لئے طریق کار کیا ہو؟ ہمارا یہ

منصب نہیں ہے کہ اس سلسلے میں لگی بندھی تجاویز پیش کر سکیں۔ یہ کام اکابر ملت اور ارباب فکر کا ہے۔ ہاں اتنا ہم ضرور سمجھتے ہیں کہ اس کام کے لئے اصل چیز لگے بندھے ضابطوں سے زیادہ مدارس کے ذمہ داروں کی توجہ اور لگن ہے۔ اگر دینی درسگاہوں کے ارباب بست و کشاد اپنے اپنے حالات کا جائزہ لیں اور اندازہ لگائیں کہ ہم اپنے اصل مقاصد سے کتنی دور نکل آئے ہیں تو مقصد کی طرف لوٹنے کا جذبہ طریق کار خود بخود دکھائے گا۔

ان گزارشات سے ہمارا منشا صرف اتنا ہے کہ ہمیں بلا تاخیر اس صورت حال پر سنجیدگی کے ساتھ سوچنا چاہئے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ابھی تک ہم میں کچھ ایسی برگزیدہ ہستیاں موجود ہیں جنہوں نے دین کے اخلاص و ایثار کے ماحول میں آنکھ کھولی اور جن کی پاکیزہ زندگیاں مجسم تبلیغ و دعوت ثابت ہوئیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ انہی کے جذب دروں نے ابھی تک بہت سے طوفانوں کو روک رکھا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان ہستیوں کی موجودگی میں اس موضوع پر پوری اہمیت کے ساتھ غور کیا جائے اور ان حضرات کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر اپنے تعلیم و تربیت کے نظام کو صحیح خطوط پر رواں کر دیا جائے جو آنے والے خطرات کا سدباب کر سکیں۔

اس غرض کے لئے ہم ایک ایسا مختصر سا سوالنامہ اکابر ملت اور ارباب فکر کی خدمت میں بھیج رہے ہیں تاکہ وہ اس معاملے میں ملت کی رہنمائی فرما سکیں۔ سوالات یہ ہیں:

(۱)۔ یہ ایک عام تاثر ہے کہ ہماری موجودہ دینی درسگاہوں سے مؤثر علمی و دینی شخصیتوں کی آمد بند ہو رہی ہے۔ جناب کی نظر میں اس کے کیا اسباب ہیں؟

(۲)۔ موجودہ دینی مدارس کو دوبارہ مردم خیز اور امت کے لئے زیادہ نفع بخش بنانے کے لئے کون سے اقدامات آپ کی نظر میں ضروری ہیں؟

(۳)۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہماری دینی درسگاہوں میں تعلیم و تعلم کا اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔ براہ کرم نشاندہی فرمائیں کہ آپ کی نظر میں یہ مقصد کیا ہے؟ اور اہل مدارس میں اس کا ایسا استحضار کیونکر پیدا کیا جا سکتا ہے جو ان کے فکر و عمل پر اثر انداز ہو سکے؟

بات ہم نے شروع کر دی ہے، اسے آگے بڑھائیے، اسے اپنی سوچ بچار، گفتگو اور تبادلہ خیال کا موضوع بنائیے، یہاں تک کہ یہ زندگی کی اولین تڑپ کی صورت اختیار کر لے۔

وما علینا الا البلاغ (اصلاحی مضامین)

معاشرے کی اصلاح کیسے ہو؟

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یاایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعلمون. (سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۱۰۵)

عجیب وغریب آیت

یہ ایک عجیب وغریب آیت ہے، جو ہماری ایک بہت بڑی بیماری کی تشخیص کررہی ہے، اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ آیت ہماری دکھتی ہوئی رگ پکڑ رہی ہے، اللہ جل شانہ سے زیادہ کون انسان کی نفسیات اور اسکے مزاج اور اس کی بیماریوں کو پہچان سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس آیت میں ہمارے ایک بہت بڑے سوال کا جواب بھی دیا گیا ہے، جو آجکل کثرت سے ہمارے دلوں میں پیدا ہورہا ہے۔

اصلاح معاشرہ کی کوششیں کیوں بے اثر ہیں؟

پہلے وہ سوال عرض کردیتا ہوں۔ اس کے بعد اس آیت کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آسکے گا۔ بعض اوقات ہمارے اور آپ کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ اصلاح حال، اور اصلاح معاشرہ کی نہ جانے کتنی کوششیں مختلف جہتوں اور مختلف گوشوں سے ہورہی ہیں۔ کتنی انجمنیں، کتنی جماعتیں، کتنی پارٹیاں، کتنے افراد، کتنے جلسے، کتنے جلوس، کتنے اجتماع ہوتے ہیں۔ اور سب کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کا سدباب کیا جائے، معاشرے کو سیدھے راستے پر لایا جائے۔ اور انسان کو انسان بنانے کی فکر کی جائے۔ ہر ایک کے اغراض و مقاصد میں اصلاح حال، اصلاح معاشرہ، فلاح و بہبود جیسی بڑی بڑی باتیں درج ہوتی ہیں اور بڑے بڑے دعوے ہوتے ہیں۔ جو انجمنیں اور جماعتیں اس کام پر لگی ہوئی ہیں اور جو ایسے افراد اس کام میں مصروف

ہیں ان کا شمار کیا جائے تو شاید ہزاروں تک ان کی تعداد پہنچے گی۔ ہزاروں جماعتیں
اور افراد اس کام پر لگے ہوئے ہیں۔

لیکن دوسری طرف اگر معاشرے کی عمومی حالت کو بازاروں میں نکل کر دیکھیں۔ دفتروں میں جا کر دیکھیں۔ جیتی جاگتی زندگی کو ذرا قریب سے دیکھنے کا موقع ملے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ساری کوششیں ایک طرف اور خرابی کا سیلاب ایک طرف، معاشرے پر اس اصلاح کا کوئی نمایاں اثر نظر نہیں آتا، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ زندگی کا پہیہ اسی طرح غلط راستے پر گھوم رہا ہے، اگر ترقی ہو رہی ہے تو برائی میں ہو رہی ہے۔ اچھائی میں نہیں ہو رہی ہیں۔ تو ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری کوششیں معاشرے کو بدلنے میں کیوں ناکام نظر آتی ہیں؟ اکا دکا مثالیں اپنی جگہ ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی اگر پورے معاشرے پر نظر ڈال کر دیکھا جائے تو کوئی بڑا فرق نظر نہیں آتا اس کی کیا وجہ ہے؟

بیماری کی تشخیص

اس سوال کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عطا فرمایا ہے۔ اور ہماری ایک بیماری کی تشخیص بھی فرمادی ہے۔ اور یہ وہ آیت ہے جو اکثر و بیشتر ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے۔ اس کے معنی بھی معلوم نہیں ہیں۔ مفہوم بھی پیش نظر نہیں رہتا۔

یاایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا
اھتدیتم، الی اللہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون.

(سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۱۰۵)

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کی خبر لو، اگر تم سیدھے راستے پر آ گئے (تم نے ہدایت حاصل کر لی۔ صحیح راستہ اختیار کر لیا) تو جو لوگ گمراہ ہیں۔ ان کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، وہاں پر اللہ تعالیٰ تمہیں بتائیں گے کہ تم دنیا کے اندر کیا کرتے رہے ہو۔

اپنے حال سے غافل، اور دوسروں کی فکر

اس آیت میں ہماری ایک بہت بنیادی بیماری یہ بتادی کہ یہ اصلاح کی کوششیں جو عام

نظر آتی ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جب اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اصلاح کا آغاز دوسرا شخص اپنے آپ سے کرے، یہ خود دوسروں کو بلا رہا ہے۔ دوسروں کو دعوت دے رہا ہے۔ دوسروں کو اصلاح کا پیغام دے رہا ہے۔ لیکن اپنے آپ سے اور اپنے حالات میں تبدیلی لانے سے غافل ہوتا ہے، آج ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کہ مختلف محفلوں اور مجلسوں میں ہمارا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ ہم معاشرے کی برائیوں کا تذکرہ مزے لے لے کر کرتے ہیں "سب لوگ تو یوں کر رہے ہیں۔" "لوگوں کا تو یہ حال ہے" "معاشرہ تو اس درجے خراب ہو گیا ہے" "فلاں کو میں نے دیکھا وہ یوں کر رہا تھا" سب سے آسان کام اس بگڑے ہوئے معاشرے میں یہ ہے کہ دوسروں پر انسان اعتراض کر دے، تنقید کر دے، دوسروں کے عیب بیان کر دے کہ لوگ تو یوں کر رہے ہیں، اور معاشرے کے اندر یہ ہو رہا ہے، شاید ہی ہماری کوئی محفل اور کوئی مجلس اس تذکرے سے خالی ہوتی ہو، لیکن کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر یہ دیکھنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ خود میں کتنا بگڑ گیا ہوں، خود میرے حالات کتنے خراب ہیں۔ خود میرا طرز عمل کتنا غلط ہے، اس کی کتنی اصلاح کی ضرورت ہے بس دوسروں پر تنقید کا سلسلہ جاری رہتا ہے دوسروں کی عیب جوئی جاری رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ساری گفتگو لطف سخن کے لئے مجلس آرائی کے لئے مزہ لینے کے لئے ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں اصلاح کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھتا۔

سب سے زیادہ برباد شخص!

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا عجیب ارشاد ہے ہم لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے فرمایا کہ:

من قال هلك الناس فهوا هلكهم.

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب النہی عن قول، ھلک الناس حدیث نمبر ۲۶۲۳)

جو شخص یہ کہے کہ ساری دنیا تباہ و برباد ہو گئی (یعنی دوسروں پر اعتراض کر رہا ہے کہ وہ بگڑ گئے۔ انکے اندر بے دینی آ گئی، ان کے اندر بے راہ روی آ گئی، وہ بدعنوانیوں کا ارتکاب

کرنے لگے) تو سب سے زیادہ برباد خود وہ شخص ہے۔

اس لئے کہ دوسروں پر اعتراض کی غرض سے یہ کہہ رہا ہے کہ وہ برباد ہو گئے اگر اس کو واقعی بربادی کی فکر ہوتی تو پہلے اپنے گریباں میں منہ ڈالتا، اپنی اصلاح کی فکر کرتا۔

بیمار شخص کو دوسرے کی بیماری کی فکر کہاں؟

جس شخص کے اپنے پیٹ میں درد ہو رہا ہو، مروڑ اٹھ رہے ہوں۔ چین نہ آ رہا ہو، وہ دوسروں کی چھینکوں کی کیا پرواہ کریگا کہ دوسرے کو چھینکیں آ رہی ہیں، نزلہ ہو رہا ہے۔ خدانہ کرے، اگر میرے پیٹ میں شدید درد ہے، تو مجھے اپنی فکر ہوگی، اپنی جان کی فکر ہوگی، اپنے درد کو دور کرنے کی فکر ہوگی، اپنی تکلیف مٹانے کی فکر ہوگی، دوسرے کی بیماری اور دوسرے کی معمولی تکلیف کی طرف دھیان بھی نہیں جائیگا، بلکہ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر اپنی تکلیف معمولی ہے، اور دوسرے کی تکلیف بہت زیادہ ہے۔ اس کے باوجود اپنی تکلیف کا خیال اتنا چھایا ہوا ہوتا ہے کہ دوسرے کی بڑھی ہوئی تکلیف بھی نظر نہیں آتی۔

"لیکن اس کے پیٹ میں تو درد نہیں"

میری ایک عزیز خاتون تھی۔ ان کے پیٹ میں تکلیف تھی، اور وہ تکلیف ایسی تشویش ناک نہیں تھی۔ ان کو ڈاکٹر کے پاس دکھانے کے لئے کسی ہسپتال میں لے گیا، تو لفٹ (Lift) میں جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک خاتون رواں کرسی (Wheel Chair) پر سوار آئیں۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں سب ٹوٹے ہوئے تھے، اور اس پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا، اور سینہ جلا ہوا تھا۔ اور اس کی بری حالت تھی، میں نے اپنی عزیز خاتون کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ دیکھئے کہ یہ عورت کتنی سخت پریشانی اور کتنی سخت تکلیف میں ہے، اس کو دیکھنے سے آدمی کو اپنی تکلیف کی کمی کا احساس ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر زبان پر جاری ہوتا ہے، تو جواب میں وہ خاتون کہتی ہیں کہ واقعی اس کے ہاتھ پاؤں تو ٹوٹ گئے ہیں، مگر کم از کم اس کے پیٹ میں تو درد نہیں ہو رہا ہے۔ تو ان کے ذہن میں سب سے بڑی تکلیف یہ تھی کہ میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ اس کی جلی ہوئی کھال، اور ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں دیکھ کر بھی ان کو اپنی

23 تکلیف کا خیال نہیں جارہا تھا۔ اس لئے کہ اپنی تکلیف اور بیماری کا احساس ہے۔ لیکن جس شخص کو اپنی تکلیف اور بیماری کا احساس نہیں ہوتا دوسرے کی معمولی معمولی تکلیفوں کو دیکھتا پھرتا ہے تو ہماری ایک بہت بڑی بیماری یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی فکر سے غافل ہیں۔ اور دوسروں پر اعتراض اور تنقید کرنے کے لئے ہم لوگ ہر وقت تیار ہیں۔

بیماری کا علاج

اللہ جل جلالہ اس آیت کے اندر فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! پہلے اپنے آپ کی فکر کرو، اور یہ جو تم کہہ رہے ہو کہ فلاں شخص گمراہ ہو گیا، فلاں شخص تباہ و برباد ہو گیا۔ تو یاد رکھو کہ اگر تم سیدھے راستے پر آگئے تو اس کی گمراہی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ ہر انسان کے ساتھ اس کا اپنا عمل جائیگا، لہٰذا اپنی فکر کرو، تم سب اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ وہاں وہ تمہیں بتائیگا کہ تم کیا عمل کرتے رہے تھے، تمہارا عمل زیادہ بہتر تھا، یا دوسرے کا عمل زیادہ بہتر تھا۔ کیا معلوم کہ جس پر اعتراض کر رہے ہو۔ جس کے عیب تلاش کر رہے ہو، اس کی کوئی ادا، اس کا کوئی فعل اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں اتنا مقبول ہو کہ وہ تم سے آگے نکل جائے۔ بہر حال! یہ صرف لطف سخن کے لئے اور مجلس آرائی کے لئے ہم لوگ جو باتیں کرتے ہیں وہ اصلاح کا راستہ نہیں۔

خود احتسابی کی مجلس

ہاں! اگر کسی جگہ محفل ہی اسی کام کے لئے منعقد ہو کہ اس میں اس بات کا تذکرہ ہو کہ ہم لوگوں میں کیا کیا خرابیاں پائی جاتی ہیں، اور لوگ اس نیت سے اس محفل میں شریک ہوں کہ ان باتوں کو سنیں گے، اور سمجھیں گے، اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرینگے، تو پھر ایسی محفل منعقد کرنا درست ہے۔

انسان کا سب سے پہلا کام

انسان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے شب و روز کا جائزہ لے اور پھر یہ دیکھے کہ میں کتنا کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کر رہا ہوں۔ اور کتنا کام

اس کے خلاف کر رہا ہوں، اگر اس کے خلاف کر رہا ہوں تو اس کی اصلاح کا کیا راستہ ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ فکر ہمارے اور آپ کے دلوں میں پیدا فرمادے تو ہمارے معاشرے کی اصلاح بھی ہو جائیگی۔

معاشرہ کیا ہے؟

معاشرہ کس چیز کا نام ہے؟ انہیں افراد کا مجموعہ معاشرہ بن جاتا ہے، اگر ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے تو سارا معاشرہ خود بخود سدھر جائے۔ لیکن اگر ہر شخص دوسرے کی فکر کرتا رہے، اور اپنے کو چھوڑتا رہے تو سارا معاشرہ خراب ہی رہیگا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات کو دیکھیں گے تو یہ نظر آئے گا ہر شخص اس فکر میں تھا کہ کسی طرح میں درست ہو جاؤں، کسی طرح میں اپنی بیماریوں کو دور کرلوں، چنانچہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہو کر اور آپ کی باتیں سن کر دلوں پر کیا اثر ہوتا ہوگا۔ کیسی رقت طاری ہوتی ہوگی، کیسا جذبہ پیدا ہوتا ہوگا ایک دن مضطربانہ چیختے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آ کر عرض کیا۔ یارسول اللہ! ''نافق حنظلۃ'' حنظلہ تو منافق ہو گیا، یعنی اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ میں منافق ہو گیا، آپ نے ان سے پوچھا کہ کیسے منافق ہو گئے؟ کہا: یارسول اللہ! جب تک آپ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں آپ کی بات سنتا ہوں تو دل پر بڑا اثر ہوتا ہے، حالات بہتر کرنے کی طرف توجہ ہوتی ہے، لیکن جب باہر نکلتا ہوں، اور دنیا کے کاموں کے اندر لگتا ہوں تو وہ جذبہ جو آپ کی مجلس میں بیٹھ کر پیدا ہوا تھا، وہ ختم ہو جاتا ہے، یہ تو منافق کا کام ہے۔ کہ ظاہر حالات کچھ ہوں اور اندر کچھ ہوں، اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہو گیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ حنظلۃ! تم منافق نہیں ہوئے، بلکہ ''ساعۃ فساعۃ'' یہ گھڑی گھڑی کی بات ہوتی ہے۔ ہر وقت دل کی کیفیت ایک جیسی نہیں رہتی، کسی وقت جذبہ زیادہ ہوتا ہے کسی وقت کم ہوتا ہے، اس سے یہ سمجھنا کہ میں منافق ہو گیا کوئی صحیح

بات نہیں ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرۃ، حدیث نمبر ۲۷۵۰)

حضرت حنظلہ کے دل میں اپنے بارے تو یہ خیال پیدا ہوا کہ میں منافق ہو گیا لیکن آپ نے کسی دوسرے کو منافق نہیں کہا، خود احتسابی سے اپنے آپ کو منافق تصور کر کے بے قرار ہو گئے کہ اپنی فکر ہے، یہ فکر ہے کہ کہیں میرے اندر تو نفاق نہیں آ گیا ہے۔؟

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی خصوصیت

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہت سے راز بتلا رکھے تھے، آپ ہی کو رازداری سے منافقین کی پوری فہرست بھی بتا رکھی تھی کہ مدینہ شریف میں فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ اور اس درجہ وثوق سے بتا رکھی تھی کہ جب مدینہ طیبہ میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو حضرات صحابہ کرامؓ یہ دیکھتے تھے کہ اس نماز جنازہ میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ شامل ہیں یا نہیں؟ اگر حضرت حذیفہ بن یمانؓ شامل ہیں تو یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ شخص مومن تھا۔ اور اگر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے جنازہ میں شامل نہیں تو صحابہ کرام یہ اندازہ کیا کرتے تھے کہ شاید یہ شخص منافق ہے، اگر مومن ہوتا تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور شامل ہوتے۔

خلیفہ ثانی کو اپنے نفاق کا اندیشہ

کتب حدیث میں آتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب کہ خلیفہ بن چکے ہیں۔ اور آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت ہے اور جن کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ جب دیکھو غلط کار لوگوں کی اصلاح کے لئے درہ لئے پھر رہے ہیں، انتظام کا رعب اور دبدبہ ہے، لیکن اسی عالم میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے خوشامد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے مجھے یہ بتا دو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں منافقین کی جو فہرست بتا دی ہے۔ اس میں عمر بن خطاب کا نام تو نہیں ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ کہیں میرا نام تو اس فہرست میں شامل نہیں؟ کہیں میں منافقین میں شامل تو نہیں؟

(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۱۹)

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ حال تھا کہ ہر ایک کو یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ میرا کوئی فعل، میرا کوئی عمل، میرا کوئی قول، میری کوئی ادا اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف تو نہیں ہے، اور جب یہ فکر لگی ہوئی ہے تو اب جب وہ کسی دوسرے سے کوئی اصلاح کی بات کہتے ہیں تو وہ بات دل پر اثر انداز ہوتی ہے، اس سے زندگیاں بدلتی ہیں، اس سے انقلاب آتے ہیں، اور انقلاب برپا کر کے دنیا کو دکھا بھی دیا علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے مشہور واعظ تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے ایک ایک وعظ میں نو نو سو آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی ہے۔ بس ایک وعظ کہہ دیا۔ اور سب کا دل کھینچ لیا۔ اور بات یہ نہیں تھی کہ ان کی تقریر بہت جوشیلی ہوتی تھی۔ یا بڑی فصیح بلیغ ہوتی تھی۔ بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ دل سے اٹھتا ہوا جذبہ جب زبان سے باہر نکلتا ہے تو وہ دوسرے کے دل پر اثر ڈالتا ہے۔

ہمارا حال

ہماری یہ حالت ہے کہ میں آپ کو ایک بات کی نصیحت کر رہا ہوں، اور خود میرا عمل اس پر نہیں ہے۔ اس لئے اولاً تو اس بات کا اثر نہ ہوگا، اور اگر اس بات کا اثر ہو بھی گیا تو سننے والا جب یہ دیکھے گا کہ یہ خود تو اس کام کو نہیں کر رہے ہیں۔ اور ہمیں نصیحت کر رہے ہیں۔ اگر یہ کوئی اچھا کام ہوتا تو پہلے یہ خود عمل کرتے۔ اس طرح وہ بات ہوا میں اڑ جاتی ہے، اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نے جو انقلاب برپا کیا۔ اور صرف ۲۳ سال کی مدت میں پورے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ دی، بلکہ پوری دنیا کی کایا پلٹ دی، یہ منصب اس لئے آیا کہ آپ نے جس بات کا امت کو کرنے کا حکم دیا، پہلے خود اس بات پر اس سے زیادہ عمل کیا، مثلاً ہمیں اور آپ کو حکم دیا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو۔ لیکن خود حضور صلی اللہ

علیہ وسلم آٹھ وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ یعنی پانچ نمازوں کے علاوہ اشراق۔ چاشت اور تہجد بھی پڑھا کرتے تھے، بلکہ آپ کی یہ حالت تھی کہ: اذا حزبه امر صلی

(مشکوۃ، کتاب الصلاۃ، باب التطوع، حدیث نمبر ۱۳۲۵)

یعنی جب آپ کو کسی کام کی پریشانی پیش آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے دعا کرتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: جعلت قرة عینی فی الصلوة. میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ (نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب نمبر ایک)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ

اسی طرح دوسروں کو پورے سال میں ایک ماہ یعنی رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن آپ کا خود کا معمول یہ تھا کہ پورے سال میں کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا تھا، جس میں کم از کم تین روزے آپ نہ رکھتے ہوں، اور بعض اوقات تین سے زیادہ بھی رکھتے تھے۔ اور دوسروں کو تو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جب افطار کا وقت آ جائے تو فوراً افطار کر لو۔ اور دو روزوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کو ناجائز قرار دیا۔

”صوم وصال“ کی ممانعت

چنانچہ بعض صحابہ کرام کو آپ نے دیکھا کہ وہ اس طرح دو روزے ملا کر رکھ رہے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمادیا کہ تمہارے لئے اس طرح ملا کر روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ حرام ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ”صوم وصال“ رکھتے، اور یہ فرماتے کہ تم اپنے آپ کو مجھ پر قیاس نہ کرو، اس لئے کہ میرا پروردگار مجھے کھلاتا بھی ہے۔ اور پلاتا بھی ہے۔ یعنی تمہارے اندر اس روزے کی طاقت نہیں ہے، میرے اندر طاقت ہے۔ اس لئے میں رکھتا ہوں۔ گویا کہ دوسروں کے لئے آسانی اور سہولت کا راستہ بتادیا کہ افطار کے وقت خوب کھاؤ، پیو، اور رات بھر کھانے کی اجازت ہے۔

(ترمذی، کتاب الصوم، باب نمبر ۶۲ حدیث نمبر ۷۷۸)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور زکوٰۃ

ہمیں اور آپ کو تو یہ حکم دیا کہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ جتنا مال آ رہا ہے، سب صدقہ ہو رہا ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے مصلی پر تشریف لائے، اور اقامت ہو گئی، اور نماز شروع ہونے والی ہے، اچانک آپ مصلے سے ہٹ گئے اور فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ اور نماز پڑھا دی۔ صحابہ کرام کو اس پر تعجب ہوا چنانچہ نماز کے بعد صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آج آپ نے ایسا عمل کیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا اس کی کیا وجہ تھی؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اس لئے گھر واپس گیا تھا کہ جب میں مصلی پر کھڑا ہوا، اس وقت مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں سات دینار (اشرفیاں) پڑے ہیں۔ اور مجھے اس بات سے شرم آئی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں پیش ہو کہ اس کے گھر میں ضرورت سے زائد سات دینار رکھے ہوں، چنانچہ میں ان کو ٹھکانے لگا دیا۔ اور پھر اس کے بعد آ کر نماز پڑھائی۔

اللہ کے محبوب نے خندق بھی کھودی

غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کھودی جا رہی ہے، صحابہ کرام خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نہیں تھا کہ دوسرے لوگ تو خندق کھودیں، اور خود امیر ہونے کی وجہ سے آرام سے بستر پر سو جائیں، بلکہ وہاں یہ حال تھا کہ دوسروں کو جتنا حصہ کھودنے کے لئے ملا تھا، اتنا حصہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لئے بھی مقرر فرمایا، ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں جب خندق کھودی جا رہی تھی، مشقت کا وقت تھا، اور کھانے پینے کا کما حقہ انتظام نہیں تھا، اور میں بھوک سے بیتاب ہو رہا تھا، تو بھوک کی شدت کی وجہ سے میں نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھ لیا تھا۔

پیٹ پر پتھر باندھنا

پیٹ پر پتھر باندھنے کا محاورہ ہم نے اور آپ نے بہت سنا ہے، لیکن کبھی دیکھا نہیں۔ اور اللہ

تعالیٰ نہ دکھائے آمین۔ لیکن جس پر یہ حالت گزری ہو وہ جانتا ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیٹ پر پتھر باندھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اور پتھر باندھنے سے کس طرح بھوک مٹتی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ جب بھوک کی شدت ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے انسان کو اتنی کمزوری لاحق ہو جاتی ہے کہ وہ کچھ کام نہیں کر سکتا، اور پتھر باندھنے سے پیٹ پر ذرا ثقل ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے آدمی میں کھڑا ہونے کی طاقت آ جاتی ہے۔ ورنہ وہ کمزوری کی وجہ سے کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔

تاجدار مدینہ کے پیٹ پر دو پتھر تھے

بہرحال! تو ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ شدت بھوک کی وجہ سے میں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا تھا، اور اسی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر سے قمیص اٹھا دی، اور میں نے دیکھا کہ آپ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔

یہ ہے وہ چیز کہ جس بات کی تعلیم دی جا رہی ہے، جس بات کی تبلیغ کی جا رہی ہے، جس بات کا حکم دیا جا رہا ہے، پہلے خود اس پر اس سے زیادہ عمل کر کے دکھا دیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مشقت اٹھانا

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جنت کی خواتین کی سردار، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں، اور اپنے ہاتھ مبارک دکھا کر عرض کرتی ہیں کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیس پیس کر گٹے پڑ گئے ہیں، اور پانی کی مشک ڈھو ڈھو کر سینے پر نیل آ گئے ہیں یا رسول اللہ! خیبر کی فتح کے بعد سارے مسلمانوں کے درمیان غلام اور کنیزیں تقسیم ہوئی ہیں، جو ان کے گھروں کا کام کرتی ہیں، لہٰذا کوئی خدمت گار کنیز مجھے بھی عطا فرما دیجئے۔

اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کوئی کنیز خدمت کے لئے مل جاتی تو اس کی وجہ سے آسمان نہ ٹوٹتا، لیکن جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

فاطمہ! جب تک سارے مسلمانوں کا انتظام نہیں ہو جاتا، اس وقت تک محمد رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے گھر والوں کے لئے کوئی غلام اور کنیز نہیں آئیگی میں تمہیں اس مشقت کے عوض غلام اور کنیز سے بہتر نسخہ بتاتا ہوں، اور پھر فرمایا کہ ہر نماز کے بعد "سبحان اللہ" ۳۳ بار "الحمدللہ" ۳۳ بار، اور "اللہ اکبر" ۳۴ بار پڑھا کرو۔ (صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۳۵۱)

اس وجہ سے اس کو "تسبیح فاطمہ" کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس کی تلقین فرمائی تھی۔ لہٰذا دوسروں کے ساتھ تو معاملہ یہ ہے کہ غلام تقسیم ہو رہے ہیں۔ کنیزیں تقسیم ہو رہی ہیں، اور پیسے بھی تقسیم ہو رہے ہیں، اور خود اپنے گھر میں یہ حالت ہے۔

لہٰذا جب یہ صورت ہوتی ہے کہ خود کہنے والا دوسروں سے زیادہ عمل کرتا ہے تو اس کی بات میں تاثیر ہوتی ہے، اور وہ بات پھر دل پر اثر انداز ہوتی ہے وہ انسانوں کی دنیا بدل دیتی ہے، ان کی زندگیوں میں انقلابات لاتی ہے۔ اور انقلاب لائی، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں نے صحابہ کرامؓ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

۳۰ شعبان کو نفلی روزہ رکھنا

تیس شعبان کا جو دن ہوتا ہے، اس میں حکم یہ ہے کہ اس دن روزہ نہ رکھا جائے، بعض لوگ اس خیال سے روزہ رکھ لیتے ہیں کہ شاید آج رمضان کا دن ہو۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ رمضان کا چاند ہو چکا ہو، لیکن ہمیں نظر نہ آیا ہو، اس لئے احتیاط کے طور پر لوگ شعبان کی ۳۰ تاریخ کا روزہ رکھ لیتے ہیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاط رمضان کے طور پر تیس شعبان کو روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن یہ روزہ نہ رکھنے کا حکم اس شخص کے لئے ہے جو صرف احتیاط رمضان کی غرض سے روزہ رکھ رہا ہو، البتہ جو شخص عام نفلی روزے رکھتا چلا آ رہا ہے، اور وہ اگر ۳۰ شعبان کو بھی روزہ رکھ لے، اور احتیاط رمضان کی نیت اور خیال دل میں نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے۔ (ترمذی، کتاب الصوم، باب نمبر ۳)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ۳۰ شعبان کے دن خود روزے سے ہوتے تھے۔ اور پورے شہر میں منادی کرتے ہوئے پھرتے تھے کہ آج کے دن کوئی شخص روزہ نہ رکھے، اس لئے کہ عام لوگوں کے بارے میں یہ خطرہ تھا کہ اگر وہ اس دن روزہ رکھیں گے تو احتیاط رمضان کا خیال ان کے دل میں آ جائے گا اور روزہ رکھنا گناہ ہوگا، اس لئے سختی سے منع فرما دیا۔

حضرت تھانویؒ کی احتیاط

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ جن کے ہم اور آپ نام لیوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کو لوگوں کے لئے فتویٰ کے اندر آسانی پیدا کرنے کی ہر وقت فکر رہتی تھی، تاکہ لوگوں کو مشکلات نہ ہو، جتنا ہو سکے آسانی پیدا کی جائے۔ آج کل بازاروں میں پھلوں کی جو خرید و فروخت ہوتی ہے آپ حضرات جانتے ہونگے کہ آج کل یہ ہوتا ہے کہ ابھی درخت پر پھول بھی نہیں آتا کہ پوری فصل فروخت کر دی جاتی ہے اور اس طرح پھل کے آئے بغیر اس کو بیچنا شرعاً جائز نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے کہ جب تک پھل ظاہر نہ ہو جائے اس وقت بیچنا جائز نہیں۔ اس شرعی حکم کی وجہ سے بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ بازاروں میں جو پھل فروخت ہوتے ہیں، ان کی خرید و فروخت چونکہ اسی طریقے پر ہوتی ہے، اس لئے ان پھلوں کو خرید کر کھانا جائز نہیں لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان پھلوں کو کھانے کی گنجائش ہے، البتہ خود ہمیشہ احتیاط کی اور ساری عمر بازار سے پھل لے کر نہیں کھایا، اور دوسروں کو کھانے کی اجازت دے دی۔ یہ اللہ کے بندے ہیں۔ جس چیز کی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں، اس سے زیادہ خود اس پر عمل کرتے ہیں، تب ان کی بات میں اثر پیدا ہوتا ہے۔

معاشرے کی اصلاح کا راستہ

لہٰذا ہمارے اندر خرابی یہ ہے کہ اصلاح کا جو پروگرام شروع ہوگا۔ جو جماعت قائم ہو گی، جو انجمن کھڑی ہوگی، جو آدمی کھڑا ہوگا، اس کے دماغ میں یہ بات ہوگی کہ یہ سب لوگ خراب ہیں، ان کی اصلاح کرنی ہے۔ اور اپنی خرابی کی طرف دھیان اور فکر نہیں۔ اس لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ: **یایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم** (سورۃ المائدۃ:۱۰۵)

اے ایمان والو! اپنی خبر لو، اگر تم راستے پر آجاؤ تو گمراہ ہونے والے اور غلط راستے پر

جانے والے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، لہٰذا مجلس آرائی کے طور پر، اور محض برسبیل تذکرہ دوسروں کی برائیاں بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، اپنی فکر کرو، اور اپنی جتنی اصلاح کرسکتے ہو، وہ کرلو، واقعہ یہ ہے کہ معاشرے کی اصلاح کا راستہ بھی یہی ہے، اس لئے معاشرہ کس کا نام ہے؟ میرا، آپ کا اور افراد کے مجموعے کا نام معاشرہ ہے، اب اگر ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر کرلے کہ میں ٹھیک ہوجاؤں، تو رفتہ رفتہ سارا معاشرہ ٹھیک ہوجائے گا۔ لیکن اگر معاملہ یہ رہا کہ میں تمہارے اوپر تنقید کروں اور تم میرے اوپر تنقید کرو، میں تمہاری برائی بیان کروں، اور تم میری برائی بیان کرو، پھر تو اس طرح معاشرے کی حالت کبھی درست نہیں ہوسکتی، بلکہ اپنی فکر کرو، تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا جھوٹ بول رہی ہے، لیکن تم نہ بولو، دوسرے لوگ رشوت لے رہے ہیں، تم رشوت نہ لو، دوسرے لوگ سود کھارہے ہیں، تم سود نہ کھاؤ، دوسرے لوگ دھوکہ دے رہے ہیں، تم دھوکہ نہ دو، دوسرے لوگ حرام کھارہے ہیں، تم نہ کھاؤ، لیکن اس کے تو کوئی معنی نہیں ہیں کہ مجلس کے اندر تو کہہ دیں کہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور پھر خود بھی صبح سے شام تک جھوٹ بول رہے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس فکر کو ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے کہ ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر ہوجائے۔

اپنا فرض بھی ادا کرو

البتہ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ جس جگہ نیکی کی بات پہنچانا ضروری ہے وہاں نیکی کی بات پہنچائے اور اپنا فرض ادا کرے، اس کے بغیر وہ ہدایت یافتہ نہیں کہلاسکتا، نہ اس کے بغیر اپنی اصلاح کا فریضہ مکمل ہوتا ہے یہی بات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں واضح فرمادی ہے حدیث یہ ہے۔

عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: یایھا الناس انکم تقرؤن ھذہ الآیۃ " یایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم" (سورۃ المائدۃ: ۱۰۵)

وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان الناس اذا راوا الظالم فلم یاخذ واعلی یدیہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقاب منہ.

آیت سے غلط فہمی

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں آپ نے قرآن کریم کی اس آیت کی صحیح تشریح نہ سمجھنے پر لوگوں کو تنبیہ فرمائی اور آیت کی تشریح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ارشاد فرمائی جس سے اس آیت کے صحیح مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بعض لوگ اس آیت کی یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اپنی خبر لو اپنی اصلاح کی فکر کرو بس اب ہمارے ذمے تو اپنی اصلاح کی فکر واجب ہے۔ اگر کسی دوسرے کو غلط کام کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں تو اس کو ٹوکنا، اس کی اصلاح کی فکر کرنا ہمارے ذمے ضروری نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ اس آیت کا یہ مطلب لینا غلط فہمی ہے۔ اس لئے کہ اگر لوگ یہ دیکھیں کہ ایک ظالم کسی دوسرے پر ظلم کر رہا ہے، لیکن وہ لوگ اس ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو ظلم سے نہ روکیں تو ان حالات میں قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے تمام افراد پر اپنا عذاب نازل فرمادیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ تمہارے سامنے ظالم ظلم کر رہا ہے اور مظلوم پٹ رہا ہے، اور ظالم کو ظلم سے روکنے کی طاقت تمہارے اندر موجود ہے، لیکن اس کے باوجود تم نے یہ سوچا کہ اگر یہ ظلم کر رہا ہے یا غلط کام کر رہا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی عمل ہے۔ میں تو ظلم نہیں کر رہا ہوں۔ لہٰذا مجھے اس کے اس فعل میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے اور مجھے ان سے الگ رہنا چاہئے، اور وہ اپنے اس طرز عمل پر اس آیت سے استدلال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمادیا کہ اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ اگر دوسرا شخص غلط کام کر رہا ہے تو اس کی غلط کاریاں تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اس آیت سے یہ مطلب نکالنا بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اگر ظالم کو ظلم سے روکنے کی قدرت اور طاقت تمہارے اندر ہو تو تم ضرور اس کو ظلم سے روک دو۔

آیت کی صحیح تشریح و تفسیر

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں یہ جو فرمایا کہ ''کسی کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی، بشرطیکہ تم اپنی اصلاح کی فکر کرلو'' اس میں اصل بات یہ ہے کہ ایک شخص اپنی استطاعت کے مطابق اور اپنی طاقت کے مطابق امر بالمعروف کا فریضہ ادا کر چکا ہے، لیکن اس کے باوجود دوسرا شخص اس کی بات نہیں مانتا، تو تمہارے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اب اس کی غلط کاری تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گی، اب تم اپنی فکر کرو اور اپنے حالات کو درست رکھو، انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

اولاد کی اصلاح کب تک

مثلاً اولاد ہے۔ اولاد کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر والدین یہ دیکھ رہے ہیں کہ اولاد غلط راستے پر جارہی ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ اس کو روکیں، اور اسکو غلط کاری سے بچائیں جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ، اور اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ، والدین کے ذمہ یہ فرض ہے، لیکن ایک شخص نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں، لیکن اولاد نے بات نہ مانی، تو اس صورت میں انشاء اللہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہوگا، حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی آخر وقت تک اسلام نہیں لایا اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو سمجھایا، اس کو تبلیغ کی، دعوت دی، اور ان سے زیادہ کون حق تبلیغ ادا کرے گا۔ لیکن اس کے باوجود آخر وقت تک وہ اسلام نہ لایا۔ اب اس کا مواخذہ حضرت نوح علیہ السلام سے نہیں ہوگا۔

ایک شخص کا دوست غلط راستے پر جارہا ہے، غلط کاموں میں مبتلا ہے۔ اور یہ شخص اپنی استطاعت کے مطابق اپنے دوست کو پیار و محبت سے ہر طرح اس کو سمجھاتا رہا، اور سمجھا سمجھا کر تھک گیا، لیکن وہ دوست غلط کاموں سے باز نہیں آیا، تو اب اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوگی۔

تم اپنے آپ کو مت بھولو

آ گے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آیت نقل کی ہے کہ:

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون. (سورۃ البقرہ:۴۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم دوسروں کو نیکی کی نصیحت کرتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، یعنی تم تورات کے عالم ہو، جس کی وجہ سے لوگ تمہاری طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ حکم اگرچہ یہودیوں کے لئے تھا، لیکن مسلمانوں کے لئے بطریق اولیٰ ہوگا کہ جو شخص دوسروں کو نصیحت کر رہا ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ اس نصیحت کو پہلے اپنے اوپر لاگو کرے۔

یہ مسئلہ تو میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ تبلیغ کے بارے یہ حکم یہ نہیں کہ جو شخص برائی میں مبتلا ہے وہ تبلیغ نہ کرے، اور دوسروں کو نصیحت نہ کرے، بلکہ حکم یہ ہے کہ نصیحت کرے، لیکن نصیحت کرنے کے بعد یہ سوچے کہ میں جب دوسروں کو نصیحت کر رہا ہوں تو خود بھی اس پر عمل کروں، اور اپنے آپ کو نہ بھولے، اور یہ نہ سمجھے کہ یہ نصیحت دوسروں کے لئے ہے، بلکہ یہ سوچے کہ یہ نصیحت میرے لئے بھی ہے۔ اور مجھے بھی اس پر عمل کرنا ہے۔

مقررین اور واعظین کے لئے خطرناک بات

اس آیت کے بعد امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جس میں بڑی خطرناک بات ارشاد فرمائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا مصداق بننے سے ہم سب کو بچائے۔ آمین۔ فرمایا کہ:

عن اسامة بن زید بن حارثه رضی الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: یوتی بالرجل یوم القیامة فیلقی فی النار فتند لق اقتاب بطنه فید ورکما یدور الحمار فی الرحا فیجتمع الیه اهل النار فیقولون یا فلان مالک؟ الم تکن تامر بالمعروف وتنهی عن المنکر؟ فیقول: بلی کنت آمر بالمعروف ولا آتیه وانهی عن المنکر و آتیه. (البدایہ، جلد اول ص۱۸۷)

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا، آگ میں گرتے ہی گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل آئیں گی، اور وہ شخص اپنی آنتوں کے گرد اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے اس زمانے میں ایک بڑی چکی ہوا کرتی تھی اس چکی میں گدھے کو باندھ دیتے تھے، وہ اس چکی کو گھماتا تھا۔ جب اہل جہنم اس کا یہ منظر دیکھیں گے تو وہ آکر اس کے پاس جمع ہو جائیں گے، اور اس سے پوچھیں گے کہ یہ قصہ ہے؟ ایسی سزا تمہیں کیوں دی جا رہی ہے؟ کیا تم وہ شخص نہیں ہو کہ تم لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے؟ اور برائی سے روکا کرتے تھے؟ تم عالم فاضل تھے اور داعی حق تھے اور لوگوں کے لئے مصلح کا درجہ رکھتے تھے۔ آج تمہارا یہ انجام کیسے ہوا؟ اس وقت وہ شخص جواب میں کہے گا کہ ہاں! میں اصل میں لوگوں کو تو نیکی کی نصیحت کرتا تھا۔ لیکن خود نیکی نہیں کرتا تھا اور لوگوں کو برائی سے روکتا تھا، اور میں خود اس برائی کا ارتکاب کیا کرتا تھا، اس وجہ سے آج میرا یہ انجام ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ بچائے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین اس حدیث کو جب پڑھتا ہوں تو ڈر لگتا ہے وہ لوگ جن کو نیکی کی بات کہنے اور دین کی بات سنانے کا کام کرنا ہوتا ہے ان کے لئے یہ بڑا نازک اور خ[illegible] ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ اس کا مصداق بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کا مصد[illegible] ائے، آمین۔

چراغ سے چراغ جلتا ہے

بہر حال! اگر آدمی کو اپنی فکر نہ ہو، اور دوسرے کی اصلاح کی فکر لے کر آدمی چل کھڑا ہو، اور دوسروں کے عیب تلاش کرتا رہے تو اس طرح معاشرے کی اصلاح ہونے کے بجائے اور زیادہ فساد کا راستہ کھلتا ہے۔ اور زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے سامنے ہے اگر اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ فکر پیدا فرمادے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عیوب کا جائزہ لے کہ میں کیا کیا کام غلط کر رہا ہوں، اور پھر اس کی اصلاح کی فکر میں لگ جائے۔ چاہے دس سال کی زندگی باقی ہو، یا پندرہ سال کی اور بیس سال کی زندگی باقی ہو، آخر میں ہر ایک کو اپنی قبر میں پہنچنا ہے اور اپنے سارے اعمال کا اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونا ہے، اسکو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا جائزہ لے، اپنے حالات کو دیکھے۔ اور اس میں جہاں جہاں خرابیاں نظر آئیں، اس کی اصلاح کی طرف قدم بڑھائے، پھر چاہے کوئی انجمن اور جماعت نہ بنائے لیکن ایک آدمی کم از کم اپنے آپ کی اصلاح کر لے، اور وہ خود سیدھے راستے پر لگ جائے تو قرآن کریم کے اس حکم پر عمل ہو جائے گا ایک سے دو، دو سے تین، چراغ سے چراغ جلتا ہے، شمع سے شمع روشن ہوتی ہے اور اس طرح دین کا یہ طریقہ دوسروں [illegible] ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ فکر [illegible] رمائیں۔ اور اپنی اصلاح کرنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائیں، اور اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ماخذ و مصادر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا	(انتخاب حدیث - از: شیخ الاسلام)
انعام الباری	(اردو شرح بخاری - از افادات: شیخ الاسلام)
تراشے	(از: شیخ الاسلام)
نشری تقریریں	(از: شیخ الاسلام)
ذکر و فکر	(از: شیخ الاسلام)
آسان نیکیاں	(از: شیخ الاسلام)
اصلاحی خطبات	(از: شیخ الاسلام)
اصلاحی مجالس	(از: شیخ الاسلام)
اصلاحی مضامین	(از افادات: شیخ الاسلام)
فتاویٰ عثمانی	(از: شیخ الاسلام)
اسلام اور جدید معیشت و تجارت	(از: شیخ الاسلام)
درس ترمذی	(از: شیخ الاسلام)
اصلاح معاشرہ	(از افادات: شیخ الاسلام)
فقہی مقالات	(از افادات: شیخ الاسلام)
ہمارے عائلی مسائل	(از: شیخ الاسلام)
ہمارا معاشی نظام	(از افادات: شیخ الاسلام)
میرے والد ماجد میرے شیخ	(از: شیخ الاسلام)
مآثر عارفی	(از: شیخ الاسلام)
نقوش رفتگاں	(از افادات: شیخ الاسلام)
ارشادات اکابر	(از افادات: شیخ الاسلام)

ماہنامہ "محاسن اسلام" - ماہنامہ "البلاغ"